اسلام کے معاشی تصورات

مرتبہ

غلام دستگیر رشید - ایم۔ اے
لکچرار نظام کالج

انڈیا بک ہاؤس
حیدرآباد دکن

تعداد طبع
ایک ہزار

ماہ اپریل سنہ ۱۹۴۵ء

۳ روپیہ ۱۲ آ ۸ پ حالی

۳ روپیہ ۴ آ کلدار

مطبوعہ
برقی اعظم جاہی پریس
حیدرآباد دکن

فہرست

انتساب

ان سعید روحوں اور حساس دلوں کے نام جو خدائے برتر
اور اسلام کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح اپنے آپ کو
غریبوں کے مفادات کا عین[1] قرار دیتے ہیں

اور

معیشت و زندگی کے بہتر سے بہتر نظام کی سچی طلب رکھتے ہیں ؎

انساں کی ہوس نے جنہیں رکھا تھا چھپا کر
کھلتے نظر آتے ہیں بہ تدریج وہ اسرار

(اقبالؒ)

الفقیر الی اللہ

رشید

---

[1] قرآن و حدیث میں کئی ایسے مقامات ہیں جہاں خدا نے غریبوں کے مفادات سے ٹکرانے کو خدا اور رسول سے جنگ کے مترادف قرار دیا ہے غریبوں کے حق کو اپنا حق، مقروضوں کی مدد کو اپنی مدد، انکی بھوک کو اپنی بھوک، انکی عبادت کو اپنی عبادت قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو مقالہ بیو رج اسکیم و اسلامی تحفظ سماج

مشعلِ راہ

(اسلامی نظامِ معاشیات)

ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دین
جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآں نہیں
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے لیکن ہے یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیرِ رہ نشین
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امین
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

(اقبالؒ، ارمغانِ حجاز)

حرفِ محرمانہ

باطل

جانتا ہے جس پہ روشن فتنۂ ایام ہے

مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے

تمدن کے معاشی، سیاسی، قانونی اور دینی شعبے اپنی محدود عملی تقسیم کے باوجود ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ ایک دوسرے سے متاثر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو متاثر کرتے ہیں اس باہمی اثر و تاثر کا تجزیہ نہایت دور رس علم اور ہمہ گیر فکر کا محتاج ہے۔ اس کی ضمانت صرف علمِ الٰہی یعنی اسلام میں ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے اسلام کا تعلق معاشیات سے پیدا ہوتا ہے۔ اسلام زندگی کا رفیق ہی نہیں بلکہ کاروانِ حیات کا رہنما ہے۔ روشن زندگی کا نگراں ہے اور شعبوں کی طرح معاشی زندگی میں بھی شریعتِ اسلام آئینِ مسلم کے ذریعے سے افراد کی معاشی احتیاجات اور مفادات کے حدود مقرر کرتی ہے تاکہ معاشی جد و جہد مفادات کے تصادم سے محفوظ رہے۔ ایک ہم آہنگ سوسائٹی پیدا ہو۔ طبقہ واری فسادات کی جگہ تعاون اخوت، مساوات اور توازن۔ اقوام جس قدر طاقت، اور سرعت کے ساتھ اسلام میں پورے داخل ہو جائیں، اسی قدر جلد اسلام کے معاشی نظام کی ان نعمتوں سے مالامال ہوں گی۔

معاشیات آج دنیا کے مسائل کا محور اور مرکز ہے۔ سوشلزم نے اسے دو آتشہ بنا دیا ہے ماحول کا تقاضا ہے کہ اسلام اور اسلامی معاشیات کی بے نظیر خوبیوں کو وضاحت سے دنیا کے آگے پیش کیا جائے یہ اسلامی تعلیم اور تبلیغ کا ایک نیا اور دلکش عنوان بن گیا ہے۔ اس موضوع پر

سرمایہ بہت کم ہے۔ گنی چنی دو چار کتابیں ہیں[1]۔ اسلامی معاشیات کا فن تدوین کی ابتدائی منزلیں طے کر رہا ہے۔ پھر تقابلی مطالعہ کا میدان ہے۔

مستقل کتابیں تو آسانی سے مل جائیں گی لیکن منتشر مفید اور قیمتی مقالات کا وقت پر یکجا ملنا نہایت مشکل ہے۔ اس تالیف کا مقصد اسی مشکل کو کسی حد تک آسان کرنا ہے یہ مضامین کسی پہلے سے مجوزہ مباحث کے اجزا نہیں ہیں جن کو مختلف اہل علم نے سپرد قلم کیا ہو نہ یہ کسی ایک ہی مصنف کی تصنیف کے مربوط و مرتب ابواب ہیں۔ اس نقطہ سے ان مقالات میں اس نوعیت کی ترتیب نہیں ہو سکتی۔ نہ یہ دعوی کیا جا سکتا ہے کہ یہ مضامین اسلامی معاشیات کے سارے ضروری مباحث پر حاوی ہیں مختلف اوقات میں مختلف مفکرین نے مختلف اجزا پر بحث کی ہے ؏ سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں

مجھے اس موضوع سے خاص دلچسپی تھی، میں ان کا مطالعہ کرتا رہا۔ جو مضمون پسند آیا اس کی ایک نقل رکھ لی۔ اب اس تالیف کا مقصد یہ ہے کہ ہم ذوق احباب کے ہاتھوں تک ملک کے گوشہ گوشہ میں یہ مجموعہ پہنچ جائے۔ مدیر "ادارۂ ادب جدید" جناب انعام اللہ خاں صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل علاوہ تجارت کے انسانیت کے لئے اسلامی افکار کی اشاعت کی قدر و قیمت کا بھی احساس رکھتے ہیں۔ یہی جذبہ اسلامی تہذیب کی اشاعت کا محرک ہوا۔ اور اسی ذوق نے "اسلام کے معاشی تصورات" کو طباعت و اشاعت کے زیور سے آراستہ کیا۔

وقت کی اہم معاشی تحریک اشتراکیت ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اسلامی معاشیات پر قلم اٹھایا جائے اور اشتراکیت زیر بحث نہ آئے۔ سطحی یا سرسری نظر کے اسلام کو بالکلیہ

[1] استاد مخدوم مولانا سید مناظر احسن گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ کی ایک اہم کتاب "اسلامی معاشیات" رسالہ معارف و سیاست میں بالاقساط شائع ہو رہی ہے۔

سرمایہ داری یا اشتراکیت کے ہم معنی قرار دینا بڑی غلطی ہے۔ فکر اور تجربہ جب ان کی خامیاں نمایاں کریں تو اس وقت کہیں ندامت نہ ہو۔

اصل یہ ہے کہ اسلام بجائے خود ایک مستقل نظام ہے اور یہی اس کی بہترین تعبیر بھی ہے بلاشبہ اسلام میں کئی ایسے پہلو ہیں جو اشتراکیت کے مماثل یا مشابہ ہیں۔ گہری نظر سے دیکھو تو ان مشابہ امور میں بھی دوسرے عناصر کے ربط کے ساتھ اسلامی معیشت کے فضائل محسوس ہوں گے ساتھ ہی ساتھ بعض نقاط ایسے بھی ہیں جن میں اسلام اور مسلک اشتراکیت کا فرق صاف نمایاں ہوتا ہے مثلاً مارکس اور لینن کا مادی فلسفہ کائنات یا معاشی نظریۂ تاریخ و اخلاق وغیرہ!

بعض مقالہ نگاروں نے اسلام اور اشتراکیت کے اس فرق کو بڑی شدت سے نمایاں کیا ہے اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ اسلام اور غریبوں کے مفادات اور منصفانہ تقسیم دولت کے مقاصد میں واقعی فی نفسہ کوئی تضاد ہے اس کے بالکل برعکس اسلام کے الٰہیاتی تصورات اور قانونی نکات غریبوں کے مفاد اور ترقی کے بہت بڑے وکیل اور مجاہد ہیں قرآن نے ملت اسلامیہ کو سرمایہ پرستی کے خلاف ایک چیلنج بنایا ہے (جو لوگ دولت و زر بٹور کر ذخیرہ کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان کے لئے دردناک عذاب کا اعلان کر دو قرآن[1]) معاشی انصاف اور سماجی توازن کی تحریک کو رسول اسلام سے بہتر قیادت نہیں مل سکتی انسانیت کی بڑی خدمت ہوگی اگر تعصب دور کر کے حقیقت پسندی اور حق پرستی کے ساتھ اشتراکی اسلام کا اور مسلمان اشتراکیت کا تقابلی مطالعہ کریں۔ اگر یہ کتاب اس سلسلہ میں کسی کے کام آجائے تو توفیق الٰہی شکر نا متناہی کی مستحق ہے۔ ع اپنا کمال ان کی عنایت کا نام ہے۔

نیاز کیش
رشید

---

[1] والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقون فی سبیل اللہ فبشرہم بعذاب الیم۔

معاشی مسئلہ اور اُسکا اسلامی حل

از
متکلمِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابو الاعلیٰ صاحب مودودی مدّظلہٗ

معاشی مسئلہ اور اُسکا اسلامی حل

اہمیت اور اُلجھن:- موجودہ زمانے میں ملکوں اور قوموں کے اور بحیثیت مجموعی دنیا کے معاشی مسائل کو جو اہمیت دی جا رہی ہے، شاید اس سے پہلے کم از کم نمایاں طور پر ان کو اتنی اہمیت کبھی نہیں دی گئی۔ "نمایاں طور پر" کا لفظ میں اس لئے استعمال کر رہا ہوں کہ حقیقت میں انسان کی زندگی میں اس کی معاش جس قدر اہمیت رکھتی ہے اس کے لحاظ سے ہر زمانے میں، افراد، جماعتوں، قوموں، ملکوں اور تمام انسانوں نے اس کی طرف بہرحال توجہ کی ہے، لیکن آج اس توجہ کو جس چیز نے نمایاں کر دیا ہے وہ معاشیات کے نام سے ایک باقاعدہ علم کا بڑی بڑی کتابوں، بھاری بھرکم اصطلاحوں اور پُرشوکت اداروں کے ساتھ موجود ہونا، اور ساتھ ہی ضروریاتِ زندگی کی پیدائش، فراہمی اور اکتساب کے طریقوں کا پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے چلے جانا ہے، ان اسباب سے آج معاشی مسائل پر بحث و گفتگو اور عالمانہ تحقیق کا وہ زور شور ہے کہ ان کے آگے انسانی زندگی کے سارے مسائل دب کر رہ گئے ہیں۔

لیکن عجیب بات ہے کہ جس چیز پر دنیا بھر کی توجہات اس طرح مرکوز ہو گئی ہیں وہ بجائے سُلجھنے اور صاف ہونے کے اور زیادہ اُلجھتی اور معمہ بنتی چلی جاتی ہے۔

جزء و کل:- اصطلاحات کے چکّر اور فنی پیچیدگیوں کے طلسمات نے اس مسئلے کو جس قدر اُلجھایا ہے اس پر مزید اُلجھن اس وجہ سے بھی پیدا ہو گئی ہے کہ انسان کے معاشی مسئلہ کو جو در اصل انسانی زندگی کے عظیم تر مسئلے کا ایک جزء تھا مجموعہ سے الگ کر کے بجائے خود ایک مستقل مسئلے کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا، اور رفتہ رفتہ یہ لَے اتنی بڑھی کہ معاش کے مسئلے ہی کو

پوری انسانی زندگی کا مسئلہ سمجھ لیا گیا۔ یہ پہلی غلطی سے بھی زیادہ بڑی غلطی ہے جس کی وجہ سے اس گتھی کا سلجھنا محال ہو گیا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی امراضِ جگر کا ماہر انسانی جسم کے مجموعی نظام سے الگ کر کے اور اس نظام میں جگر کی جو حیثیت ہے اس کو نظر انداز کر کے جگر کو بس جگر ہونے کی حیثیت سے دیکھنا شروع کر دے، اور پھر اس دیکھنے میں اتنا مستغرق ہو کہ آخر کار اسے پورا انسانی جسم بس ایک بڑا سا جگر ہی جگر نظر آنے لگے! آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اگر انسانی صحت کے سارے مسائل کو صرف ایک جگر بات سے حل کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ مسائل کس قدر ناقابلِ حل ہو جائیں گے اور آدمی بیچارے کی جان کس قدر شدید خطرے میں مبتلا ہو کر رہے گی۔

اصل حقیقت:- جو لوگ معاشیات میں مستغرق ہیں وہ انسان کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ معاش تیری زندگی کا اصل مسئلہ ہے اور باقی سارے مسائل اسی جڑ کی شاخیں ہیں۔ حالانکہ اصل حقیقت جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب ایک کل کے مختلف پہلو ہیں۔ اس کل کے اندر ان سب کا ایک خاص مقام ہے اور اس مقام کے لحاظ ہی سے ان کی اہمیت بھی ہے۔ انسان ایک جسم رکھتا ہے جو قوانینِ طبعی کے ماتحت ہے اس لحاظ سے انسان طبعیات کا موضوع بھی ہے مگر وہ نرا جسم ہی نہیں ہے کہ صرف طبعیات سے اُس کے سارے مسائل حل کئے جا سکیں۔ انسان ایک ذی حیات ہستی ہے جس پر حیاتی قوانین جاری ہوتے ہیں اس لحاظ سے وہ علم الحیات کا موضوع ہے مگر وہ نرا ذی حیات نہیں ہے کہ صرف حیاتیات یا حیوانیات ہی سے اس کی زندگی کا پورا قانون اخذ کیا جا سکے۔ انسان کو زندہ رہنے کیلئے غذا کی، پوشش کی، اور مکان کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے معاشیات اس کی زندگی کے ایک اہم شعبہ پر حاوی ہے۔ مگر وہ محض ایک کھانے، پہننے اور گھر بنا کر رہنے والا حیوان نہیں ہے کہ تنہا معاشیات ہی پر اس کے پورے فلسفۂ حیات کی بنا رکھ دی جائے۔ انسان اپنی نوع کو باقی رکھنے کیلئے تناسل پر بھی مجبور ہے جس کے لئے اس کے اندر ایک زبردست صنفی میلان پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے صنفیات کا

علم بھی اس کی زندگی کے ایک اہم پہلو سے تعلق رکھتا ہے مگر وہ بالکل نسل کشی کا آلہ ہی نہیں ہے کہ بس صنفیات ہی کی عینک لگا کر اُسے دیکھا جانے لگے! انسان ایک نفس رکھتا ہے جس میں شعور اور ادراک کی مختلف قوتیں اور جذبات و خواہشات کی مختلف طاقتیں ہیں، اس لحاظ سے نفسیات اس کے وجود کے ایک بڑے شعبہ پر محیط ہے لیکن وہ از سرتاپا نفس ہی نفس نہیں ہے کہ نفسیات کے علم سے اس کی زندگی کی پوری اسکیم بنائی جاسکے! انسان ایک متمدن ہستی ہے جو عین اپنی فطرت کے لحاظ سے مجبور ہے کہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر رہے۔ اس لحاظ سے اس کی زندگی کے بہت سے پہلو عمرانیات کے تحت آتے ہیں لیکن متمدن ہستی ہونا اس کا تمام وجود نہیں ہے کہ محض علوم عمران کے ماہرین بیٹھ کر اس کے لئے مکمل نظامِ حیات وضع کرسکیں! انسان ایک ذی عقل ہستی ہے جس کے اندر محسوسات سے ماوراء معقولات کی طلب بھی پائی جاتی ہے اور وہ عقلی اطمینان چاہتا ہے۔ اس لحاظ علوم عقلیہ اُس کے ایک خاص مطالبہ کو پورا کرتے ہیں مگر وہ پورا کا پورا عقل ہی نہیں ہے کہ محض معقولات کے بل بوتے پر اس کے لئے ایک لائحہ زندگی بنایا جاسکے! انسان ایک اخلاقی و روحانی وجود ہے جس میں بھلے اور بُرے کا امتیاز، اور محسوسات و معقولات دونوں سے ماوراء حقیقتوں تک پہنچنے کا داعیہ بھی پایا جاتا ہے اور اس لحاظ سے اخلاقیات و روحانیات اس کے ایک اور اہم مطالبہ کو پورا کرتے ہیں۔ مگر وہ از سرتاپا اخلاق اور روح ہی نہیں ہے کہ مجرّد اخلاقیات اور روحانیات سے اس کے لئے پورا نظامِ زندگی بنایا جاسکے۔

کھلی ہوئی بات: اب یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر آپ اپنی زندگی کے کسی مسئلے کو سمجھنا چاہیں تو اس کے لئے یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے کہ آپ خوردبین لگا کر صرف اسی ایک مسئلے پر اپنی نظر کو محدود کرکے دیکھیں یا اس خاص شعبۂ حیات کے لئے جس سے وہ مسئلہ تعلق رکھتا ہے، ایک قسم کا تعصب لئے ہوئے پورے مجموعۂ حیات پر نظر ڈالیں لیکن صحیح فہم و ادراک کیلئے آپ کو پورے مجموعے کے اندر رکھ کر

اسے دیکھنا ہوگا اور غیر متعصبانہ نگاہ سے دیکھنا ہوگا۔ اسی طرح اگر آپ زندگی کے توازن میں کوئی بگاڑ پائیں اور اُس کو درست کرنا چاہیں تو یہ اور بھی زیادہ خطرناک ہے کہ آپ کسی ایک مسئلۂ زندگی کو کُل مسئلۂ زندگی قرار دیکر سارے کارخانے کو اسی ایک پُرزے کے گرد گھما دیں۔ اس حرکت سے تو آپ اور زیادہ عدم توازن پیدا کر دینگے صحیح طریقِ اصلاح یہ ہے کہ غیر متعصبانہ نگاہ سے پورے نظامِ زندگی کو اس کے بُنیادی فلسفے سے لیکر شاخوں کی تفصیلات تک دیکھئے اور تحقیق کیجئے کہ خرابی کس جگہ اور کس نوعیت کی ہے۔

صحیح حل، شرطِ اوّل :۔ انسان کے معاشی مسئلے کو سمجھنے اور صحیح طور پر حل کرنے میں جو مشکل پیش آرہی ہے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اس مسئلہ کو بعض لوگ صرف معاشیات کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بعض اس کی اہمیت میں مبالغہ کرکے اسے کُل مسئلۂ زندگی قرار دے رہے ہیں اور بعض اس سے بھی تجاوز کرکے زندگی کا بنیادی فلسفہ اور اخلاق اور تمدن و معاشرت کا سارا نظام معاشی بُنیاد ہی پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔

سیدھا اور سادہ طریقہ :۔ اب اگر ہم اصطلاحی اور فنی پیچیدگیوں سے بچ کر ایک سیدھے سادھے طریقے سے دیکھیں تو انسان کا معاشی مسئلہ ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ تمدن کی رفتارِ ترقی کو قائم رکھتے ہوئے کس طرح تمام انسانوں کو ان کی ضروریاتِ زندگی بہم پہنچنے کا انتظام ہو۔ اور کس طرح سوسائٹی میں ہر شخص کو اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق ترقی کرنے اور اپنی شخصیت کو نشوونما دینے اور اپنے کمال لائق تک پہنچنے کے مواقع حاصل رہیں؟

تمدن کی پیدائش کے ساتھ چند چیزیں ناگزیر تھیں:۔

ایک یہ کہ انسان کی ضروریاتِ زندگی بڑھیں اور ہر شخص خود اپنی تمام ضروریات فراہم نہ کر سکے بلکہ اس کی کچھ ضرورتیں دوسروں سے اور دوسروں کی اس سے متعلق ہوں۔

دوسرے یہ کہ ضروریاتِ زندگی کا مبادلہ عمل میں آئے اور رفتہ رفتہ مبادلہ اشیا کا ایک

واسطہ مقرر ہو جائے۔

تیسرے یہ کہ اشیائے ضرورت تیار کرنے کے آلات اور حمل و نقل کے وسائل میں اضافہ ہو اور جتنی نئی چیزیں انسان کے علم میں آئیں ان سب سے وہ فائدہ اٹھاتا چلا جائے۔

چوتھے یہ کہ آدمی کو اس امر کا اطمینان حاصل ہو کہ وہ چیزیں جن کو اس نے خود اپنی محنت سے حاصل کیا ہو، وہ آلات جن سے وہ کام کرتا ہے، وہ زمین جس پر اس نے گھر بنایا ہے، وہ جگہ جس میں وہ اپنے پیشہ کا کام کرتا ہے، یہ سب اسی کے قبضے میں رہیں گی اور اس کے بعد ان لوگوں کی طرف منتقل ہوں گی جو دوسروں کی بہ نسبت اس سے قریب تر ہیں۔

اس طرح مختلف پیشوں کا پیدا ہونا، خرید و فروخت اشیاء کی قیمتوں کا تعین اور روپئے کا معیار قیمت کی حیثیت سے جاری ہونا، بین الاقوامی لین دین اور درآمد و برآمد تک نوبت پہنچنا اور نئے نئے آلات و وسائل پیدائش کا استعمال میں آنا حقوق ملکیت اور وراثت کا وجود میں آنا، یہ سب عین مقتضائے فطرت تھا اور ان میں سے بھی کوئی چیز گناہ نہ تھی کہ اب اس سے توبہ کرنے کی ضرورت ہو۔

مزید برآں تمدن کے نشوونما کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ:-

(۱) مختلف انسانوں کی قوتوں اور قابلیتوں کے درمیان جو فرق خود فطرت نے رکھا ہے اس کی وجہ سے بعض انسانوں کو اپنی اصل ضرورت سے زیادہ کمانے کا موقع مل جائے اور بعض اپنی ضرورت کے مطابق، اور بعض اس سے کم کمائیں۔

(۲) وراثت کے ذریعہ سے بھی بعض کو زندگی کا آغاز کرنے کیلئے اچھے وسائل مل جائیں اور بعض کم وسائل کے ساتھ اور بعض بے وسیلہ کارزار حیات میں قدم رکھیں۔

(۳) قدرتی اسباب سے بھی ہر آبادی میں ایسے لوگ موجود رہیں جو کسب معاش کے کام میں حصہ لینے

اور اسبابِ زندگی کے مہیا کرنے میں شریک ہونے کے قابل نہ ہوں مثلاً بچے، بوڑھے، بیمار، معذور وغیرہ۔

(۴) بعض انسان خدمت لینے والے اور بعض خدمات انجام دینے والے ہوں اور اس طرح آزادانہ صنعت و تجارت اور زراعت کے علاوہ نوکری اور مزدوری کی صورتیں بھی پیدا ہو جائیں۔

یہ سب بھی بجائے خود انسانی تمدن کے فطری مظاہر اور قدرتی پہلو ہیں۔ ان صورتوں کا رونما ہونا بھی اپنی جگہ کوئی برائی یا گناہ نہیں ہے کہ ان کے استیصال کی فکر کی جائے تمدن کی خرابی کو دوسرے اسباب سے جو برائیاں پیدا ہوئی ہیں اُن کے اصل سبب کو نہ پاکر بہت سے لوگ گھبرا اٹھتے ہیں اور کبھی شخصی ملکیت کو، کبھی روپے کو، کبھی مشین کو، کبھی انسان کی فطری نامساوات کو، اور کبھی خود تمدن ہی کو کوسنے لگتے ہیں لیکن درحقیقت یہ غلط تشخیص اور غلط تجویز علاج ہے۔ انسانی فطرت کے تقاضے سے تمدن میں جو نشوونما ہوتا ہے اور اس نشوونما سے فطرتاً جو صورتیں رونما ہوتی ہیں اُن کو روکنے کی ہر کوشش نادانی ہے اور اس کے نتیجہ میں فلاح کی بجائے تباہی و نقصان کا زیادہ امکان ہے۔ انسان کا اصل معاشی مسئلہ یہ نہیں ہے کہ تمدن کی ترقی کو کس طرح روکا جائے، اس کے قدرتی مظاہر کو کس طرح بدلا جائے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ تمدن کے نشوونما کی فطری رفتار کو برقرار رکھتے ہوئے اجتماعی ظلم و بے انصافی کو کیسے روکا جائے اور فطرت کا یہ منشا کہ ہر مخلوق کو اس کا رزق پہنچے، کیونکر پورا کیا جائے، اور ان رکاوٹوں کو کس طرح دور کیا جائے جن کی بدولت بہت سے انسانوں کی قوتیں اور قابلیتیں محض وسائل کے فقدان کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہیں۔

اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ خرابی کے اصل اسباب کیا ہیں اور خرابی کی نوعیت کیا ہے۔

خرابی کا نقطۂ آغاز ہمنظام معیشت کی خرابی کا نقطۂ آغاز خود غرضی کا حدِ اعتدال سے بڑھ جانا ہے پھر دوسرے رذائل اخلاق اور ایک فاسد نظام سیاست کی مدد سے یہ چیز بڑھتی

اور پھیلتی ہے یہانتک کہ پورے معاشی انتظام کو خراب کر کے زندگی کے باقی شعبوں میں بھی اپنا زہریلا اثر پھیلا دیتی ہے۔ ابھی میں آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ شخصی ملکیت، اور بعض انسانوں کا بعض کی بہ نسبت بہتر معاشی حالت میں ہونا یہ دونوں عین فطرت کے مقتضیات تھے اور بجائے خود ان میں کوئی خرابی نہ تھی۔ اگر انسان کے تمام اخلاقی صفات کو توازن کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملتا اور اگر خارج میں بھی ایک ایسا نظام سیاست موجود ہوتا جو زور و قوت کے ساتھ عدل قائم رکھتا تو ان سے کوئی خرابی پیدا نہ ہو سکتی تھی۔ لیکن جس چیز نے انہیں خرابیوں کی پیدائش کا ذریعہ بنا دیا وہ یہ تھی کہ جو لوگ فطری اسباب سے بہتر معاشی حیثیت رکھتے تھے وہ خود غرضی، تنگ نظری، بداندیشی، بخل، حرص، بددیانتی اور نفس پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ شیطان نے انھیں یہ سمجھایا کہ تمہاری اصلی ضرورت سے زاید جو وسائل معیشت تمہیں ملتے ہیں اور جن پر تمہیں حقوق مالکانہ حاصل ہیں، ان کے صحیح و معقول مصرف صرف دو ہیں:- ایک یہ کہ ان کو مزید وسائل معیشت پر قبضہ کرنے کیلئے استعمال کرو، اور بن پڑے تو انہیں کے ذریعہ سے انسانوں کے خدا اور ان داتا بھی بن جاؤ۔

سائل و محروم کا حق:- یہیں شیطانی تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ دولتمندوں نے جماعت کے اُن افراد کا حق ماننے سے انکار کر دیا جو دولت کی تقسیم میں حصہ پانے سے محروم رہ جاتے ہیں یا اپنی اصلی ضرورت سے کم حصہ پاتے ہیں۔ انھوں نے یہ بالکل جائز سمجھا کہ ان لوگوں کو فاقہ کشی اور خستہ حالی میں چھوڑ دیا جائے۔ ان کی تنگ نظری نے یہ نہ دیکھا کہ اس رویہ کی وجہ سے انسانی جماعت کے بہت سے افراد جرائم پیشہ بنتے ہیں، جہالت اور دنائت اخلاق میں مبتلا ہوتے ہیں، جسمانی کمزوری اور امراض کا شکار ہوتے ہیں، ان کی ذہنی اور جسمانی قوتیں نشوونما پانے اور انسانی تمدن و تہذیب کے ارتقا میں اپنا حصہ ادا کرنے سے رہ جاتی ہیں، اور اس سے وہ سوسائٹی بحیثیت مجموعی نقصان اٹھاتی ہے جس کے وہ خود بھی ایک جزو ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ان دولتمندوں نے اپنی اصلی ضروریات پر بے شمار اور

ضروریات کا اضافہ کیا اور بہت سے انسانوں کو جن کی قابلیتیں تمدن و تہذیب کی بہتر خدمت کیلئے استعمال ہو سکتی تھیں اپنے نفس بشریہ کی خود ساختہ ضرورتوں کے پورا کرنے میں استعمال کرنا شروع کیا۔

یہ تو شیطانی رہنمائی کے ایک حصے کا نتیجہ تھا۔ دوسری رہنمائی کے نتائج اس سے بھی زیادہ خراب نکلے، یہ اصول کہ اپنی اصلی ضرورت سے زائد جو وسائل معیشت کسی انسان کے قبضے میں آگئے ہوں اُن کو وہ جمع کرتا جائے اور پھر صرف مزید وسائل معیشت حاصل کرنیکے لئے استعمال کرے۔

زائد از ضرورت وسائل معیشت کو مزید وسائل قبضہ میں لانے کے لئے استعمال کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ان وسائل کو سود پر قرض دیا جائے۔

دوسرے یہ کہ انہیں تجارتی اور صنعتی کاموں میں لگایا جائے۔

یہ دونوں طریقے اپنی نوعیت میں کچھ ایک دوسرے سے مختلف ضرور ہیں لیکن دونوں کے مشترک عمل کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی دو طبقوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک وہ قلیل طبقہ جو اپنی ضرورت سے زیادہ وسائل معاش رکھتا ہے اور اپنے وسائل کو مزید وسائل کھینچنے کیلئے استعمال کرتا ہے۔ دوسرا وہ کثیر طبقہ جو اپنی ضرورت کے مطابق، یا اس سے کم وسائل رکھتا ہے یا بالکل نہیں رکھتا۔ ان دونوں طبقوں کے مفاد نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کے خلاف ہوتے ہیں بلکہ لامحالہ ان کے درمیان کشمکش اور نزاع برپا ہوتی ہے، اور یوں انسان کا معاشی نظام جس کو فطرت نے مبادلہ پر قائم کیا تھا، محاربہ پر قائم ہو کر رہ جاتا ہے۔

محاربہ کا نتیجہ:۔ پھر یہ محاربہ جتنا بڑھتا جاتا ہے، مالدار طبقہ تعداد میں کم اور نادار طبقہ زیادہ ہوتا چلا جاتا ہے کیونکہ اس محاربہ کی نوعیت ہی کچھ اس قسم کی ہے کہ جو زیادہ مالدار ہے وہ اپنے مال کے زور سے کم مالدار لوگوں کے وسائل بھی کھینچ لیتا ہے اور اسے نادار طبقہ میں دھکیل دیتا ہے اسطرح زمین کے اسباب معاش روز بروز کم اور کم تر حصۂ آبادی کے پاس سمٹتے چلے جاتے ہیں اور روز بروز

زیادہ اور زیادہ حصہ آبادی مفلس یا مالداروں کا دست نگر ہوتا جاتا ہے۔

تصادم کی وسعت:۔ ابتداً یہ محاربہ چھوٹے پیمانے پر شروع ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے یہ ملکوں اور قوموں تک پھیلتا ہے یہاں تک کہ ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے کر بھی ہل من مزید ہی کی صدا لگاتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جب ایک ملک کا عام دستور یہ ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں کے پاس اپنی ضرورت سے زاید مال ہو وہ اپنے فاضل مال کو نفع آور کاموں میں لگا دیں اور یہ دولت اشیاء ضرورت کی تیاری پر صرف ہو، تو انکی لگائی ہوئی پوری رقم کا فائدے سمیت وصول ہونا اس بات پر موقوف ہوتا ہے کہ جس قدر اشیاء ملک میں تیار ہوتی ہیں وہ سب کی سب اس ملک میں خریدی جائیں مگر عملاً ایسا نہیں ہوتا اور درحقیقت ہو نہیں سکتا کیونکہ ضرورت سے کم مال رکھنے والوں کی قوت خریداری کم ہوتی ہے اس لئے وہ ضرورت مند ہونے کے باوجود ان چیزوں کو خرید نہیں سکتے، اور ضرورت سے زیادہ مال رکھنے والے اس فکر میں ہوتے ہیں کہ جتنی آمدنی ہوا س میں سے پھر ایک حصہ پس انداز کر کے نفع آور کاموں میں لگائیں اس لئے وہ اپنا سب مال خریداری پر صرف نہیں کرتے، اسطرح لازمی طور پر تیار کردہ مال کا ایک حصہ فروخت ہوئے بغیر رہ جاتا ہے جس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ مالداروں کی لگائی ہوئی رقم کا ایک حصہ بازیافت ہونے سے رہ گیا اور یہ رقم ملک کی صنعت وحرفت کے ذمہ قرض رہا۔ یہ صرف ایک چکر کا حال ہے اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسے جتنے چکر ہوں گے ان میں سے ہر ایک میں مالدار طبقہ اپنی حاصل شدہ آمدنی کا ایک حصہ پھر نفع آور کاموں میں لگاتا چلا جائے گا، اور جو رقمیں بازیافت ہونے سے رہ جاتی ہیں اُن کی مقدار ہر چکر میں بڑھتی چلی جائے گی اور ملک کی صنعت وحرفت پر ایسے قرض کا بار اضعافاً مضاعفۃ ہوتا چلا جائیگا جس کو وہ خود ملک کبھی ادا نہیں کر سکتا۔ اس طرح ایک ملک کو دیوالیہ پن کا جو خطرہ لاحق ہوتا ہے اس سے بچنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں کہ جتنا مال ملک میں فروخت ہونے سے رہ جائے اُسے بیرونی ممالک میں لے جا کر فروخت کیا جائے یعنی دوسرے ملک تلاش کئے جائیں جن کی طرف یہ ملک اپنے

دیوالیہ پن کی آفت کو منتقل کر سکیں۔

یوں یہ محاربہ ملکی حدود سے گذر کر بین الاقوامی دائرے میں قدم رکھتا ہے اب ینظاہر ہو کہ کوئی ایک ملک ہی ایسا نہیں ہے جو اس شیطانی نظام معیشت پر چل رہا ہو بلکہ دنیا کے اکثر ممالک کا یہی حال ہو کہ وہ اپنے آپ کو دیوالیہ پن سے بچانے کیلئے، یا بالفاظ دیگر اپنے دیوالیہ پن کو کسی اور ملک پر ڈال دینے کے لئے مجبور ہو گئے ہیں۔ اس طرح بین الاقوامی مسابقت شروع ہو جاتی ہو اور وہ چند صورتیں اختیار کرتی ہے:۔

عام آبادی کا حصہ رسد:۔ اولاً ہر ملک بین الاقوامی بازار میں اپنا مال زیادہ بیچنے کی کوشش کرتا ہو کہ کم سے کم لاگت پر زیادہ سے زیادہ مال تیار کرے۔ اس غرض سے کارکنوں کے معاوضے کم رکھے جاتے ہیں اور اس معاشی کاروبار میں ملک کی عام آبادی اتنا کم حصہ پاتی ہو کہ اسکی اصل ضروریات بھی پوری نہیں ہوتیں

انجام جنگ:۔ ثانیاً ہر ملک اپنے حدود میں اور اپنے حلقہ اثر میں دوسرے ملک کا مال آنے پر بندشیں عائد کرتا ہے، اور خام پیداوار کے جتنے وسائل اس کے زیر اختیار ہیں ان پر بھی پہرے بٹھاتا ہو تا کہ دوسرا ملک اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے اسی سے بین الاقوامی کشمکش پیدا ہوتی ہے جس کا انجام جنگ پر ہوتا ہے۔

معاشی لوٹ:۔ ثالثاً ایسے ملک جو اس دیوالیہ پن کی مصیبت کو اپنے سر جیسے جانے سے روک نہیں سکتے ان پر یہ لٹیرے ٹوٹ پڑتے ہیں اور صرف اپنے ملک کے بچے کھچے مال ہی کو ان میں فروخت کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ جس دولت کو خود اپنے ہاں نفع آور کام پر لگانے کی گنجائش نہیں پاتی اسے بھی ان ممالک میں لاکر لگاتے ہیں اس طرح آخر کار ان ممالک میں بھی وہی مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے، جو ابتداً خود روپیہ لگانے والے ملکوں میں ہوا تھا۔

معاشی غلامی:۔ اس عالمگیر محاربہ میں بنکروں، آڑھتیوں، اور صنعت و تجارت کے رئیسوں کی ایک مٹھی بھر جماعت تمام دنیا کے معاشی اسباب و وسائل پر اس طرح حاوی ہو گئی ہے کہ ساری

نوعِ انسانی ان کے مقابلے میں بالکل بے بس ہے۔ اب کسی شخص کے لئے قریب قریب یہ ناممکن ہو گیا ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں کی محنت سے اور اپنے دماغ کی قابلیت سے کوئی آزادانہ کام کر سکے اور خدا کی زمین پر جو اسبابِ زندگی موجود ہیں ان میں سے خود کوئی حصّہ حاصل کر سکے۔ چھوٹے تاجر، چھوٹے صنّاع، چھوٹے زراعت پیشہ کے لئے آج دنیا کے عرصۂ حیات میں ہاتھ پاؤں مارنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔ سب کے سب مجبور ہیں کہ معاشی کاروبار کے ان بادشاہوں کے غلام اور نوکر اور مزدور بن کر رہیں، اور یہ لوگ کم سے کم سامانِ زیست کے معاوضے میں ان کے جسم و دماغ کی ساری قوتیں اور ان کا سارا وقت لے لیتے ہیں جس کی وجہ سے پوری نوعِ انسانی بس ایک معاشی حیوان بن کر رہ گئی ہے بہت کم خوش قسمت انسانوں کو اس معاشی کشمکش سے اتنی فرصت نصیب ہوتی ہے کہ اپنے اخلاقی، عقلی، روحانی ارتقاء کے لئے بھی کچھ کر سکیں اور پیٹ بھرنے سے بالاتر بھی کسی مقصد کی طرف توجہ کر سکیں اور اپنی شخصیت کے ان عناصر کو بھی نشوونما دے سکیں جو تلاشِ معاش کے سوا دوسری پاکیزہ تر اغراض کے لئے فطرت اللہ نے انکے اندر ودیعت کئے تھے۔ درحقیقت اس شیطانی نظام کی بدولت معاشی کشمکش اس قدر سخت ہو جاتی ہے کہ زندگی کے تمام دوسرے شعبے اس سے ماؤف و معطّل ہو جاتے ہیں۔

انسان کی مزید بدنصیبی یہ ہے کہ دنیا کے اخلاقی فلسفے، سیاسی نظامات اور قانونی اصول بھی اس شیطانی نظامِ معیشت سے متاثر ہو گئے۔ رہی سیاسی طاقت تو وہ عملاً بالکل ہی اس شیطانی نظام کے قبضہ میں آچکی ہے۔ وہ بجائے اس کے کہ اس ظلم سے انسان کو بچائے ظلم کا آلۂ کار بنی ہوئی ہے، اور ہر طرف حکومت کی گدیوں پر شیطان کے ایجنٹ بیٹھے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح دنیا کے قوانین بھی اسی نظام کے زیرِ اثر مرتب ہو رہے ہیں۔ ان قوانین نے عملاً افراد کو پوری آزادی دیدی ہے، کہ جس طرح چاہیں جماعت کے مفاد کے خلاف اپنے معاشی اغراض کے لئے جدوجہد کریں

روپیہ کمانے کے طریق میں جائز اور ناجائز کا امتیاز قریب قریب مفقود ہے، ہر وہ طریقہ جس سے کوئی شخص دوسروں کو لوٹ کر یا تباہ کرکے مالدار بن سکتا ہو، قانون کی نظر میں جائز ہے۔ شراب بنائیے اور بیچیے۔ بداخلاقی کے اڈے قائم کیجیے، شہوانی فلم بنائیے فحش مضامین لکھیے، جذبات کو بھڑکانے والی تصویریں شائع کیجیے، سٹے کا کاروبار پھیلائیے، سود خواری کے ادارے قائم کیجیے۔ قمار بازی کی نئی نئی صورتیں نکالیے، غرض جو چاہے کیجیے، قانون نہ صرف آپ کو اس کی اجازت دیگا، بلکہ الٹی آپ کے حقوق کی حفاظت کرے گا۔ پھر جو دولت اس طریقہ سے سمٹ کر ایک شخص کے پاس جمع ہوجائے قانون یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کے مرنے کے بعد بھی ایک ہی جگہ سمٹی رہے۔ چنانچہ اولاد اکبر کے وارث ہونے کا طریقہ اور بعض قوانین میں متبنیٰ بنانے کا طریقہ اور مشترک خاندان کا طریقہ ان سب کی یہی غرض ہے کہ خزانے کا ایک سانپ جب مرے تو دوسرا سانپ اس پر بٹھا دیا جائے، اور اگر بدقسمتی سے مرا سانپ کوئی سپولیا نہ چھوڑ رہا ہو تو کہیں اور سے ایک سپولیا حاصل کیا جائے تاکہ دولت کے اس سمٹاؤ میں فرق نہ آنے پائے۔

یہ اسباب ہیں جن سے نوع انسان کیلئے یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے کہ خدا کی اس زمین پر ہر شخص کو سامانِ زیست بہم پہنچنے کا انتظام کس طرح کیا جائے اور ہر شخص کو اپنی استعداد کے مطابق ترقی کرنے اور اپنی شخصیت کو نشو و نما دینے کے مواقع کیسے ملیں۔

اشتراک کے بعض ناقص پہلو: اس مسئلے کے حل کی ایک صورت اشتراکیت نے تجویز کی ہے اور وہ یہ ہے کہ پیدائش دولت کے وسائل افراد کی ملکیت سے نکال کر جماعتی ملک بنا دیئے جائیں اور ضروریات زندگی کو افراد پر تقسیم کرنے کا انتظام بھی جماعت ہی کے سپرد ہو۔ بظاہر یہ حل بہت معقول نظر آتا ہے لیکن اس کے عملی پہلوؤں پر آپ جس قدر غور کرینگے اسی قدر آپ پر اس کے نقائص کھلتے چلے جائینگے

یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ وسائل پیدائش سے کام لینے اور پیداوار کو تقسیم کرنے کا انتظام خواہ نظری طور پر پوری جماعت کے حوالے کر دیا جائے، مگر عملاً یہ کام ایک مختصر سی ہئیت انتظامیہ ہی کے سپرد کرنا ہوگا۔ یہ مختصر گروہ ابتداءً جماعت ہی کا منتخب گروہ سہی لیکن جب تمام ذرائع معاش اس کے قبضہ میں ہوں گے اور اس کے ہاتھوں سے لوگوں تک پہنچ سکیں گے، تو تمام آبادی اس کی مٹھی میں بے بس ہوگی، اس کی رضا کے خلاف ملک میں کوئی دم تک نہ مار سکے گا، اس کے مقابلے میں کوئی ایسی منظم طاقت اُبھر ہی نہ سکے گی جو اس کو بخوبی یا بہ آسانی منصب اقتدار سے ہٹا سکے۔ اسکی نظر کسی سے پھر جانے کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ بندہ عاصی اس سرزمین میں زندگی بسر کرنے کے تمام وسائل سے محروم ہو جائے کیونکہ سارے وسائل پر اس مختصر گروہ کا تسلط ہوگا۔ مزدور میں اتنا یارا نہ ہوگا کہ اس کے انتظام سے ناراض ہو تو اسٹرائک کر دے کیونکہ وہاں بہت سے کارخانہ دار ہوں گے کہ ایک کے در سے اٹھے تو دوسرے کے دروازے پر چلا جائے، بلکہ سارے ملک میں ایک ہی کارخانہ دار ہوگا، اور وہی حکمران بھی ہوگا، اور اس کے خلاف کسی رائے عام کی ہمدردی بھی حاصل نہ کی جاسکے گی۔ اس طرح یہ صورت جس نتیجہ پر جاکر ختم ہوگی۔ وہ یہ ہے کہ تمام سرمایہ داروں کو کھا کر ایک بڑا سرمایہ دار، تمام کارخانہ داروں اور زمینداروں کو کھا کر ایک بڑا کارخانہ دار و زمیندار لوگوں پر مسلط ہو جائے، اور وہی بیک وقت زار اور قیصر بھی ہو۔

شخصیت کا نشوونما: اول تو یہ اقتدار، اور ایسا مطلق اقتدار وہ چیز ہے جس کے نشہ میں بہک کر ظالم وجابر بننے سے رُک جانا انسان کیلئے بہت مشکل ہے خصوصاً جبکہ وہ اپنے سے مافوق کسی اقتدار اور اس کے سامنے جوابدہی کا اعتقاد بھی نہ رکھتا ہو، تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ ایسے اقتدار مطلق پر قابض ہونے کے بعد بھی یہ مختصر گروہ آپے سے باہر نہ ہوگا یا وہ عدل و انصاف ہی کے ساتھ کام کرے گا۔ تب بھی ایسے ایک نظام میں افراد کے لئے اپنی شخصیت کو

نشو و نما دینے کا کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ انسانی شخصیت اپنے ارتقاء کے لئے سب سے بڑھ کر جس چیز کی محتاج ہے وہ یہ ہے کہ اسے آزادی حاصل ہو، کچھ وسائل کار اس کے اپنے ہاتھ میں ہوں جنہیں وہ اپنے اختیار سے استعمال کر سکے اور ان وسائل پر اپنے رجحان کے مطابق کام کر کے اپنی مخفی قوتوں کو ابھارے اور چمکائے مگر اشتراکی نظام میں اس کا کوئی امکان نہیں۔ اس میں وسائل افراد کے اختیار میں نہیں رہتے بلکہ جماعت کی ہیئت انتظامیہ کے ہاتھوں میں چلے جاتے ہیں، اور وہ ہیئت انتظامیہ جماعتی مفاد کا جو تصور رکھتی ہے اسی کے مطابق ان وسائل کو استعمال کرتی ہے افراد کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اگر وہ ان وسائل سے استفادہ کرنا چاہیں تو اس نقشہ کے مطابق کام کریں، بلکہ اسی نقشہ کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالے جانے کیلئے ان منتظمین کے سپرد کر دیں جو انہوں نے جماعتی مفاد کے لئے تجویز کیا ہے۔ یہ چیز عملاً سوسائٹی کے تمام افراد کو چند انسانوں کے قبضہ میں اس طرح دے دیتی ہے کہ گویا وہ سب بے روح مواد خام ہیں، اور جیسے چمڑے کے جوتے اور لوہے کے پرزے بنائے جاتے ہیں اس طرح وہ چند انسان مختار ہیں کہ ان بہت سے انسانوں کو اپنے نقشہ کے مطابق ڈھالیں اور بنائیں۔

اشتراکیت کی بنیادی غلطی: اشتراکیت کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ معاش کے مسئلہ کو مرکزی مسئلہ قرار دے کر پوری انسانی زندگی کو اس کے گرد گھما دیتی ہے۔ زندگی کے کسی مسئلہ پر بھی اسکی نظر محض تحقیقی نظر نہیں ہے بلکہ سارے مسائل کو وہ ایک گہرے معاشی تعصب کی نگاہ سے دیکھتی ہے مابعد الطبعیات، اخلاق، تاریخ، سائنس، علوم عمران، غرض ہر چیز اس کے دائرہ میں معاشی نقطۂ نظر سے مغلوب و متاثر ہے۔ اور اس یک رخے پن کی وجہ سے زندگی کا پورا توازن بگڑ جاتا ہے۔

فاشزم: پس درحقیقت اشتراکی نظریہ انسان کے معاشی مسئلہ کا کوئی صحیح فطری حل نہیں ہے

بلکہ ایک غیر فطری مصنوعی حل ہے اس کے مقابلہ میں دوسرا حل فاشزم اور نیشنل سوشلزم نے پیش کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ وسائل معیشت پر شخصی تصرف تو باقی رہنے مگر جماعتی مفاد کی خاطر اس تصرف کو ریاست کے مضبوط کنٹرول میں رکھا جاوے لیکن عملاً اس کے نتائج بھی اشتراکی نظریہ کے نتائج سے کچھ زیادہ مختلف نظر نہیں آتے اشتراکیت کی طرح یہ نظریہ بھی فرد کو جماعت میں گم کر دیتا ہے اور اس کی شخصیت کے آزادانہ نشو ونما کا کوئی موقع باقی نہیں چھوڑتا۔ مزید براں جو ریاست اس شخصی تصرف کو قابو میں رکھتی ہے وہ اتنی ہی مستبد اور جابر و قاہر ہوتی ہے جتنی اشتراکی ریاست ایک بڑے ملک کی تمام حرفت کو اپنے پنجۂ اقتدار میں رکھنے اور اپنے دئے ہوئے نقشہ پر کام کرنے کے لئے مجبور کرنا بڑی زبردست قوت قاہرہ چاہتا ہے اور جس ریاست کے ہاتھ میں ایسی قاہرانہ طاقت ہو اس کے ہاتھ میں ملک کی آبادی کا بے بس ہو جانا اور حکمرانوں کا غلام بن کر رہجانا بالکل یقینی ہے

اسلامی حل: اب میں آپکے سامنے یہ بیان کروں گا کہ اسلام کس طرح اس مسئلہ کو حل کرتا ہے۔

بنیادی اصول: اسلام نے تمام مسائل حیات میں اس قاعدہ کو ملحوظ رکھا ہے کہ زندگی کے جو اصول فطری ہیں اُن کو جوں کا توں برقرار رکھا جائے اور فطرت کے راستے سے جہاں انحراف ہوا ہے وہیں سے اس کو موڑ کر فطرت کے راستے پر ڈال دیا جائے دوسرا اہم قاعدہ جس پر اسلام کی تمام اجتماعی اصلاحات مبنی ہیں وہ یہ ہے کہ صرف خارجی طور پر نظام تمدن میں چند ضابطے جاری کرنے ہی پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ سب سے زیادہ زور اخلاق اور ذہنیت کی اصلاح پر صرف کیا جائے تاکہ نفس انسانی میں خرابی کی جڑ ہی کٹ جائے۔ تیسرا اساسی قاعدہ جس کا نشان آپ کو تمام اسلامی نظام شریعت میں ملے گا۔ یہ ہے کہ حکومت کے جبر اور قانون کے زور سے صرف وہیں کام لیا جائے جہاں ایسا کرنا ناگزیر ہو۔ ان تین قاعدوں کو ملحوظ رکھ کر اسلام زندگی کے معاشی شعبہ میں ان تمام فطری اصولوں کو تسلیم کرتا ہے جن پر ہمیشہ

انسانی معیشت کی بنیاد قائم رہی ہے، اور صرف ان غلط اصولوں کو زیادہ سے زیادہ اخلاقی اصلاح اور کم سے کم حکومتی مداخلت کے ذریعہ سے مٹاتا ہے۔ جو شیطانی اثر سے انسان نے اختیار کئے ہیں۔ یہ امر کہ انسان اپنی معاش کے لئے جدوجہد کرنے میں آزاد ہو، یہ بات کہ آدمی اپنی محنت سے جو کچھ حاصل کرے اس پر اُسے حقوق مالکانہ حاصل ہوں، اور یہ کہ انسانوں کے درمیان ان کی قابلیتوں اور ان کے حالات کے لحاظ سے فرق و تفاوت ہو، ان سب چیزوں کو اسلام اس حد تک تسلیم کرتا ہے جس حد تک یہ منشاءِ فطرت کے مطابق ہیں۔ پھر وہ ان پر ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے جو انہیں حدِ فطرت سے متجاوز اور ظلم و بے انصافی کا موجب نہ بننے دیں۔

پیدائش دولت:۔ سب سے پہلے دولت کمانے کے سوال کو لیجئے۔ اسلام انسان کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ خدائی زمین مین وہ خود اپنی طبیعت کے رُجحان اور اپنی استعداد و قابلیت کے مطابق خود اپنی زندگی کا سامان تلاش کرے۔ لیکن وہ اس کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ اپنی معاش حاصل کرنے کے لئے اخلاق کو خراب کرنے والے یا تمدن کے نظام کو بگاڑنے والے ذرائع اختیار کرے۔ وہ کسب معاش کے ذرائع میں حلال اور حرام کی تمیز قائم کرتا ہے، اور نہایت تفصیل کے ساتھ چن چن کر ایک ایک نقصان رساں طریقہ کو حرام کر دیتا ہے، اس کے قانون میں شراب اور دوسری نشہ آور چیزیں اور فحش اور بداخلاقی پھیلانے والی چیزیں نہ صرف بجائے خود حرام ہیں، بلکہ ان کا بنانا بیچنا، خریدنا، رکھنا سب حرام ہے، وہ زنا، اور رقص و سرود اور اسی قسم کے دوسرے ذرائع کو بھی جائز ذرائع کسب معاش تسلیم نہیں کرتا۔ وہ ایسے تمام وسائل معیشت کو بھی ناجائز ٹھہراتا ہے جن میں ایک شخص کا فائدہ دوسرے لوگوں کے یا سوسائٹی کے نقصان پر مبنی ہو۔ رشوت، چوری، جوا، اور سٹہ، دھوکے اور فریب کے کاروبار، اشیاءِ ضرورت کو

اس غرض سے روکے رکھنا کہ قیمتیں گراں ہوں، معاشی وسائل کو کسی ایک شخص یا چند اشخاص کا اجارہ قرار دینا کہ دوسروں کے لئے جد وجہد کا دائرہ تنگ ہو، ان سب طریقوں کو اس نے حرام ٹھیرایا ہے۔ نیز کاروبار کی ایسی تمام شکلوں کو اس نے چھانٹ چھانٹ کر ناجائز قرار دیا ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے نزاع پیدا کرنے والی ہوں یا جن میں نفع ونقصان بالکل اتفاق پر مبنی ہو۔ یا جن میں فریقین کے درمیان حقوق کا تعین نہ ہو اگر آپ اسلام کے اس تجارتی قانون کا تفصیلی مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آج جن طریقوں سے لوگ کروڑپتی اور ارب پتی بنتے ہیں، اُن میں سے بیشتر طریقے وہ ہیں جن پر اسلام نے سخت قانونی بندشیں عائد کردی ہیں۔ وہ جن وسائل کسب معاش کو جائز ٹھیراتا ہے اُن کے دائرے میں محدود رہ کر کام کیا جائے تو اشخاص کے لئے بے اندازہ دولت سمیٹے چلے جانے کا بہت کم امکان ہے۔

اب دیکھئے جائز ذرائع سے جو کچھ انسان حاصل کرے اُس پر اسلام اس شخص کے حقوق ملکیت تسلیم کرتا ہے مگر اس کے استعمال میں اسے بالکل آزاد نہیں چھوڑتا بلکہ اس پر متعدد طریقوں سے پابندیاں عائد کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کمائی ہوئی دولت کی تین ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا (۱) اس کو خرچ کیا جائے۔ یا (۲) اُسے مزید نفع آور کاموں پر لگایا جائے۔ یا (۳) اُسے جمع کیا جائے۔ ان میں سے ایک ایک پر جو پابندیاں اسلام نے عائد کی ہیں ان کی مختصر کیفیت میں آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔

صرفِ دولت:۔ خرچ کرنے کے جتنے طریقے اخلاق کو نقصان پہنچانے والے ہیں یا جن سے سوسائٹی کو نقصان پہنچتا ہے وہ سب ممنوع ہیں۔ آپ جوئے میں اپنی دولت نہیں اڑا سکتے۔ آپ شراب نہیں پی سکتے۔ آپ زنا نہیں کر سکتے۔ آپ گانے بجانے اور ناچ رنگ اور

عیاشی کی دوسری صورتوں میں اپنا روپیہ نہیں بہا سکتے آپ ریشمی لباس نہیں پہن سکتے آپ سونے اور جواہرات کے زیورات استعمال نہیں کر سکتے آپ تصویروں سے اپنی دیواروں کو مزین نہیں کر سکتے۔ غرض یہ کہ اسلام نے اُن تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے جن سے انسان کی دولت کا بیشتر حصّہ اُس کی اپنی نفس پرستی پر صرف ہو جاتا ہے۔ وہ خرچ کی جن صورتوں کو جائز رکھتا ہے وہ اس قسم کی ہیں کہ آدمی بس ایک وسط درجہ کی شستہ اور پاکیزہ زندگی بسر کرے۔ اور اس سے زائد اگر کچھ بچتا ہو تو اسے خرچ کرنے کا راستہ اس نے یہ تجویز کیا ہے کہ اسے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں، رفاہ عام میں اور ان لوگوں کی امداد میں صرف کیا جائے جو معاشی دولت میں سے اپنی ضرورت کے مطابق حصّہ پانے سے محروم رہ گئے ہیں اسلام کے نزدیک آئیڈیل یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کمائے اسے اپنی جائز اور معقول ضرورتوں پر خرچ کر دے، اور پھر بھی جو بچ رہے اسے دوسروں کو دیدے تاکہ وہ اپنی ضرورتوں پر خرچ کریں اس صفت کو اسلام نے بلند ترین اخلاق کے معیاروں میں داخل کیا ہے اور ایک آئیڈیل کی حیثیت سے اس کو اتنے زور کے ساتھ پیش کیا ہے کہ جب کبھی سوسائٹی پر اسلامی اخلاقیات کا اثر غالب ہوگا اجتماعی زندگی میں وہ لوگ زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے جو کمائیں اور خرچ کر دیں اور ان لوگوں کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھا جائے گا جو دولت کو سمیٹ کر رکھنے کی کوشش کریں، یا کمائی ہوئی دولت کے بچے ہوئے حصّے کو پھر کمانے کے کام میں استعمال کرنا شروع کر دیں۔

نظامِ قانون:۔ تاہم مجرد اخلاقی تعلیم کے ذریعہ سے سوسائٹی کے اخلاقی اثر اور دباؤ سے غیر معمولی حرص و طمع رکھنے والے لوگوں کی کمزوریوں کا بالکل استیصال نہیں کیا جا سکتا۔ اُس کے باوجود پھر بھی بہت سے ایسے لوگ باقی رہیں گے

جو اپنی ضرورت سے زیادہ کمائی ہوئی دولت کو پھر مزید از ضرورت دولت کمانے میں لگانا چاہیں گے۔ اس لئے اسلام نے اس کے استعمال کے طریقوں پر چند قانونی پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ اس بچی ہوئی دولت کے استعمال کا یہ طریقہ کہ اسے سود پر چلایا جائے، اسلامی قانون میں قطعی حرام ہے۔ آپ اگر کسی کو اپنا مال قرض دیتے ہیں تو خواہ اس نے وہ قرض اپنی ضرورتوں پر خرچ کرنے کیلئے لیا ہو، یا وسیلۂ معاش پیدا کرنے کے لئے، بہرحال آپ اس صرف اپنا اصل مال واپس لینے کے حق دار ہیں۔ اس سے زائد ایک حبّہ لینے کا حق بھی آپ کو نہیں پہنچتا۔ اس طرح اسلام ظالمانہ سرمایہ داری کی کمر توڑ دیتا ہے اور اس سب سے بڑے ہتھیار کو کند کر دیتا ہے جس کے ذریعہ سے سرمایہ دار محض اپنے سرمایہ کے بل پر اس پاس کی معاشی دولت سمیٹتا چلا جاتا ہے۔ رہا فاضل دولت کے استعمال کا یہ طریقہ کہ اسے انسان خود اپنی تجارت یا صنعت و حرفت یا دوسرے کاروبار میں لگائے یا دوسروں کے ساتھ نفع و نقصان کا شریک ہو کر سرمایہ فراہم کرے تو اسلام اسے جائز رکھتا ہے اور اس سے جو زائد از ضرورت اشخاص کے پاس سمٹ جاتی ہے اس کا علاج دوسرے طریقوں سے کرتا ہے۔

سرمایۂ محفوظ کا محصول:- اسلام نے زائد از ضرورت دولت کے جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ ابھی میں کہہ چکا ہوں، اس کا مطالبہ یہ ہے کہ جو کچھ مال تمہارے پاس بچتا ہے یا تو اسے اپنی ضروریات خریدنے پر صرف کرو یا دوسروں کو دو کہ وہ اس سے اپنی ضروریات خریدیں اور اس طرح پوری دولت برابر گردش میں آتی رہے لیکن اگر تم ایسا نہیں کرتے اور جمع کرنے ہی پر اصرار کرتے ہو تو تمہاری اس جمع کردہ دولت میں سے از روئے قانون ۲ ½ فی صدی سالانہ رقم نکلوالی جائے گی اور اسے ان لوگوں کی اعانت پر صرف کیا جائے جو معاشی جدوجہد میں

حصہ لینے کے قابل نہیں ہیں، یا سعی وجہد کرنے کے باوجود اپنا پورا حصہ پانے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسی چیز کا نام زکوٰۃ ہے اور اس کے انتظام کی صورت جو اسلام نے تجویز کی ہے وہ یہ ہے کہ اسے جماعت کے مشترک خزانے میں جمع کیا جائے اور خزانہ ان تمام لوگوں کی ضروریات کا کفیل بن جائے جو مدد کے حاجتمند ہیں یہ دراصل سوسائٹی کیلئے انشورنس کی بہترین صورت ہے۔ اور ان تمام خرابیوں کا استیصال کرتی ہے جو اجتماعی امداد و اعانت کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں سرمایہ داری نظام میں جو چیز انسان کو دولت جمع کرنے اور اسے نفع آور کاموں میں لگانے پر مجبور کرتی ہے، اور جس کی وجہ سے لائف انشورنس وغیرہ کی ضرورت پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص کی زندگی اس نظام میں اپنے ہی ذرائع پر منحصر ہے۔ بوڑھا ہو جائے اور کچھ بچا کر نہ رکھا ہو تو بھوکا مر جائے بال بچوں کیلئے کچھ چھوڑے بغیر مر تو وہ دربدر ماری ماری پھریں درجنوں ٹھیک کا ٹکڑا تک نہ پاسکیں بیمار ہو جائے اور کچھ بچا بچایا نہ رکھا ہو تو علاج تک نہ کراسکے گھر جل جائے، یا کاروبار میں نقصان ہو، یا کوئی اور آفت ناگہانی آجائے تو کسی طرف سے اسکو سہارا ملنے کی امید نہیں اسی طرح سرمایہ داری نظام میں جو چیز محنت پیشہ لوگوں کو سرمایہ داروں کا زرخرید غلام بن جانے، اور ان کی شرائط پر کام کرنے کیلئے مجبور کرتی ہے وہ یہی ہے کہ جو کچھ اسکی محنت کا معاوضہ سرمایہ دار دیتا ہے اسے لینا اگر غریب آدمی قبول نہ کرے تو فاقہ کرے اور ننگا پھرے سرمایہ دار کی بخشش سے منہ موڑ کر اسے دو وقت کی روٹی بھی میسر آنی مشکل ہے۔ پھر یہ لعنت کبری جو آج سرمایہ داری نظام کی بدولت دنیا پر مسلط ہے کہ ایک طرف لاکھوں کروڑوں انسان حاجتمند موجود ہیں۔ اور دوسری طرف زمین کی پیداوار اور کارخانوں کی مصنوعات کے انبار لگے ہوئے ہیں مگر خریدی نہیں جاسکتے حتیٰ کہ لاکھوں من گیہوں سمندر میں پھینکا جاتا ہے اور بھوکے انسانوں کے پیٹ تک نہیں پہنچتا اس کا سبب بھی یہی ہے کہ حاجتمند انسانوں تک وسائل معیشت پہنچانے کا کوئی انتظام نہیں ہے اگر

سب کے اندر قوت خریداری پیدا کردی جائے۔ اور وہ اپنے حسب حاجت اشیا خریدنے کے قابل ہوجائیں تو صنعت، تجارت، زراعت غرض ہر انسانی حرفت پھلتی پھولتی چلی جائے اسلام زکوٰۃ اور بیت المال کے ذریعہ سے ان ساری خرابیوں کا استیصال کرتا ہے بیت المال ہر وقت آپ کی پشت پر ایک مددگار کی حیثیت سے موجود ہے آپ کو فکر فردا کی ضرورت نہیں جب آپ حاجتمند ہوں بیت المال جائیے اور اپنا حق لے آئیے، بنک ڈپازٹ اور انشورنس پالیسی کی کیا ضرورت؟ آپ اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر باطمینان تمام دنیا سے رخصت ہوسکتے ہیں آپ کے پیچھے جماعت کا خزانہ ان کا کفیل ہے بیماری بڑھاپے آفات ارضی وسماوی ہر صورت حال میں بیت المال وہ اٹھی مددگار ہے جسکی طرف آپ رجوع کرسکتے ہیں سرمایہ دار آپ کو مجبور نہیں کرسکتا کہ آپ اسی کی شرائط پر کام کرنا قبول کریں بیت المال کی موجودگی میں آپ کے لئے فاقے اور برہنگی اور بے سایگی کا کوئی خطرہ نہیں پھر یہ بیت المال سوسائٹی کے تمام ان لوگوں کو اشیاء ضرورت خریدنے کے قابل بنا دیتا ہے جو دولت پیدا کرنے کے بالکل ناقابل ہوں یا کم پیدا کررہے ہوں اس طرح مال کی تیاری اور اس کی کھپت کا توازن ہمیشہ قائم رہتا ہے اور اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ آپ اپنے دیوالیہ پن کو دنیا بھر کے سر چیپنے کیلئے دوڑتے پھریں اور آخرکار دوسرے سیاروں تک پہنچنے کی حاجت پیش آئے۔

تقسیم دولت: زکوٰۃ کے علاوہ دوسری تدبیر جو ایک جگہ سمٹی ہوئی دولت کو پھیلانے کیلئے اسلام نے اختیار کی ہے وہ قانون وراثت ہے اسلام کے سوا دوسرے قوانین تمدن کا رجحان اس طرف ہے کہ جو دولت ایک شخص نے زندگی بھر سمیٹی ہے وہ اسکے مرنے کے بعد بھی سمٹی رہے مگر اسلام اس کے برعکس یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ جس دولت کو ایک شخص سمیٹ سمیٹ کر مقید کرتا رہا ہے، اسکے مرتے ہی وہ پھیلا دی جائے اسلامی قانون میں بیٹے بیٹیاں، باپ، ماں، بیوی، بھائی بہن سب ایک شخص کے وارث ہیں اور ایک ضابطہ کے مطابق سب پر میراث تقسیم ہونی ضروری ہے۔ قریبی رشتہ دار موجود نہ ہوں تو دور کے رشتہ دار

تلاش کئے جائیں گے اور ان میں یہ دولت پھیلائی جائے گی کوئی رشتہ دار سرے سے موجود
ہی نہ ہو تب بھی آدمی کو تہی بتانے کا حق نہیں ہے اس صورت میں اس کی وارث پوری
جماعت ہے اس کی سمیٹی ہوئی تمام دولت بیت المال میں داخل کردی جائے گی اس طرح
خواہ کوئی شخص کروڑوں اربوں کی دولت جمع کرے اس کے مرنے کے بعد دو تین پشتوں کے
اندر وہ سب کی سب چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر پھیل جائے گی اور دولت کا یہ ہٹاؤ بتدریج
پھیلاؤ میں تبدیل ہو کر رہے گا۔

یہ نظام معیشت جس کا نہایت مختصر سا نقشہ میں نے پیش کیا ہے اس پر غور کیجئے کیا شخصی ملکیت کے
ان تمام نقصانات کو دور نہیں کر دیتا جو شیطان کی غلط تعلیم کے سبب سے رونما ہوتے
ہیں؟ پھر آخر اس کی کیا حاجت ہے کہ ہم اشتراکی نظریہ یا فاشزم اور نیشنل سوشلزم کے نظریات اختیار
کرکے معاشی انتظام کے وہ مصنوعی طریقے اختیار کریں جو ایک خرابی کو دور نہیں کرتے بلکہ اس کی
جگہ دوسری خرابی پیدا کر دیتے ہیں؟ یہاں میں نے اسلام کے پورے نظام معاشی کو بیان نہیں
کیا ہے۔ زمین کے انتظام اور کاروباری نزاعات کے
تصفیہ اور صنعت و حرفت کے لئے سرمایہ کی فراہمی کی جو صورتیں اسلام کے اصول پر اختیار کی جا سکتی
ہیں اور جن کے لئے قانون اسلام میں پوری گنجائش رکھی گئی ہے انہیں اس مختصر مقالہ میں پیش کرنا مشکل ہے
نیز اسلام نے جس طرح درآمد و برآمد کے محصولات اور اندرون ملک میں اموال تجارت کی نقل و حرکت پر چنگی کی پابندیاں توڑ کر
اشیاء ضرورت کے آزاد مبادلہ کا راستہ کھولا ہے اس کا ذکر بھی میں نہیں کر سکا ہوں۔ ان سب سے بڑھ کر
مجھے یہ بیان کرنے کا موقع بھی نہیں ملا ہے کہ ملکی انتظام اور سول سروس اور فوج کے مصارف کو انتہائی
ممکن حد تک گھٹا کر، اور عدالت سے اسٹامپ ڈیوٹی قطعی طور پر ہٹا کر اسلام نے سوسائٹی پر سے
کس عظیم الشان معاشی بوجھ کو ہلکا کیا ہے اور ٹیکسوں کو انتظام کی حد سے بڑھنے نہ دے کر مصارف میں

کھپا دینے کے بجائے سوسائٹی کی آسائش اور بہتری پر صرف ہونے کے جو مواقع پیدا کئے ہیں انکی بدولت اسلام کا معاشی نظام انسان کیلئے کتنی بڑی رحمت بنجاتا ہے اگر تعصب چھوڑ دیا جائے اور آبا و اجداد سے جو جاہلانہ تنگ نظری وراثت میں ملی ہے، یا غیر اسلامی نظامات کے دنیا پر غالب آ جانیسے جو مرعوبیت یا غبونت چھا گئی ہے اسے دور کر کے آزاد تحقیق کی نگاہ سے اس نظام کا مطالعہ کیا جائے تو میں توقع کرتا ہوں کہ ایک معقول منصف مزاج آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو انسان کی معاشی فلاح کیلئے اس نظام کو سب سے زیادہ مفید، صحیح، فطری اور معقول تسلیم نہ کرے۔

کل کا جزء لیکن اگر کسی شخص کے ذہن میں یہ غلط فہمی ہو کہ اسلام کے پورے اعتقادی، اخلاقی، تمدنی مجموعہ میں سے صرف اس کے معاشی نظام کو لیکر کامیابی کے ساتھ چلایا جا سکتا ہے تو میں عرض کروں گا کہ براہ کرم وہ اس غلط فہمی کو دل سے نکال دیں اس معاشی نظام کا گہرا ربط اسلام کے سیاسی، عدالتی و قانونی و تمدنی و معاشرتی نظام کے ساتھ ہے پھر ان سب چیزوں کی بنیاد اسلام کے نظام اخلاق پر قائم ہے اور وہ نظام اخلاق بھی اپنے آپ پر قائم نہیں ہے بلکہ اس کے قیام کا پورا انحصار اس پر ہے کہ آپ ایک عالم الغیب و قادر مطلق خدا پر ایمان لائیں اور اپنے آپ کو اس کے سامنے جوابدہ سمجھیں موت کے بعد آخرت کی زندگی کو مانیں اور آخرت میں عدالت الٰہی کے سامنے اپنے پورے کارنامہ حیات کے جانچے جانے اور اس جانچ کے مطابق جزا و سزا پانے کا یقین رکھیں اور یہ تسلیم کریں کہ خدا کی طرف سے محمد الرسول اللہ نے جو ضابطہ اخلاق و قانون آپ تک پہنچایا ہے جس کا جزو یہ معاشی نظام بھی ہے وہ بے کم و کاست خدا ہی کی تعلیم پر مبنی ہے اگر اس عقیدے اور اس نظام اخلاق اور اس پورے ضابطہ حیات کو آپ جوں کا توں نہ لیں گے تو نرا اسلامی نظام معاش ایک دن بھی اپنی صحیح اسپرٹ کے ساتھ نہ چل سکے گا اور نہ اس سے آپ کوئی معتدبہ فائدہ اٹھا سکیں گے۔

اسلامی قانونِ معیشت

از

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رح

اسلامی قانونِ معیشت

اس کی روح اور اس کے اصول

(ماخوذ از حجۃ اللہ البالغہ ابواب ابتغاء الرزاق)

معاشی تنظیم اور حکومت کا فرض:۔ جب کسی جگہ انسانوں کی کثیر تعداد سکونت پذیر ہو تو دوسرے تمدنی معاملات کے ساتھ ان کے معاشی امور کی تنظیم بھی ضروری ہوتی ہے۔ اور یہ دیکھنا حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ معاشی رجحانات غیر متوازن اور نامناسب نہ ہونے پائیں۔ ورنہ اگر باشندوں کی اکثریت مثلاً صنعت و حرفت اور ملکی نظم و نسق میں مشغول ہو جائے اور جانوروں کی پرورش، غلہ کی کاشت اور اشیاء خوردنی کی فراہمی محض چند لوگوں تک محدود رہ جائے تو ان کی دنیوی زندگی دو بھر ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کچھ لوگوں نے کسب معاش کے لئے شراب کشید کرنے اور بت تراشی کا مشغلہ اختیار کر لیا تو عوام الناس میں خواہ مخواہ ان اشیاء کے مصرف عام مفاسد پھیل کر رہینگے اور ان کی اخلاقی زندگی برباد ہونے سے نہ بچ سکے گی لیکن اگر حکومت لوگوں کو اس طرح بے راہ رو نہ ہونے دے اور تمدن کی بہبودی اور ملکی معیشت کے مصالح کی پوری نگہداشت کر کے پیشوں اور حصول رزق کے ذرائع کو لوگوں پر توازن کے ساتھ تقسیم کر دے اور انہیں غیر مفید اور ناجائز وسائل معاش اختیار کرنے سے روک دے تو جمہور کی زندگی نہایت آسائش اور سکون کے ساتھ گذرے گی۔

سرمایہ داری:۔ فساد تمدن زیادہ تر امراء کی نفس پرستیوں کا رہین منت ہوا کرتا ہے۔ وہ زندگی کی سادہ اور حقیقی ضروریات سے گذر کر دنیا کی رنگ رلیوں کے شیدائی بن جاتے ہیں۔ عام لوگ ان کے ان

نفسانی میلانات کو دیکھ کر، اور انہی کو منفعت بخش پا کر ان کی شہوات نفس کی تسکین کے لیئے طرح طرح کے طریقے ایجاد کرتے اور اپنی روزی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ ایک گروہ لڑکیوں کو رقص و سرود کی تعلیم دینے کے لیئے تربیت گاہ کھولتا ہے دوسرا رنگ برنگ کے قیمتی خوشنما و منقش لباس فاخرہ تیار کرتا ہے تیسرا حسین دلفریب زیورات کی صنعت اختیار کر لیتا ہے۔ چوتھا اونچے اونچے خوبصورت ایوانات تعمیر کرنے میں منہمک ہو جاتا ہے۔ جب کسی بد قسمت ملک کی اکثریت ان وسائل معاش پر جھک پڑتی ہے تو دوسرے اہم تر وسائل معیشت اور مفید تر مشاغل تمدن متروک و مہجور ہو کر رہ جاتے ہیں اور جو تھوڑے بہت بد نصیب ان پیشوں کو اختیار کیئے ہوتے ہیں ان کی گردن ٹیکسوں کے بھاری بوجھ سے ناقابل برداشت حد تک دبی رہتی ہے کیونکہ ان امراء کو ان تمام لوازم عیش و عشرت کی فراہمی کے لیئے بے شمار دولت کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ دولت اس وقت تک جمع نہیں ہو سکتی جب تک کہ کاشتکاروں، تاجروں اور صناعوں کا پیٹ نہ کاٹا جائے نیز یہ امراء اپنی قربانگاہ نفس کی نذروں سے اتنی فرصت ہی نہیں پاتے کہ حقیقی مصالح ملک و ملت پر ایک حبہ خرچ کر سکیں۔ انجام کار تمدن زہریلے مفاسد کی بھینٹ چڑھنا شروع ہوتا ہے اور یہ فساد بجلی کی سی تیزی کے ساتھ پوری قوم میں سرایت کر جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اور سسک سسک کر جان دے دیتی ہے۔ دنیوی عروج سے یوں ہاتھ دھونا ہے تو اخروی کس کا پوچھنا ہی کیا۔

بعثت نبوی سے پہلے عجم کی سرمایہ داری:- یہی وہ مرض ہے جو ظہور اسلام کے وقت عجمی ممالک پر مسلط تھا۔ لہذا خدا نے اپنے فرستادہ آخری روحانی طبیب کو اشارہ کیا کہ اس مرض مزمن کی جڑ کاٹ کر پھینک دے۔ اس طبیب حاذق نے مرض کی اچھی طرح تشخیص کر کے ان تمام منافذ کو بند کر دیا جن کے متعلق گمان غالب تھا کہ مرض کے جراثیم انہیں سے گذر کر پیکر انسانیت میں داخل ہوتے ہیں اور صرف سلبی پہلو پر اکتفا نہ کیا بلکہ ایجاباً ایک صالح نظام معیشت کی بنا ڈالی جو خالص اصول فطرت پر مبنی تھا۔

معیشت کے فطری اصول و مبادی:- وہ فطری اصول و مبادی جن پر اسلامی قوانین

معیشت کی بنا رکھی گئی ہے حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو زمین پر پیدا کر کے ان کی روزی کا سامان بھی اسی زمین میں فراہم کیا، اور ان سب کے لئے زمین کے وسائل سے اکتساب رزق کو مباح کر دیا۔ پھر جب ان کے درمیان خودغرضانہ مسابقت (―――――) اور باہمی تنازع (―――――) کا سلسلہ شروع ہوا اور ہر فرد یہاں تک کوشش کرنے لگا کہ دوسروں کو محروم کر کے خود زیادہ سے زیادہ وسائل معاش پر قابض ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان مفسدۂ عام کو دور کرنے کے لئے یہ حکم نازل فرمایا کہ جو شخص کسی جگہ پر پہلے قابض ہو جائے یا کسی وسیلۂ اکتساب رزق (―――――) کو پہلے حاصل کر لے تو اس سے نفع اٹھانے کا حق ترجیح اس کو حاصل ہے، اور دوسرا شخص اس حق سے اس کو محروم نہیں کر سکتا، تاوقتیکہ پہلا شخص مبادلہ یا باہمی رضامندی سے اس کو دینے پر آمادہ نہ ہو۔ اسی چیز کا نام "حق ملکیت" ہے اور اس کا ماخذ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:۔

من احییٰ ارضاً میتۃ فھی لہ۔ جس شخص نے کسی مردہ زمین کو زندہ کیا وہی اس زمین کا مالک ہے

مردہ زمین سے مراد بے کار پڑی ہوئی زمین ہے۔ اور اس کو زندہ کرنے سے مراد کارآمد بنانا ہے۔

حقیقی اور اضافی ملکیت: اس ارشاد نبوی کا فلسفہ وہی ہے جسے ہم نے اوپر بیان کیا ہے یعنی ہر شئی کا مالک حقیقی تو خدا ہی ہے **حقیقی ملکیت** اس کے سوا کسی کو نہیں پہنچتی۔ لیکن جب خدا نے اپنے بندوں کو اپنی ملکیت سے عام انتفاع کی اجازت دے دی تو طبعاً ان میں نفسانیت اور لڑائی پیدا ہوئی۔ اس کے سدباب کے لئے یہ حکم صادر کیا گیا کہ جس چیز پر ایک شخص پہلے پہل قابض ہو وہ اس کی ملک سمجھی جائے گی۔ لہٰذا جب کوئی شخص کسی افتادہ اور غیر مزروعہ زمین کو، جو آبادی کے احاطہ سے باہر ہو، سب سے پہلے اور دوسروں کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر آباد کرے یا قابل انتفاع بنائے، تو وہ اس زمین کا مالک ہو جاتا ہے اور اس سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ زمین ساری کی ساری درحقیقت مسجد یا مٹھ کی

حیثیت رکھتی ہے جو مصلیوں اور مسافروں کے لئے وقف رہتی ہیں۔ اور سارے نمازی مسجد کے استعمال میں نیز سارے مسافر سرائے کے استعمال میں اصلاً برابر کے شریک اور حقدار ہیں لیکن جو پہلے آکر کسی گوشہ کو گھیر لیتا ہے وہ اس خاص جگہ کے استعمال کرنے کا بہ نسبت دوسروں کے زیادہ مستحق ہو جاتا ہے۔ اور ملک کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک انسان کسی شئی سے انتفاع کا حق دوسروں کی بہ نسبت زیادہ رکھتا ہے۔

اس اصول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور ارشاد میں یوں بیان فرمایا ہے:۔

عادی الارض للہ ورسولہ ثم ھی لکم منی	عادی الارض اللہ اور اس کے رسول کی ہے۔ پھر یہ حق ملکیت تمہیں میرے واسطے سے پہنچتا ہے۔

"عادی الارض" اس زمین کو کہتے ہیں جو کسی وقت میں کسی قوم یا فرد کے قبضہ اور ملک میں رہی ہو مگر اب اس کے مالک ہلاک ہو چکے ہوں اور کوئی اس کی ملکیت کا مدعی باقی نہ رہا ہو۔ اس صورت میں زمین پھر اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے یعنی دوبارہ مباح بن جاتی ہے جیسی کہ ابتداءً تھی۔ اور جبکہ ایسی زمین اسلامی حکومت کے دائرۂ اقتدار میں واقع ہو تو حکومت اس کی مالک ہے، اور وہ اسے پھر جن لوگوں کو چاہے استعمال کے لئے دے سکتی ہے۔

بیکاری نہ ہو (۲) دوسرا فطری اصول معیشت یہ ہے کہ نظام تمدن ایسا ہو جس میں سب افراد جماعت حصہ لیں اور تعاون کریں، اور بجز معذور لوگوں کے کوئی شخص تمدن کے کاروبار میں شریک ہونے سے خالی نہ رہے۔

اجارہ داری نہ ہو (۳) تیسری اصل یہ ہے کہ جو چیزیں قدرت نے عام فائدے کے لئے بنائی ہیں اور جن کو کارآمد بنانے میں کسی خاص شخص یا گروہ کی محنت وقابلیت کا دخل نہیں ہے ان کو حتی الامکان اپنی اصل یا گروہ کی محنت وقابلیت کا دخل نہیں ہے ان کو حتی الامکان اپنی اصل (یعنی اباحت عام) پر باقی رہنا چاہیئے یعنی ہر شخص کو ان سے فائدہ اٹھانے کا حق ہونا چاہیئے۔ اور اگر ان میں سے کوئی چیز ایسی ہو کہ اس سے فائدہ اٹھانا بغیر اس کے ممکن نہ ہو کہ اسے روکا جائے، تو ایسی چیز کے لئے یہ ضابطہ ہونا چاہیئے کہ

ہر شخص کو جتنا روکنے کی ضرورت ہو بس وہ اتنا ہی روکے، اور پھر دوسروں کے لئے چھوڑ دے۔ مقصد یہ ہے کہ عام فائدہ کی چیزوں میں کسی کو دوسرے پر تنگی کرنے کا اختیار نہ ہونا چاہئے مثلاً گھاس اور چارہ اور جنگل کی لکڑیاں قدرت کا ایک عام انعام ہیں۔ ان کے پیدا ہونے میں کسی انسان کی محنت و کوشش کا دخل نہیں ہے، لہذا ان سب کو سب کے لئے عام ہونا چاہئے کسی کو یہ حق نہ ہونا چاہئے کہ انہیں اپنے لئے مخصوص کر لے۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

لا حمی الا للّٰہ و رسولہ — چراگاہیں کسی کی ملکیت نہیں وہ اللہ اور رسول کی ہیں

رؤسائے جاہلیت کا دستور تھا کہ وہ زرخیز اور شاداب چراگاہوں کو اپنے لئے مخصوص کر لیتے تھے۔ اور ان سے انتفاع کی عوام کو اجازت نہیں دیتے تھے لیکن چونکہ یہ بات عوام کے حق میں سراسر ظلم اور غصب تھی اور ان کے لئے ضرر اور تنگی کا باعث تھی اس لئے شریعت عادلہ نے چراگاہوں سے انسانی ملکیت کا حق سرے سے باطل کر دیا۔

ایک مرتبہ آنحضورؐ نے نمک کی ایک کان جو شہر مارب میں تھی ایک شخص ابیض بن حمال کو دیدی لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ اس کان سے نمک بغیر کسی خاص اہتمام و انتظام کے نکلتا ہے تو آپ نے وہ اس سے واپس لے لی اور عام لوگوں کو اس سے استفادہ کا حق دیدیا، اس لئے کہ جو شئی بغیر محنت و مشقت کے قابل انتفاع ہو اسے ایک شخص کے لئے مخصوص کر دینا عوام کے حق میں سخت مضرت، اور زحمت کا باعث تھا۔

یہی حال پانی کا ہے۔ ابوداؤد کی روایت ہے کہ مہزور نامی ندی (جو مدینہ کے قریب واقع ہے) کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تصفیہ فرمایا تھا کہ جس شخص کا کھیت پہلے پڑے وہ پانی کو روک کر اپنے کھیت کو سیراب کرے اور جب پانی ٹخنوں تک پہنچ جائے تو اسے چھوڑ دے تاکہ بعد کے کھیت والا اپنی کاشت کو سیراب کر سکے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے سب پانی لیتے جائیں کسی کو محض اپنے ہی لئے روک رکھنے کا اختیار نہیں۔ یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ پانی جب مباح الاصل چیز تھی تو آپ نے کیوں ایک کو

استعمال کا حق پہلے دیا۔ اور دوسرے کو بعد میں اصل وجہ یہ ہے کہ جب کسی مباح چیز میں لوگوں کے حقوق مساوی ہوں تو انتظام عام کے لئے ضروری ہے کہ اس سے استفادہ کرنے میں ترتیب کا لحاظ رکھا جائے اور جس کا نمبر پہلے آئے اسے پہلے انتفاع کی اجازت دی جائے اور جس کا نمبر بعد میں ہو اسے بعد میں، ورنہ باہمی مخاصمت پیدا ہو کر سخت بدنظمی کا باعث ہوگی۔

دولت کی پیدائش:۔ لوگوں کا معاشی تعاون کے ذریعہ اپنے مال اور رزق کی ترقی میں سعی کرنا تمدن کی بقا اور فلاح کے لئے نہایت ضروری ہے مثلاً ایک شہر سے دوسرے شہر میں تجارت کرنا سعی و کوشش کرکے لوگوں کا مال بکوانا، اور رائج الوقت چیزوں کو پہلے سے بہتر بنانا یا اپنی قابلیت سے کوئی نئی چیز نکالنا، یہ سب قابل قدر کام ہیں جن پر بڑی حد تک لوگوں کی خوشحالی کا مدار ہے لیکن جب ترقی اموال کے ایسے ذرائع اختیار کئے جائیں جو تعاون کی روح سے خالی ہوں تو اصول فطرت کے لحاظ سے وہ بالکل ناجائز اور حکمتِ مدنیت کے حق میں سم قاتل ہوں گے۔ جیسے قمار بازی اور سٹہ بازی وغیرہ اسی طرح اکتساب رزق کے جن ذرائع میں تعاون کی ظاہری شکل تو موجود ہو مگر ته میں تعاون کی موت چھپی ہوئی ہو وہ بھی حکمت مدنیت کے خلاف ہیں مثلاً سودی کاروبار جس میں گو بظاہر مقروض معاملہ پر اپنی رضامندی کا اظہار کرتا ہے لیکن دراصل یہ رضامندی زبردستی کی ہوتی ہے اور وہ بیچارہ اپنے افلاس کی تنگ دستی میں گھر کر ہو کر اپنے لئے ایسی شرائط کے التزام کو تسلیم کرتا ہے جسے وہ اکثر اوقات پورا بھی نہیں کرسکتا۔ اکتساب مال کے یہ طریقے تمدن کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتے ہیں اور یہیں سے وہ ملعون زر پرستی پیدا ہوتی ہے جو مدنیت کی حکمتوں اور برکتوں کا گلا گھونٹ کر عوام الناس پر عرصۂ حیات تنگ کردیتی ہے۔

اہم ترین مفسداتِ تمدن کا کلی انسداد:۔ یہی وہ فطری اصول و مبادی ہیں جن پر اسلام کا معاشی قانون مبنی ہے۔ ہر وہ ذریعۂ معاش جو ان اصولوں کی روح سے بیگانہ یا ان کا مخالف ہو، حرام اور ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ تجارت کی بے شمار اقسام اسی زاویۂ نظر کی وجہ سے مردود اور

قابل مواخذہ ٹھیرائی گئی ہیں۔ ان اقسام میں سب سے مذموم اور مضرت رساں وہ قسم ہے جسے ربٰو کہا جاتا ہے اہل جاہلیت بیع و ربٰو میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے (انما البیع مثل الربٰو) لیکن اسلام نے بیع کو حلال اور ربٰو کو حرام کیا، کیونکہ بیع میں تمدن کے لئے زندگی ہے اور ربٰو میں تمدن کی موت ہے۔ اگرچہ بظاہر ربٰو بھی بیع کی طرح تراضی طرفین سے ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس میں تراضی نہیں ہوتی۔ سود پر قرض لینے والا اپنی ضرورت سے مجبور ہو کر دستاویز پر دستخط کرتا ہے، ورنہ وہ پاگل نہیں ہوتا کہ سو لیکر سوا سو دینے کا برضا و رغبت اقرار کرے۔[125] اس نقص کے علاوہ سودی معاملات جن خرابیوں اور منافقتوں کا فتح باب کرتے ہیں ان سے ہر خاص و عام اچھی طرح واقف ہے۔ جاہلیت میں اسی سود کی بدولت خونریز لڑائیاں تک ہوئی ہیں۔

ربٰو کی طرح قمار بھی تمدن کے لئے مہلک اور غارت گر ہے۔ تعاون اور تراضی دونوں کی روح اس میں مفقود ہوتی ہے اور ان کے بجائے طمع، حرص، خود غرضی، زرپرستی، جہل اور تسلط باطل کے رذیل محرکات جو تمدن کے مصالح اور دنیا بسر کرنے کے پسندیدہ اطوار اور ضروری وسائل کو تاراج کر دیتے ہیں، اس کی تہ میں کام کرتے ہیں، اور پھر جھگڑے لڑائی اور قطع رحمی کے جو لازمی نتائج معرض وجود میں آتے ہیں ان کے بیان کرنے کی شاید کوئی حاجت نہ ہوگی۔

کسب معاش کے لئے ان دونوں چیزوں کا دروازہ اچھی طرح بند کر دیا گیا ہے حتیٰ کہ لین دین کی جن صورتوں میں سود یا جوئے کا خفیف سا شبہ بھی موجود ہو ان سے بھی حکماً روک دیا گیا ہے۔ مثلاً بیع مزابنہ،[1] بیع محاقلہ،[2] بیع ملامسہ،[3] بیع منابذہ،[4] بیع حصاۃ[5] وغیرہ۔ نیز خشک کھجوروں کی بیع تر کھجوروں کے ساتھ

---

[1] درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کو توڑی ہوئی کھجوروں کی ایک خاص مقدار کے عوض بیچنا۔
[2] گیہوں کی فصل کو گیہوں کے عوض فروخت کرنا۔
[3] بیع ملامسہ کی شکل یہ ہوتی تھی کہ ایک شخص کہتا تھا اگر میں تیرا کپڑا چھو دوں تو فلاں چیز کی بیع میرے نام ہو گئی۔
[4] یعنی مشتری آنکھ بند کر کے اپنا کپڑا پھینکے اور کہے کہ جس چیز یا گلہ میں سے جس جانور پر جا کر پڑے وہ اتنے دام میں میرا ہو جائے گا۔
[5] بیع حصاۃ بھی بیع منابذہ کی طرح ہوتی تھی فرق صرف یہ تھا کہ اس میں کپڑے کے بجائے کنکری پھینکتے تھے۔

اور کھجوروں کے ایسے ڈھیر کی بیع جس کا پیمانہ معلوم و متعین نہ ہو، ان تمام بیوع کو ناجائز کر دیا گیا کیونکہ ان کے اندر جوئے کی روح موجود تھی۔

خرید و فروخت کے قوانین:۔ شریعت میں کاروبار کے جن طریقوں کی ممانعت کی گئی ہے ان پر جب ہم مجموعی نظر ڈالتے ہیں، تو اصولی حیثیت سے ہم کو حسب ذیل اسباب ممانعت کا پتہ چلتا ہے :۔

(۱) ایسی چیزوں کی خرید و فروخت ممنوع ہے جو بجائے خود اسلامی قانون میں حرام ہیں اور جن کا استعمال عموماً معصیت ہی کے کاموں میں ہوتا ہے مثلاً شراب، طنبور اور مجسمے وغیرہ کیونکہ ان اشیاء کی خرید و فروخت کی رسم جاری کر دینے کا لازمی انجام ہی یہ ہے۔ اگر ارادی طور پر نہیں تو کم سے کم بلا ارادہ ہی سہی۔ کہ لوگوں کو اُن معاصی کی ترغیب دی جائے جو ان کے استعمال کا ناگزیر نتیجہ ہیں بخلاف اس کے اگر سرے سے ان چیزوں کا لین دین ہی ممنوع ٹھیرا دیا جائے تو گویا بالواسطہ ان کے مفاسد کا قلع قمع کر دیا گیا اور لوگوں کو ان سے بچنے کی سہولت بہم پہنچا دی گئی چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور اصنام کی بیع و شراء کو حرام کر دیا ہے۔" ایک اور ارشاد میں آپ نے غیر مبہم الفاظ میں اس قاعدہ کلیہ کو یوں بیان فرمایا ہے :۔

ان اللہ اذا حرم شیئاً حرم ثمنہ — جب اللہ تعالیٰ کسی شئی کو حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت کو بھی حرام کر دیتا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مہر البغی خبیثٌ (زانیہ کی اجرت یعنی زنا کی فیس دینا حرام ہے) اور یہی حکم آپ نے کاہن کی اجرت اور مغنیہ کی کمائی کے بارے میں بھی دیا ہے کیونکہ ان تمام اجرتوں میں وہی علت موجود ہے یعنی ارتکاب معصیت کی ترغیب و ترویج، شراب کے بارے میں تو آنحضور صلعم نے یہاں تک فرمایا ہے کہ "شراب بنانے والے، شراب پینے والے، شراب

ڈھونے والے اور شراب رکھنے والے سب پر لعنت ہو" کیونکہ ارتکاب معصیت جس طرح معصیت ہے ارتکاب معصیت میں امداد کرنا اور سہولت بہم پہنچانا بھی معصیت ہے۔

(۲) نجاست مثلاً مردار، خون، جانوروں کا فضلہ اور دیگر گندی چیزیں نہایت مکروہ اور شیاطین سے مشابہت پیدا کرنے والی ہیں بخلاف اس کے اسلام کی فطرت لطافت اور پاکیزگی چاہتی ہے۔ اور پاکیزگی کا قائم کرنا نبی آخر الزماں کے مقاصد بعثت میں سے ہے اس لئے شرع نے تمام نجاستوں سے دور رہنے کا حکم دیا ہے اور ان کو ذریعہ معاش بنانے سے روک دیا ہے تاکہ انسان ان کا خوگر نہ ہونے پائے چنانچہ مردار کی خرید و فروخت کو حرام کر دیا گیا، حجامت (پچھنے لگانے) کی اجرت لینے سے منع کر دیا گیا اور نر جانوروں کو مادہ جفتی کھانے کے لئے کرایہ دینے کو ناجائز ٹھہرا دیا گیا کیونکہ ان ذرائع سے جو روزی میسر ہوتی ہے وہ نجاست کے دروازے سے گذر کر آتی ہے۔

(۳) ایسے معاملات کو ناجائز قرار دیا گیا ہے جو نزاع کا دروازہ فطرۃً کھولتے ہوں، مثلاً یہ کہ عوضین (قیمت اور مال) کا تعین اور تشخص نہ ہو۔ یا بیع در بیع[۹۱] کی شکل ہو۔ یا خریدار نے مال کو نہ دیکھا ہو اور بغیر دیکھے ہوئے یہ یقین نہ کیا جا سکتا ہو کہ جو مال اسے دیا جائے گا وہ اس پر راضی بھی ہوگا یا نہیں۔ یا بیع میں کوئی ایسی شرط[۹۲] ہو جو بعد میں چل کر قیل و قال کی موجب ہو۔

اسی اصول پر شارع علیہ السلام نے بیع مضامین (ان آئندہ پیدا ہونے والے بچوں کی بیع جو ابھی نر جانور کی پشت میں ہیں) اور بیع ملاقیح (جو بچے ابھی بطن مادر میں ہیں) اور بیع حبل الحبلہ (جس بچے کی ماں ہی ابھی رحم مادر میں ہو) سے[۹۳] روکا ہے کیونکہ شئی فروختنی کا ابھی وجود ہی نہیں تو اس کا تعین کس طرح ممکن ہے

۹۱؎ مثلاً خریدار بائع سے ایک چیز خریدتے وقت یہ قید لگا دے کہ میں یہ چیز تیرے اتنے روپیہ میں خریدتا ہوں بشرطیکہ فلاں چیز تم مجھے اتنے روپیہ میں دے دو۔

۹۲؎ فقہ بیع عربون کی ایک شکل یہ ہے کہ بائع اپنی چیز بیچتے وقت یہ شرط لگا دے کہ اگر مشتری اسے بیچنے کا قصد کرے تو میں لینے کا زیادہ حقدار رہوں گا

۹۳؎ بیع کے یہ سارے طریقے زمانہ جاہلیت میں رائج تھے۔ کوئی اصیل و نجیب اونٹ کو دیکھتا تو قبل اس کے کہ اس کے نطفے سے کوئی بچہ رحم مادر میں وجود پذیر ہو مالک سے یہ معاملہ کر لیتا کہ اس سے جو بچہ پیدا ہوگا اتنی قیمت میں میں لے لوں گا اسی طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے سے قبل ہی بچے کی خرید فروخت شروع ہو جاتی تھی اور بسا اوقات ماں بھی عالم وجود میں آئی نہ ہوتی

اسی طرح ایسے معاملہ کو ناجائز کر دیا گیا ہے جس میں اصل چیز اور اس کی قیمت دونوں غیر موجود اور مؤخر ہوں
استثناء غیر معین کا بھی یہی حکم ہے۔ اس بیع کی شکل یہ ہوتی ہے کہ بائع معاملہ کرتے وقت مثلاً یہ کہے کہ اتنے
روپیوں میں میں تھوڑا سا چھوڑ کر اپنا یہ دس من جو میں تمہیں دیدوں گا۔ اس "تھوڑے سے" کا عدم تعین
فریقین کے درمیان وجہ نزاع بن سکتا ہے۔ لیکن اس کلیہ کو بہت زیادہ عام نہیں کیا جاسکتا یعنی
ہر جزوی امر کا عدم تعین بیع کو فاسد نہیں کر دیتا کیونکہ عادۃً اور رواجاً معاملات بیع کے
متعلق بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں جن کی توضیح اور تعین نہیں کی جاتی اور نہ کی جاسکتی ہے مفسد بیع
صرف وہ عدم تعین ہے جو موجب نزاع بن سکے۔

ایسے معاملات بھی اسی بنا پر ناجائز ہیں جن میں معاملہ تو ایک چیز کا ہو رہا ہو مگر دراصل وہ
مقصود بالذات نہ ہو بلکہ اس کے ضمن میں در پردہ کوئی اور ہی معاملہ پیش نظر ہو۔ ایسے معاملات سخت
خصومت انگیز اور ایسے پیچیدہ ہو جاتے ہیں جن کا کوئی حل ملنا دشوار ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بیع مقصود بالذات
تو ہوتی نہیں، اسے محض ایک دوسرے مقصد کے لئے بہانہ بنایا جاتا ہے، اور ایک فریق جب دیکھتا ہے
کہ جو اصل مقصد تھا وہ حاصل نہیں ہوتا تو وہ معاملۂ بیع کی تکمیل سے بھی جی چراتا ہے اور دوسرا فریق
طے شدہ بات کو پورا کرنے پر اصرار کرتا ہے۔ اسی بنا پر شارع نے ایسے معاملات کی سرے سے ممانعت
فرمادی ہے رسول اللہ صلعم کا ارشاد ہے کہ:-

لا یحل بیع و سلف ولا شرطان فی بیع ایک ہی ساتھ بیع اور بیع سلف دونوں کا معاملہ
کرنا یا کسی معاملۂ بیع میں دو شرطوں کی قید لگانا جائز نہیں۔

بیع سلف کے معنی ہیں کسی چیز کی جو آئندہ تیار ہونے والی ہو پیشگی نقد روپیہ دے کر بیع کر لینا
اور دو شرطوں کا مفہوم یہ ہے کہ بائع ایک تو اس چیز کے حقوق بیع اپنے لئے مخصوص کرالے، اور دوسرے
کوئی اور خارجی شرط لگا دے مثلاً اگر اس چیز کو تمہیں کبھی بیچنا منظور ہو تو میرے ہی ہاتھ بیچنا......

نیز میں اس شرط کے ساتھ تمہیں یہ چیز بیچ رہا ہوں کہ اپنی فلاں چیز مجھے ہبہ کردو
یا فلاں کے یہاں میری سفارش کردو۔

اسی قاعدہ پر ان معاملات کی بھی ممانعت کی گئی ہے جن میں عوضین میں سے کسی ایک کا اختیار پر گی
معاملہ کرنے والے کے ہاتھ میں نہ ہو، مثلاً ثمن (قیمت) خریدار کے قبضہ میں نہ ہو، یا چیز بائع کے ہاتھ میں نہ ہو
بلکہ فی الحال عملاً دوسرے کے اختیار میں ہو اور اس کا محض نظری حق اس شئی پر پہنچتا ہو، یا ابھی محل
نزاع ہو ایسی صورت میں بہت ممکن ہے کہ ایک قضیہ کے اندر دوسرا قضیہ پیدا ہو جائے یا فریق مخالف کو
دھوکہ اور نقصان پہنچ جائے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ جب کوئی چیز تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے تمہیں
اطمینان نہ کرنا چاہئے کہ وہ تمہیں مل ہی جائے گی۔ لہٰذا اگر ایسی حالات میں بیع منعقد ہو گئی اور مشتری نے
قبضہ کا مطالبہ کر دیا تو بائع کے لئے اس کے سوا کیا چارہ ہو گا کہ ادھر اُدھر دوڑتا پھرے اور اس طرح
منافقات کی گرم بازاری کا سامان پیدا کرے۔ اسی مفسدہ کا قلع قمع کرنے کی خاطر آنحضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "جو چیز تمہارے اپنے ہاتھوں میں نہ ہو اس کی بیع نہ کرو" دوسرے ارشاد میں ہے
کہ "جو کوئی گیہوں خریدے اس وقت تک بیع نہ کرے جب تک کہ اس کو اپنے قبضے میں نہ کرلے" یہ
حکم صرف گیہوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ عام ہے۔ نیز آپ نے ایسی شئی کی بیع سے منع کر دیا ہے
جس کے متعلق بائع کو یقین کامل نہ ہو کہ آیا وہ میرے ہاں موجود بھی ہے یا نہیں یا میں اسے
پا سکتا ہوں یا نہیں۔

اسی طرح شارع نے چن چن کر ان معاملات کو حرام کیا ہے جو عموماً نزاعین پیدا کرنے والے
ہوتے ہیں مثلاً درخت کے کچے پھلوں کی بیع کا عرب میں عام رواج تھا۔ اس کے متعلق حضرت زید
بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ لوگ باہم ایسی فروخت کرتے تھے لیکن جب آفات سماوی پھلوں کو نقصان
پہنچا دیتیں تو آپس میں لڑائی تکرار کرنے لگتے۔ مشتری قیمت ادا کرے گی کے خلاف حجت پیش کرتا کہ

پھل پکنے سے قبل ہی خراب اور سڑ گل گئے۔ اس متوقع نزاع کے انسداد کے لئے آنحضرت صلعم نے ممانعت فرما دی کہ "درخت پر لگے ہوئے پھل اس وقت تک نہ بیچے جائیں جب تک کہ وہ قابل انتفاع نہ ہو جائیں" الا یہ کہ مشتری اسی وقت پھلوں کو توڑ لے۔ اس ممانعت کے بعد آپ نے فرمایا۔

ارأیت اذا منع اللہ الثمرۃ — سوچو کہ جب اللہ تعالیٰ نے پھلوں کو نیست و نابود کر دیا

بما یاخذ کم مال اخیہ — تو پھر کوئی شی کے عوض اپنے بھائی کا مال (پھلوں کی قیمت) لیتا ہے؟

یعنی اس طرح کی بیع میں ایک قسم کا دھوکہ پوشیدہ رہتا ہے، کیونکہ پھلوں کے ضائع ہو جانے کا خطرہ بہر حال موجود ہے۔ اگر وہ واقعی ضائع ہو جائیں تو خریدار غریب کو قیمت تو ادا کرنی پڑے گی اور اس کے عوض اسے کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا۔

(۴) خرید و فروخت کے معاملات میں مسابقت (   ) کی ایسی صورتوں کو رہ کا گیا ہے جن سے لوگوں کے درمیان حسد اور مخالفت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، اور جن کا نتیجہ یہ ہو کہ کچھ لوگ پیش قدمی کر کے دوسرے لوگوں کو اکتساب رزق سے محروم کر دیں۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ۔

لا تلقوا الرکبان لبیع ولا یبیع — آبادی سے نکل کر بنجاروں کو راستے میں جا پکڑو

بعضکم علی بیع بعض ولا یسم الرجل — اور ایک شخص دوسرے شخص کی بیع میں مداخلت کر کے

علی سوم اخیہ ولا تناجشوا ولا یبیع — اپنی بیع نہ کرے۔ اور ایک شخص دوسرے کی بولی پر بولی

حاضر لباد — نہ دے۔ اور محض دوسروں کو خریداری سے روکنے کے لئے بولی نہ بڑھائی جائے۔ اور شہر والا گاؤں والے کی طرف سے بیع کا مختار نہ بنے۔

ان ہدایات میں سے مؤخر الذکر ہدایت کا مقصد یہ ہے کہ گاؤں والوں کو براہ راست شہر میں آکر لوگوں کے ہاتھ مال فروخت کرنے کا موقع ملنا چاہئے۔ آڑھتیے جو اُن کا مال لے کر نسبتہً زیادہ قیمتوں پر

فروخت کرتے ہیں یہ عام باشندوں کے لئے تنگی کا موجب ہے، اور اس سے خود گاؤں والوں کا بھی نقصان ہے، کیونکہ وہ زیادہ فائدے کا لالچ کرکے آڑھتیے کے جال میں پھنس جاتے ہیں، اور پھر اس کے پھندے سے ان کا نکلنا مشکل ہوتا ہے۔ نیز یہ کاروبار تمدن کی ترقی کے لئے بھی مضر ہے کیونکہ گاؤں والوں کا بار بار مال لے کر آنا اور تھوڑا کمانا اس سے بہتر ہے کہ وہ زیادہ نفع کی خاطر مال کو روک رکھیں۔

(۵) ایسے طریقوں سے نفع کمانے کی کوشش بھی حرام کر دی گئی ہے جو عامۃ الناس کے لئے موجب نقصان و تکلیف ہوں، مثلاً غلے کو قیمتیں گراں کرنے کی خاطر جمع کرنا اور روک رکھنا کہ یہ خود غرضانہ نفع طلبی ہے اور اس سے تمدن میں خرابی واقع ہوتی ہے۔ اسی کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

من احتکر فھو خاطی (جس نے احتکار کیا وہ گنہگار رہے) اور الجالب مرزوق والمحتکر ملعون (کسب کرنے والے کو رزق ملتا ہے اور احتکار کرنے والے کے حصہ میں لعنت آتی ہے)

(۶) ایسے تمام معاملات ممنوع ہیں جن میں ایک شخص دوسرے شخص کو دھوکہ دے کر نفع کمانے کی کوشش کرے مثلاً اپنے مال کا عیب چھپائے، یا اس کا مال جتنا اچھا نہیں ہے اتنا ظاہر کرے۔ اسی سلسلہ میں حدیث ہے کہ

لا تصروا الابل والغنم فمن ابتاعھا	اونٹنی یا بکری کو بیچتے وقت اس کے تھنوں میں
بعد ذلک فھو بخیر النظرین بعد ان یحلبھا	دودھ جمع کرکے نہ رکھو کہ خریدار اس کو زیادہ دودھ والی
ان رضیھا امسکھا وان سخطھا ردھا و	سمجھے۔ اگر ایسا کیا جائے تو خریدار کو اختیار ہے کہ تین دن
صاعا من تمر و یروی صاعا من طعام لا سمراء	رکھ کر اسے دیکھے اور پسند نہ آئے تو واپس کردے

لیکن واپس کرتے وقت وہ ساتھ ہی ساڑھے تین سیر کھجوریں بھی دودھ کے عوض دیدے جو اس نے نچوڑا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ساڑھے تین سیر غلہ دے لیکن وہ زیادہ قیمتی غلہ نہ ہو مثلاً شامی گیہوں (کہ وہ حجاز میں زیادہ قیمتی ہوتا تھا)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصنوعی طور پر مال کو اچھا بنانے کی نہی فرمائی ہے

ایک شخص نے کھجوروں کو پانی سے تر کیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا افلا جعلتہ فوق الطعام حتی یراہ الناس ؟ من غش فلیس منی (کیا تو نے اس کو اوپر سے تر نہیں کیا تاکہ لوگ دیکھ کر دھوکا کھائیں ؟ جو شخص دھوکہ بازی کرے اس سے میرا کوئی واسطہ نہیں)

(۷) ایسی چیزوں کی بیع بھی حرام ہے جن کو اللہ نے سب انسانوں کے لئے مباح کیا ہو مثلاً جو پانی قدرتی طور پر بہ رہا ہو اور خود لوگوں تک پہنچنے والا ہو اس کو کوئی شخص روک لے اور قیمت لیکر دوسروں کیلئے چھوڑے۔ یہ اللہ کے مال میں بغیر کسی حق کے تصرف کرنا ہے اور اس میں بندگانِ خدا کی ضرر رسانی ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع فضل الماء (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ضرورت سے زاید پانی کو قیمتہً دینے کی ممانعت فرمائی ہے) اسی طرح قدرتی چراگاہ میں جانوروں کے چرنے پر اُجرت عائد کرنا بھی ممنوع ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جو شخص ایسا کرے گا، اللہ بھی اس سے کہے گا کہ میں تجھ کو اپنے فضل سے اسی طرح محروم کرتا ہوں جس طرح تو نے لوگوں کو اس فضل سے محروم کیا جس کے بنانے میں تیرا کوئی حصہ نہ تھا۔" ایک اور حدیث میں ہے کہ پانی اور چارہ اور آگ، یہ ایسی چیزیں ہیں جن میں سب مسلمان شریک ہیں۔"

نرخوں کا حکماً مقرر کیا جانا ۔ تجارتی کاروبار میں ایک سوال حکومت کے اختیارات کا آتا ہے کہ آیا وہ اشیاء کی قیمت کا جبری تعین کر سکتی ہے جس کے مطابق بیچنے پر اہل تجارت مجبور ہوں ؟ اسلامی قانون تجارت کا رجحان اس طرف ہے کہ تجار اس معاملہ میں آزاد ہیں۔ حکومت کو ان کی آزادی میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے چنانچہ ایک بار لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ تاجروں نے چیزوں کا بھاؤ بہت چڑھا دیا ہے، آپؐ ان کی قیمتوں کا مناسب تعین فرما دیں۔ آنحضور صلعم نے فرمایا کہ "قیمتوں کا گھٹانا بڑھانا اللہ کے اختیار میں ہے، میں نہیں پسند کرتا کہ میں خدا سے اس حال میں ملوں کہ کسی پر ظلم کرنے کا بار میری گردن پر ہو اور وہ اس کے حضور دادرسی کرے۔" اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی

ایسا عادلانہ نرخ متعین کرنا جو تاجر اور خریدار دونوں کے نفع نقصان کے لحاظ سے بالکل ٹھیک ہو حتیٰ کہ کسی کی ایک ذرہ برابر حق تلفی نہ ہو، تقریباً ناممکن ہے، اسی لئے آنحضور صلعم نے اس کے لئے کوئی حکم صادر کرنے سے اجتناب فرمایا تاکہ آئندہ چل کر امراء اور حکام اس حکم کو اپنے لئے سند نہ بنالیں اور اس کی آڑ میں جب چاہیں اور جس قدر چاہیں چیزوں کی قیمت گھٹا بڑھا دیں تاہم اگر کھلم کھلا تجارت پیشہ لوگ لوٹ ہی پر اتر آئیں اور چیزوں کو بہت گراں کر کے لوگوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیں تو حکومت کے لئے جائز ہے کہ رفاہ عام اور مصالح تمدن کے پیش نظر انہیں اس خودغرضانہ لوٹ کھسوٹ سے باز رکھ کر چیزوں کی قیمتیں متعین کر دے۔

(۴) اگر کوئی شخص بیع سلم کے طور پر کوئی چیز خریدے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس چیز کی مقدار اور قبضہ کرنے کے وقت کی تعیین کر دے رسول اللہ صلعم جب مدینہ تشریف لائے تو لوگوں میں اس طرح کی بیع کا بڑا رواج تھا۔ لوگ روپیہ پیشگی دیدیتے اور دو دو تین تین سال بعد پیدا ہونیوالے پھلوں کو خرید لیتے آپ نے اسے بالکلیہ ممنوع تو نہیں کیا (البتہ اتنی شرط لگادی کہ جس چیز کی مقدار یا وزن متعین ہو۔ نیز یہ صاف صاف طے ہو جائے کہ بائع کس وقت خریدار کو وہ چیز دے گا۔"

قرض کے لین دین میں تحریری دستاویز اور شہادت کی سخت تاکید ہے، چنانچہ قرآن میں ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ الایہ	اے ایمان لانے والو جب تم کسی مدت معین تک کیلئے ایک دوسرے سے قرض لو تو اسے لکھ لیا کرو۔

قرض کا معاملہ معاشی امور میں گوناگوں حیثیتوں سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ایک طرف معاشی ضروریات کے پیش نظر قرض کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ دوسری طرف یہ دیگر معاملات کی بہ نسبت بہت زیادہ نزاع آفرین اور خصومت انگیز ہے۔ اسی اہمیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ قرض کے معاملات پر گواہ بنانے اور انہیں ضبط تحریر میں لانے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ اور

کتمان شہادت کی سخت ممانعت کردی ہے۔ پھر اسی ضمن میں تیرا بعض معاشی ضرورتوں کے باعث رہن اور کفالت وغیرہ معاملات کی بھی اجازت دے دی ہے

مضاربت یا شرکت کے معاملات اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ نسل انسانی مدنی الطبع واقع ہوئی ہے اور اس کا معاشی سوال اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے افراد میں باہم تعاون نہ موجود ہو۔ چنانچہ تاریخ تمدن بتلاتی ہے کہ یہ معاشی تعاون مختلف شکلوں میں قوموں کے اندر ہمیشہ موجود رہا ہے۔ اس تعاون اور اشتراک کی مندرجہ ذیل قسمیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) دو آدمی کوئی تجارتی کاروبار اس طرح پر شروع کریں کہ ایک کا سرمایہ ہو اور دوسرے کی محنت اور منافع حسب معاہدہ دونوں تقسیم کریں۔ اسے اصطلاح میں "مضاربت" کہتے ہیں۔

(۲) دو آدمی مل کر اس طرح تجارت کریں کہ سرمایہ میں دونوں برابر کے شریک ہوں، ہر ایک جو کچھ بیچے یا خریدے دوسرا بھی اس میں شریک ہو حتیٰ کہ دونوں ایک دوسرے کے ضامن اور ایک دوسرے کے مختار عام ہوں اور بیوپار میں جو نفع ہو اسے دونوں آپس میں بحصہ مساوی تقسیم کریں۔ اس کا نام "شرکت مفاوضہ" ہے۔

(۳) دو آدمی کسی معین سرمایہ سے تجارت کریں جس میں دونوں کے حصے برابر ہوں اور ہر ایک اس سرمایہ کی حد تک خرید و فروخت میں دوسرے کا قائم مقام ہو۔ لیکن ایک دوسرے کا ضامن اور کفیل عام نہ ہو کہ محض شریک کار ہونے کی وجہ سے جو کچھ ایک کا بار ہو وہ دوسرے سے طلب کیا جا سکے اسے "شرکت عنان" کہتے ہیں۔

(۴) دو آدمی اس طرح تجارت شروع کریں کہ سرمایہ کسی ایک کا بھی نہ ہو بلکہ ہر ایک محض

اپنی ذاتی شخصیت سے کام لیکر بازار سے ادھار مال حاصل کرے اور دونوں مل کر اسے بیچیں اور قرض ادا کرنے کے بعد نفع باہم تقسیم کر لیں، اس کا نام اصطلاح شرع میں "شرکت وجوہ" ہے۔

(۵) ایک شخص اپنے لئے نہیں بلکہ کسی دوسرے کیلئے معاملات کرے اسے "وکالت" کہتے ہیں

(۶) دو صنعت پیشہ آدمی ملکر کام کریں اور جو کچھ حاصل ہو، سے باہم بانٹ لیں یہ "شرکت عمل" ہے

(۷) ایک شخص کے باغ کی دیکھ بھال اور آبپاشی دوسرا آدمی کرے اور اس باغ سے جو پھل پیدا ہوں وہ ان میں سے حصہ بٹائے۔ اسے آئین اسلامی میں "مساقاۃ" کہتے ہیں۔

(۸) زمین اور بیج ایک آدمی کا ہو اور ہل بیل نیز کاشت کرنیکی جملہ محنت دوسرے آدمی کی اس طرح جو غلہ پیدا ہو اس میں دونوں شریک ہوں۔ اس کا نام "مزارعۃ" ہے۔

(۹) ایک شخص کی محض زمین ہو اور بیج، ہل اور بیل اور محنت سب دوسرے کی ہو اسے مخابرۃ کہتے ہیں اور یہ دراصل مزارعۃ ہی کی ایک قسم ہے۔

(۱۰) مزارعت ہی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ زمین، بیج اور ہل اور بیل سب کچھ ایک ہی ایک آدمی کا ہو اور دوسرے کی صرف محنت ہو۔

معاشی تعاون اور اشتراک عمل کی یہ تمام صورتیں اور اسی نوعیت کی دوسری صورتیں بھی اسلام میں جائز ہیں اور ان کیلئے یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ فریقین میں جو شرائط طے ہو جائیں انکی پوری پابندی کی جائے بجز ایسے معاہدہ اور ایسی شرائط کے جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرنے والی ہوں۔

اخلاقی محرکات | یہاں تک جو اصولی قوانین بیان ہوئے ہیں ان کا تعلق معاشی معاملات میں خود غرضی، ظلم و عدوان اور نزاع کی روک تھام سے تھا لیکن اسلام نے صرف اتنے ہی پر اکتفا

نہیں کیا ہے بلکہ اس نے معاشی معاملات میں فضل، فراخدلی، فیاضی، ایثار اور امداد باہمی کی روح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور احسان و تبرع کو بھی معاشیات کا اہم ترین جزو بنا دیا ہے

اس سلسلہ میں سب سے پہلے شارع کا یہ ارشاد ملاحظہ ہو۔

رحم اللّٰہ رجلاً سمحاً اذا باع واذا شترى واذا اقتضى

اللہ کی رحمت ہو اس شخص پر جو خریدنے اور بیچنے اور قرض کا تقاضا کرنے وقت مروّت اور خوش خلقی سے کام لے

کج خلقی اور خودغرضی و بے مروتی کاروباری ذہنیت کا گویا ایک فطری خاصہ ہے لیکن چونکہ ایک طرف تاجر کے نفس پر اس کے برے اثرات پڑتے ہیں، دوسری طرف نظام تمدن کے حق میں یہ موت سے کم نہیں، کیونکہ یہ چیز تعاون کی دشمن ہے اور تعاون ہی پر مدنیت کا دار ومدار ہے، اس لئے رسول اللہ صلعم نے اتنے موثر طریقہ پر اس سے روک کر ساحت اور فراخدلی کی ترغیب دی ہے

اسی مقصد کیلئے ایک موقع پر آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "جو شخص کسی ایسی بیع کو جسے اس کا بھائی (خریدار) ناپسند کرتا اور فسخ کرنا چاہتا ہو، فسخ کردیگا قیامت کے دن اللہ تعالی اسکے گناہوں کو فسخ (یعنی معاف) کردیگا" معاملہ کی بات تو یہ ہے کہ جب خریدار نے اپنی رضا و رغبت سے ایک چیز خریدی ہے تو خواہ بعد میں وہ کتنا ہی پچتائے اسے واپس کرنا چاہیے، بائع واپس کرنے پر مجبور نہیں ہے لیکن چونکہ ایک بھائی کو اس سے نقصان پہنچ رہا ہے اس لئے آنحضرت صلعم نے بیع کو فسخ کرنے کی ان الفاظ میں اپیل فرمائی اور اسے رحمت و مغفرت ایزدی کا ذریعہ تبلایا (بشرطیکہ چیز اپنی اصلی حالت میں ہو)

اگر دو قریبی رشتہ دار ایک ہی شخص کی ملکیت میں ہوں تو اس کیلئے جائز نہیں کہ ایک کو بیچ دے اور دوسرے کو اپنے پاس رکھ چھوڑے۔ حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ ایسا کیا تھا

آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ بیع کو فسخ کرکے غلام کو واپس لے لو۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ "جو شخص ماں اور اسکے بیٹے کو الگ الگ کریگا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو اور اسکے احباب و اقارب کو الگ الگ کر دیگا"۔ یہاں بھی وہی اصول اخلاق و سماحت کام کر رہا ہے

اسی احسان اور تبرع کی تعلیم دیتے ہوئے آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ "اگر خریدار قیمت ادا کرنے سے بیشتر مفلس ہو جائے اور قیمت ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو بائع کو چاہیئے کہ اپنی چیز کو واپس لے لے اور اسے قیمت ادا کرنے پر مجبور نہ کرے" اسی طرح آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "اگر قرضدار تنگدست ہو جائے تو قرضخواہ کو اپنا قرض معاف کر دینا چاہیئے یا کم از کم مطالبہ میں نرمی برتے اور ادائے قرض کی کافی مہلت دے۔ اللہ تعالیٰ اسکو روز جزا کے اہوال سے محفوظ رکھے گا"۔

اسکے برعکس اگر قرضدار قرض ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور پھر قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرتا ہو تو دوسروں کو چاہیئے کہ اس پر دباؤ ڈال کر حساب بیباق کرائیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ "جو توانگر ادا کرسکتا ہو اور پھر ادائیگی قرض میں لیت و لعل کرنا ظلم و ناانصافی ہے ہاں اگر قرضدار کسی دوسرے شخص کا حوالہ دے تو اس کا حوالہ قبول کر لینا چاہیئے"۔ اس دوسرے ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ اگر قرضدار کا روپیہ کسی دوسرے پر آتا ہو اور وہ قرضخواہ سے کہے کہ تم اس سے وصول کرلو تو ایسی صورت میں قرضخواہ کو یہ اصرار نہ کرنا چاہیئے کہ میں تو تجھی سے وصول کروں گا۔

اسی تبرع کی خاطر قرآن نے مسلمانوں کو بار بار صدقات پر ابھارا ہے اور حکم دیا ہے کہ جو مال اللہ نے انہیں دیا ہے اسمیں سے اپنے غریب اور نادار بھائیوں پر خرچ کریں اور اسکے عوض رضائے الٰہی کے سوا کوئی معاوضہ ان کے پیش نظر نہ ہو پھر ایک ایک چیز کو گنا کر بتا دیا کہ ان صدقات کو ان کے صحیح مصارف میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ وہ مصارف یہ ہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ الخ (توبہ - ۸)

صدقات تو محض فقیروں، مسکینوں، محصلین زکوٰۃ، کمزور ایمان والے نو مسلموں (جنکی تالیف قلب کی ضرورت ہو) اور غلاموں، قرضداروں، راہ خدا میں جہاد کرنیوالوں اور مسافروں کیلئے ہیں۔

تین صدقات کے ذریعہ سے غربا اور عام مسلمانوں کیساتھ احسان اور مواسات کا مظاہرہ کیا جا سکتا ہے لیکن جو لوگ مسلمانوں کیساتھ اظہار اخوت و مواسات کا ذریعہ وہ نہیں بن سکتے اسلئے کمی کو پورا کرنیکیلئے

شارع نے ہدیہ و تحفہ بھیجنے کی تلقین کر کے امیر و غریب کے ساتھ رشتہ اخوت و محبت کو مضبوط تر بنانے کی ترغیب دی ہے۔ رسول اللہ صلعم کا فرمان ہے کہ تھادوا فان الھدیۃ تذھب الضغائن (ایک دوسرے کے یہاں ہدیہ بھیجو کیونکہ ہدیہ دلوں کو کینوں سے صاف کرتا ہے) اور یہ ایک امر واقعہ ہے ہدیہ خواہ کتنا ہی قلیل اور ادنیٰ درجہ کا کیوں نہ ہو لیکن وہ اسباب کی علامت ہے اور ہدیہ بھیجنے والا اپنے دل میں اسکی جگہ رکھتا ہے چنانچہ اسی حقیقت کو سامنے رکھکر شارع نے ہدیہ واپس کرنے کی سخت ممانعت فرمائی ہے خواہ وہ کتنا ہی حقیر کیوں نہ ہو۔

صدقہ اور ہدیہ میں فرق یہ ہے کہ صدقہ محض لوجہ اللہ ہوتا ہے اور ہدیہ بکر اس شخص کی خوشنودی حاصل کیجاتی ہے اور یہ چیز بھی انسانیت اور مصالح تمدن دونوں کیلئے اکسیر حیات کا حکم رکھتی ہے۔ کیونکہ اسکے ذریعہ سے سوسائٹی کے افراد میں الفت و اتحاد کی زبردست اسپرٹ پیدا ہوتی ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو جس شخص کے ہدیہ آئے، اگر وہ صاحب استطاعت ہے تو چاہیے کہ وہ بھی اس کا جواب دے اور اگر استطاعت نہیں رکھتا تو ہدیہ دینے والے کے حق میں خیر و تحسین کے کلمات کہدے۔ ایسا کرنا گویا اس کی ہمدردی کا شکریہ ادا کرنا ہوجائیگا لیکن جس نے یہ بھی نہ کیا اس نے سخت ناشکری کی اور جس نے ہدیہ دینے میں اپنی حیثیت سے بہت بڑھ چڑھ کر نمائش کی اسکی مثال [illegible] رند کی سی ہے جس نے سر سے پیر تک خرقۂ زہد پہن رکھا ہو۔"

ہدیہ کے جواب میں ہدیہ بھیجنے میں ایک تو یہ مصلحت ہے کہ اس طرح دونوں جانب سے قربت و الفت کی پیش کش ہوگی جو ہدیہ کا مقصد وحید ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اوپر کا ہاتھ بہرحال نیچے کے ہاتھ سے افضل ہے اس لیے انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ اس کا ہاتھ نیچا نہ رہ جائے۔ لیکن اگر واقعی وہ اسکی قدرت نہیں رکھتا تو کم سے کم اسے اچھے کلمات سے یاد ہی کرلے کہ یہ چیز بھی انجام کے لحاظ سے ہدیہ دینے کے برابر ہی ہے لیکن اچھے کلمات سے یاد کرنے کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ خوشامد کرنا اور تعریفوں کے پل باندھنا شروع کردے اس کا معتدل طریقہ بھی شریعت نے متعین فرمادیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص پر کوئی احسان کیا گیا ہو اور وہ اپنے محسن کو جزاک اللہ خیرا کہہ دے تو

اس نے تحسین و ستائش کا زیادہ سے زیادہ حق ادا کر دیا۔ شریعت کا مقرر کیا ہوا یہ طریقہ اظہار تشکر اسلامی نقطۂ نظر سے اپنے اندر انتہائی مناسبت، جامعیت اور اعتدال رکھتا ہے۔ اس پر اضافہ کرنا جس طرح تملق اور دنائت کی دلیل ہے اسی طرح اس میں بھی بخل کرنا انتہائی بداخلاقی اور کفران نعمت ہے۔

ہدیہ دے کر واپس لے لینا نہایت ہی ذلیل اور مکروہ حرکت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کسی چیز کو ہبہ کر کے پھر اسے واپس لے لینے والے کی مثال اس کتے کی سی ہے جو قے کر کے اسے چاٹ لے۔ ہم (مسلمانوں) کو ایسی بری حرکت زیب نہیں دیتی۔" غور کرو یہ مثال کس قدر مبنی بر حقیقت ہے۔ جب ایک شخص اپنی مرضی سے اپنے مال کا ایک حصہ کسی کو ہبہ کر دیتا ہے اور پھر سے لوٹانا چاہتا ہے تو آخر کونسی چیز اسے اس فعل پر آمادہ کر رہی ہے؟ ظاہر ہے یا تو وہ انتہائی تنگ دل اور خسیس ہوگا اور کسی اتفاقی جذبہ سے متاثر ہو کر ایک چیز ہبہ کر دینے کے بعد اسے اپنی حرکت پر افسوس آیا ہوگا۔ اور اب وہ واپس مانگتا ہے یا اس شخص کو جسے اس نے ہبہ کیا تھا تنگ کرنا اور اسے نقصان پہنچانا مقصود ہوگا۔ ان دونوں وجوہ میں سے خواہ کوئی وجہ بھی ہو ہر ایک کا منشا اور منبع بداخلاقی اور خفت ہی ہے۔ علاوہ ازیں معاشرتی مصالح کے حق میں ہدیہ دینا اتنا مفید نہیں جتنا اس کا واپس لینا ان کے حق میں مضر ہے۔ اس سے اس شخص کے دل میں نفرت کی آگ بھڑکے بغیر نہیں رہ سکتی وہ اسے اپنی سخت ہتک تصور کریگا۔ اور اس تصور سے اس کا مشتعل ہو جانا بلکہ انتقام پر اتر آنا یقینی ہے اسی اندیشہ اور خطرہ کی وجہ سے کسی شخص کیلئے اگرچہ اس کی بیٹے ہوں۔ جائز نہیں کہ ایک لڑکے کو کوئی چیز ہبہ کرے اور دوسروں کو یوں ہی چھوڑ دے اگر وہ ایسا کرتا ہے تو گویا اپنے بھائی کو دشمن بناتا ہے۔

وصیت — وصیت کا رواج ہر ملک اور قوم میں رہا ہے، اہل اسلام کو بھی اسکی اجازت دی گئی ہے لیکن چند قانونی پابندیوں کیساتھ۔

(۱) آدمی اپنے کسی وارث کے حق میں وصیت نہیں کر سکتا (حدیث میں آتا ہے کہ لا وصیۃ لوارث وارث کیلئے وصیت نہیں ہے) اور اسکے ساتھ ہی اسکی علت بھی بیان فرما دی گئی ہے ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار یعنی وارث کا حق خود ہی متعین کر دیا ہے) اہل جاہلیت وصیت کے بارے میں بڑی ہی افراط

وتفریط کے سامنے بھتے وقتی جذبات سے مغلوب کر عقل اور مصلحت کا رشتہ ہاتھ سے چھوڑ دیتے اور اقعی کو انکے حق سے محروم کرکے دور کے لوگوں کیلئے سارا مال وصیت کر جاتے اس کم بینی اور ناحق شناسی کا دروازہ بند کرنا ضروری تھا ۔ (۲) وارثوں کیلئے کم از کم دو تہائی مال چھوڑنا ضروری ہے، وصیت کرنیوالے کو زیادہ سے زیادہ اپنے مال کا ایک تہائی حصہ وصیت کے ذریعہ سے غیر وارث لوگوں کو دینے کا حق دیا گیا ہے سعد بن ابی وقاص نے ایک مرتبہ بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ میں بہت بڑی دولت کا مالک ہوں صرف ایک لڑکی ہے جسکے علاوہ اور کوئی میرا وارث نہیں تو میں کس قدر مال کی وصیت کرسکتا ہوں؟ کیا تمام مال کی یا نصف کی یا ثلث کی؟ آنحضرت صلعم نے فرمایا: ایک تہائی کی وصیت کرو اور وہ بہت ہے، تمہارا اپنے وارثوں کو خوشحال چھوڑ جانا اس سے بہتر ہے کہ تم انہیں اس حال میں چھوڑ دو کہ وہ لوگوں پر بار ہوں۔"

<u>وقف</u> | تبرعات ہی کی ایک قسم وقف بھی ہے، ابتک تعاون و تبرع کی جتنی صورتیں بیان ہو چکی ہیں وہ سب کی سب کسی نہ کسی شکل میں قبل اسلام بھی رائج تھیں لیکن وقف کا طریقہ بالکل نامعلوم تھا یہ شارع اسلام علیہ السلام کا مخصوص اجتہاد ہے جسکے اندر نظام معیشت و معاشرت کے ایسے مصالح پوشیدہ ہیں جو دیگر اقسام صدقات و تبرعات سے حاصل نہیں ہوسکتے۔ ایک شخص خواہ کتنا ہی بڑا خزانہ فقرا و مساکین کیلئے صدقہ کردے لیکن ظاہر ہے کہ ایک مدت مخصوص کے بعد وہ ضرور ختم ہو جائیگا اور ان فقراء کے بعد جو حاجتمند ہونگے وہ اس صدقۂ عامہ سے کوئی حصہ نہ پاسکیں گے پس صدقے کا کمال حصول اور رفاہِ خلق کی عمومیت کے لحاظ سے صدقہ کی اس شکل سے بہتر کوئی شکل نہیں ہوسکتی کہ کوئی مال یا جائداد غربا و مساکین اور دیگر حاجتمندوں کے حق میں اس طور پر بخش دیجائے کہ اصل ہمیشہ اپنی حالت پر باقی رہے اسمیں سے کچھ بھی خرچ نہ ہو اور محض اسکے منافع سے حاجتمندوں کی حاجت روائی ہوتی رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت نے ان الفاظ میں وقف کی اجازت مرحمت فرمائی تھی ۔

ان شئت حبست اصلها اگر تم چاہو تو (مال یا جائداد) کی اصل روک لو اور اس کا

وتصدقت بها (یعنے اس کے منافع کا صدقہ کردو۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے یونہی کیا اور اس جائداد کو اس شرط پر وقف کردیا کہ نہ تو وہ بیچی جاسکیگی نہ ہبہ کی جاسکیگی نہ اسمیں میراث جاری ہوگی، بلکہ محض اسکے منافع فقیروں (حاجتمند) قرابتداروں غلاموں مسافروں اور مہمانوں اور دیگر شرعی ضروریات پر خرچ کیے جائینگے۔ اسکا متولی اگر حسب دستور اسکی آمدنی میں سے خود بھی کچھ اپنے لئے لیا کرے تو اسکے لئے جائز ہے (رسالہ ترجمان القرآن جلد ۱۴ عدد ۴)

جابر بن عبداللہ صحابی سے مروی ہے، کہ ان کمبل پوشوں پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک کا پڑنا تھا کہ

فتمعر وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم (مسلم)

اور بس پڑ گیا چہرہ اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ معاً ان لوگوں کے اس حال کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندر زنانہ میں تشریف لے گئے (غالباً کوئی چیز نہ ملی) پھر باہر تشریف لائے اور حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوا کر ارشاد ہوا کہ مسلمانوں کو جمع کرو، لوگ جمع ہوئے، ان غریبوں کی امداد پر لوگوں کو آمادہ فرمایا گیا اور کافی امدادی سرمایہ جمع ہو گیا جو ان کے حوالے کر دیا گیا، حضرت جابرؓ ہی راوی ہیں کہ وہی چہرہ مبارک جو اب تک ان غریبوں کے دیکھنے کے بعد اداس پڑ گیا تھا۔

لوگوں کی معاشی پریشانی دور ہونے پر آپکی خوشی | پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کو دیکھا کہ سونے کی طرح دمک رہا ہے۔

فرأيت وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم يتهلل كانه مذهبة

چہرہ مبارک سونے کی طرح دمکنے لگا، کس وجہ سے دمکنے لگا؟ محض اس لئے کہ کچھ لوگ معاشی پریشانیوں میں مبتلا تھے ان کی یہ پریشانیاں اس تدبیر سے دور ہو گئیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انسانی زندگی کا یہ پہلو جس کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ مذہب میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے، نبی الانبیا خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے احساسات طیبہ اسی پہلو کے متعلق کتنے عمیق اور گہرے تھے۔

معاشی جد و جہد پر لوگوں کو آمادہ کرنا | اور یہ طریقہ کہ اس قسم کے لوگوں کی امداد د

سے کرائی جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ بعض خاص فوری ضرورتوں کے موقعوں پر کبھی کبھی یہ تدبیر بھی اختیار کی جاتی تھی' ورنہ اس احساس کے ساتھ ساتھ جس کا سراغ مذکورہ واقعہ میں ملتا ہے' سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری خصوصیت عموماً یہ تھی' کہ بجائے دوسروں کے خود صاحبِ ضرورت کو آپ آمادہ فرماتے' کہ اپنی دشواریوں کو وہ اپنی انہی توانائیوں کے ذریعہ سے حل کرے' جو قدرت نے آدمی میں اسی لئے پیدا فرمائی ہیں' حدیثوں میں اس مشہور واقعہ کا ذکر آتا ہے کہ ایک صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور جو کچھ امداد کے طالب ہوئے' وہی جو ابھی ایک جماعت کو کافی امداد دوسروں سے دلا چکا تھا' ایک شخصی ضرورت کے متعلق جو طرزِ عمل اختیار فرمایا جاتا ہے وہ سننے کے قابل ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہ خود اپنے پاس سے کچھ دینے کی کوشش کی اور نہ دوسروں سے دلوایا' بلکہ ضرورت مند صاحب کو فرماتے ہیں' تو یہ فرماتے ہیں کہ آخر تمہارے پاس آخر کوئی چیز بھی ہے؟ وہ بیچارے اتنے غریب اور نادار تھے' کہ جواب میں انہوں نے عرض کیا میرے پاس صرف ایک ٹاٹ ہے جس کے ایک حصے کو اوڑھتا ہوں اور دوسرے حصے کو بچھاتا ہوں اور اس کے سوا ایک پیالہ بھی ہے جس سے میں پانی پیتا ہوں' ظاہر ہے کہ افلاس اور ناداری کی یہ انتہا ہے لیکن جو معاشی قوتوں کو ابھارنے اور ان کی قیمت پیدا کرنے کے لئے بھی مبعوث ہوا تھا اللہ کے وہی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس جواب پر حکم دیتے ہیں' کہ جاؤ اس پیالہ اور ٹاٹ کو لے آؤ' جو دنیا کو اس کی آخری کتاب دینے آیا تھا' اگر ایک طرف اس کے ہاتھ میں وہی کتاب تھی تو اسی دستِ مبارک میں آنکھوں نے دیکھا کہ غریب حاجت مند کا ٹاٹ اور پیالہ ہے' اور ٹھیک جیسے ہراج (نیلام) کرنے والے پکارتے ہیں۔

غریب کیلئے سرمایہ فراہم کرنا

من یشتری هذین — ان دونوں کو کون مول لیتا ہے۔

کی صدا کانوں میں اسی دہن اطہر سے آرہی تھی جو قیامت تک پیدا ہونے والی نسل آدم کو بانّ لهم الجنة کی بشارت سنا رہا تھا' ایک صاحب نے کہا:۔

انا آخذهما بدرهم — میں لیتا ہوں ایک درہم میں'

نیلام کرنے والے صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حاضرین کو مخاطب کرکے

من یزید علیٰ درهم — ایک درہم پر اضافہ کون کرتا ہے'

کے نقرہ کے ساتھ قیمت کے اضافہ پر توجہ دلائی' بالآخر دو درہم پر بولی ختم ہوگئی' خریدار کو ٹاٹ اور پیالہ دے دیا گیا اور دو درہم جو قیمت میں وصول ہوئے تھے دونوں کو حاجت مند انصاری کے حوالے کرکے ارشاد ہوا۔

اشتر بأحدهما طعاما فانبذه الى اهلك واشتر بالآخر قدوما فأتني به' — مول لیا اس سے تو اناج' پھر اسے تو اپنے گھر والوں کے پاس ڈال دیجو' اور اس درہم سے ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ۔

حضرت انسؓ جو روایت کے راوی ہیں ان کا بیان ہے کہ حاجت مند انصاری نے یہی کیا اور کلہاڑی خرید کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی' سب دیکھ رہے تھے کہ جو بکھری ہوئی انسانیت کو خدا سے ملانے آیا تھا' وہی صلی اللہ علیہ وسلم'

شد عودا بیده — ٹھونکی ایک لکڑی اپنے دست مبارک سے

لکڑی ٹھونک کر کلہاڑی انصاری کے حوالے کی گئی اور اس کے بعد یہ حکم دیا گیا'

اذهب فاحتطب وبع ولا ارينك خمسة عشر یوما — جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کاٹ کر لاؤ اور بیچو' آج اور نہ دیکھوں گا میں ہرگز تمہیں پندرہ دن تک

(یعنی پندرہ دن تک ملاقات نہ کرنا)

وہ چلے گئے پندرہ دن بعد جب خدمت مبارک میں حاضر ہوتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ رہے ہیں کہ حضور ان پندرہ دنوں میں دس درہم آمدنی ہوئی جس میں سے تو چند درہم کے کپڑے خرید سے گئے اور چند درہم کا طعام (غلہ) مول لیا گیا، مفلس نے افلاس کا ازالہ جس کے مبارک چہرہ کو کندن کی طرح چمکا دیا تھا۔ انصاری کی یہ رپورٹ سن کر انہی کو مخاطب کرکے فرمانے لگے۔

هٰذا خير لك من ان تجيء المسألة نكتة في وجهك يوم القيامة	یہ بھلا ہے تمہارے لئے اس بات سے کہ تم آؤ اس حال میں قیامت کے دن کہ بھیک (سوال) داغ بنا ہوا ہو تمہارے چہرہ میں۔

(جمع الفوائد بحوالہ ابوداؤد و ترمذی)

اسوۂ حسنہ، معاشی جدوجہد کی بیداری | جن ذاتی بجیپیوں کے تحت حصول معاش کی سوئی ہوئی توتوں کو بیدار کرنے کا نمونہ اس اسوۂ حسنۂ نبویہ میں مل رہا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں اس کی کتنی اہمیت تھی، انصاری سے جو آخری فقرہ فرمایا گیا ہے اس میں کلی طور پر آپ نے گداگری کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے یہ اسلام کا ایک مستقل قانونی باب ہے جس کی پوری تفصیل آئندہ اوراق میں ملے گی۔

حاصل اس کا وہی ہے کہ حتی الوسع اسلام نہیں چاہتا ہے کہ جماعت کا کوئی فرد اپنی توانائیوں کو بے کار ضائع کرکے دوسروں کی اکتسابی توتوں سے بیجا نفع اٹھائے۔

معاشی جدوجہد کے لئے تہجد کی تسبیح | جس کا یہی مطلب ہے کہ اگر شب بیداری

سب پر فرض کردی جائیگی تو فضل اللہ کے ابتغا یعنی تلاش معاش کے فریضہ سے
لوگ محروم ہو جائیں گے اسلام نے نماز کے فریضہ کا اٹھا دینا گوارا کیا لیکن
اتش معاش کے فریضہ سے لوگوں کو روکنا پسند نہ کیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالی
نہ جو اسلامی نقطہ نظر کے سب سے بڑے عملی شارح ہیں، مختلف کتابوں میں آپ کا
واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ آپ مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ مجمع کو مخاطب کر کے
یک شخص کہہ رہا ہے،

"جہاد کی تیاری میں میری کوئی مدد کر سکتا ہے"

کون نہیں جانتا کہ جہاد کا شمار اسلامی شریعت کی ان ہی عبادتوں میں ہے جو خدا
کی طرف سے مسلمانوں پر فرض کی گئی ہیں، اسی اسلامی عبادت میں مشغول ہونے کے لئے
سائل مسلمانوں سے امداد طلب کر رہا تھا۔ لیکن سنتے ہو، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کیا
کرتے ہیں، راوی کا بیان ہے کہ آگے بڑھتے ہیں اور صدا لگانے والے کا ہاتھ پکڑتے ہیں
اور مجمع کو مخاطب کر کے صدا لگاتے ہیں۔

من یستاجر ہٰذا منی یعمل ارضہ — کون نوکر رکھتا ہے اس کو میری طرف سے
اپنی زمین میں کام کرنے کے لئے۔

ایک صاحب نے عرض کیا مجھے ضرورت ہے، فاروق رضی اللہ تعالی عنہ ماہوار تنخواہ
طے کرنے کے بعد جہادی امداد طلب کرنے والے کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں وہ
لیجاتے ہیں اور اپنے باغ اور کھیت کے کام میں لگا دیتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ
کے دماغ سے اس کا خیال نہیں نکلتا ہے۔ کچھ دن گزرنے کے بعد مسجد ہی میں دریافت
فرماتے ہیں، اس شخص کا کیا حال ہے، جن صاحب نے نوکر رکھا تھا انھوں نے جوا

دیا کہ حضور اب تو وہ بڑے مزے میں ہے۔ تنخواہ سے کافی سرمایہ اس نے جمع کر لیا ہے ارشاد ہوا کہ اس سرمایہ کے ساتھ جو اس نے اس عرصہ میں کمایا ہے، میرے پاس ذرا اسے بھیج دینا، ارشاد کی تعمیل کی گئی، گلے میں ایک بھاری تھیلی (بیگ) لٹکائے دیکھا جاتا ہے، کہ مسجد کا وہی سائل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آرہا ہے جب وہ حضرت کے پاس آگیا تو آپ نے اس کی بھری ہوئی بوجھل تھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

خذ هذه فان شئت فالان فاغز وان شئت فاجلس (کنز العمال)

پکڑو اس کو، پھر اب جی چاہے تو جہاد کر، یا جی چاہے تو (گھر) بیٹھو!

معاشی کاروبار میں مشغولیت پر اسلام کا کتنا زور ہے وہ اس کی اہمیت پر کس حد تک اصرار کرنا چاہتا ہے۔ اس کا اندازہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس مشہور حدیث سے بھی ہو سکتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ روایت فرماتی ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان قامت الساعة وفی احدکم فسیلة فان استطاع ان لا تقوم حتی یغرسها فلیغرسها۔ (کنز العمال بحوالہ حم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر قیامت قائم ہو جائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کوئی پودا ہو، اگر اس کے بس میں ہو کہ کھڑا نہ ہو جب تک کہ اس کو بو لے تو چاہیے کہ اس پودے کو بو دے۔

اور سچ تو یہ ہے کہ جلیل القدر حنفی امام علامہ ابوبکر جصاص کا اگر یہ استدلال صحیح ہے اور بظاہر اس کی صحت میں کوئی شبہ کرنے کی گنجائش نہیں۔ یعنی قرآن پاک کی آیت میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:۔

انشاءکم من الارض واستعمرکم اٹھا کر کھڑا کیا تمہیں زمین سے اور
فیہا :- آبادی کرائی تم سے اس زمین میں، (ھود ۱۲/۵)

جصاص رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت میں فرماتے ہیں .

وفیہ الدلالۃ علی وجوب العمارۃ یہ بتاتی ہے کہ زمین کا آباد کرنا کھیتی
للمزارعۃ والغراس والابنیۃ باغبانی اور تعمیر کے ذریعہ سے واجب
ہے . (ص۱۶۵ ج ۳)

جس کا یہی مطلب ہے کہ زمین کی عمارت (آبادی) خواہ بشکل الزراعۃ (کھیتی)
بشکل الغراس (باغبانی) یا بصورت الابنیۃ (تعمیرات) قرآن کی آیت مذکورۂ
بالا کی بنیاد علامہ جصاص حنفی کے نزدیک جائز یا سنت ہی نہیں واجب
اور فرض ہے۔ گو اس شغل کی حیثیت وہی ہے جو نماز و روزہ و حج و زکواۃ
کی ہے. بس نہیں سمجھتا کہ عربی زبان کے طرز خطاب سے جو واقف ہے وہ اس
استدلال میں کمزوری نکال سکتا ہے خصوصاً جب ہم اس زیاد.. وہ نہیں بلکہ تقریباً
مشہور و مستفیض روایتوں کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
وہ حدیثیں پہنچی ہیں جن میں آپ نے اس کاشتکاری اور باغبانی کو بہتر
جس سے کاشت کرنے والے یا باغ لگانے والے کے نفع کی بات بلکہ
اس میں بھی جس سے وہ نفع گیر نہ ہوا ہو اس کے متعلق بھی مختلف
پیرایوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اخروی ثواب کی بشارت سناتے
ہوئے فرماتے ہیں :-

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما من فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں ہے

مسلم یزرع زرعًا او یغرس غرسًا فیاکل منه طیر او انسان او بھیمة الا کانت له صدقة،

کوئی ایسا مسلمان جس نے کھیتی کی ہو یا درخت لگایا ہو، پھر اس (کھیتی یا درخت سے) پرندہ کھائے یا آدمی یا جانور مگر یہ کہ ہوگا اس کی طرف سے صدقہ،

(رواہ البخاری فی صحیحہ)

وجہ ظاہر ہے کہ اس کھیت یا باغ سے لگانے والوں کو اگر نفع نہ پہنچا، تو کیا ہوا، اس نے تو اپنا فرض ادا کیا، اور جس نے خدا کے عائد کئے ہوئے فرض کو ادا کیا، ثواب کا مستحق وہ نہ ہوگا، تو اور کون ہوگا، ماسوا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر بھی اشارہ فرمایا کہ کاشتکار اور باغبان نے خدا کی دی ہوتی قوتوں سے کام لے کر اس چیز کو جو معدوم تھی، وجود کے لباس میں جلوہ گر ہونے کا موقع دیا، اس سے اگر فرد کو نفع اٹھانے کا موقع نہ ملا، تو جماعت کی خدمت کا فرض تو ادا بجا لایا، اور جماعت ہی نہیں، خدا کی دوسری زندہ مخلوق مثلاً پرند یا بہیمہ (چوپائے) اگر اس سے مستفید ہوئے، تو قصداً نہ سہی ضمناً اپنے وجود اور اپنی توانائیوں کو اس نے مفید ثابت کیا، اور اسلام یہی چاہتا ہے کہ خدا کی عطا کی ہوئی قوتوں کو بے کار اور ضائع ہونے سے بچائے،

معاشی جدوجہد کا مقام عبادات میں:- مذہب اور دین کے متعلق آج جو غلط خیالات پھیلے ہوئے ہیں، ان کو سامنے رکھتے ہوئے کون یقین کر سکتا ہے کہ اسلام بھی باوجودیکہ ایک دین اور مذہب ہے لیکن جن مشاغل اور پیشوں کو عام طور پر دنیادی مشغلوں میں شمار کیا جاتا ہے، اسلام نے ان سب پر اُخروی اجر و ثواب کو مرتب کر کے ان کو وہی مقام عطا کر دیا ہے جو عام دینی فرائض و عبادات کا سمجھا جاتا ہے، **کہاں یہ نقطۂ نظر کہ جو جس حد تک دنیوی کاروبار سے الگ ہو کر زندگی بسر کرے گا، اسی حد تک خدا کے حضور میں بلندی حاصل کرے گا،** اور کہاں یہ عقیدہ کہ دنیا کے مشغلوں میں انہماک اور ان کے ساتھ اشتغال ہی کو خدا کی خوشنودی اور نزدیکی کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔

دنیا کی آبادی و خوشحالی، آخرت کی آبادی:۔ یقیناً یہ اسی دین کا پیغام ہے جس نے "استعمار ارض" یعنی زمین کی آبادی کو بھی ان فرائض میں داخل کر دیا ہے، جن کی بجا آوری پر مذاہب میں جنت کی آبادی کے وعدے کئے گئے ہیں، آخرت کو آباد کرنے کے لئے دنیا کو آباد کرو، بتایا جائے کہ اسلام کے سوا اس نظریہ کی دعوت کس نے دی ہے، اور کون دے رہا ہے۔

زینت اور افادہ معار زندگی کی بلندی:۔ سچ تو یہ ہے کہ جس قرآن نے

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا (الکھف ۱۵/۱) ہم نے زمین پر جو کچھ ہے، اوسے زمین کا سنگار بنایا ہے،

کا اعلان کر کے "ما علی الارض" (یعنی روئے زمین پر جو کچھ ہے) اس کو زمین کی آرائش اور اس کا بناؤ سنگار قرار دے رہا ہو، تو پھر زمین کی پیداواروں میں دخل یعنی آمدنی اور نفع ہی کا پہلو کیوں پیش نظر رکھا جائے خود اسی قرآن میں جب انسانی سواریوں تک میں یہ چاہا گیا ہے: کہ نفع کے ساتھ ساتھ اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ ان سے ایک قسم کی آرائش اور زینت ہوتی ہے، تو خدا نے جن چیزوں کو زینت کے لئے بھی پیدا کیا ہو اُن سے علاوہ مادی منافع کے زینت کا کام کیوں نہ لیا جائے۔

وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ، (النحل ۱۴/۱) تمہارے لئے ان (مویشیوں) میں جمال و حسن ہے، جب تم شام کرتے ہو اور صبح کرتے ہو،

کے چونکا دینے والے فقرہ سے قرآن انسانی فطرت کی جمالیاتی جستجو کو ایک "لذیذ یافت" اس سہانے نظر کی طرف متوجہ کر کے عطا کرتا ہے،

اسی طرح لباس کا ذکر کر کے ستر پوشی الحر والبرد (سردی و گرمی) سے حفاظت کے جو فوائد ہیں، ان کے ذکر کے ساتھ ساتھ حسن و زیبائی، سج دھج کے جو نتائج لباس سے حاصل ہوتے ہیں، ان پر بھی تنبیہ کرتے ہوئے سورۂ الاعراف میں فرمایا گیا،

يَا بَنِيْ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا (الاعراف ۳)

اے آدم کے بچو، ہم نے اتارا تم پر لباس چھپاتا ہے شرمگاہوں کو تمہاری اور وہ آرائش (بھی ہے)

سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا عام دستور تھا، کہ نیا جوڑا زیب تن فرماتے، تو اس وقت بے ساختہ زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہو جاتے،

الحمد للہ الذی کسانی ما اواری به عورتی واتجمل بها فی حیوٰتی

ستائش ہے اس اللہ کے لئے جس نے پہنائی مجھ وہ چیز جو چھپاتی ہے میری ستر عورت کو اور جمال حاصل کرتا ہوں میں اوس سے زندگی میں،

قبور تک میں جو دین آنکھوں کی خنکی تلاش کرتا ہو، جو آنکھوں کو بھلا معلوم ہو، ایسی قبر بنانے کی تعلیم دیتا ہو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کی اور چیزوں کے متعلق حسن کاری اور حسن پسندی میں اس کا پاکیزہ مذاق کتنا بلند اور ستھرا ہوگا۔

جو کچھ اب تک کہا جا چکا ہے، اس سے اگر ایک طرف حسن پسندی تو دوسری طرف حسن کاری کی حوصلہ افزائیوں پر کم روشنی نہیں پڑ رہی ہے، مگر آج جو اپنا سب کچھ کھو چکے ہیں، ان مسلمانوں تک اس آواز کو کون پہنچائے کہ تمہارے اسلاف کے فنون لطیفہ کا ایک بڑا شعبہ [۱] جس پر آج یورپ سر دھن رہا ہے، ان کی جمالیاتی دلکشیوں میں اس دینی تربیت کو بڑا دخل تھا، جو اس دین کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی امت کی کی تھی، اگر صحیح مسلم کی یہ مشہور روایت صحیح ہے،

ان اللہ کتب الاحسان علی کل شئ

قطعاً اللہ نے حسن کاری ہر چیز پر واجب کی ہے تو

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ فنون لطیفہ کی بعض ایسی شاخیں جن کے بڑھنے سے انسانیت کی خیر کشتی تھی ادا اسلام نے جن کی حفاظت کیلئے فنون لطیفہ کی ایسی شاخوں کا کاٹ دینا ضروری خیال کیا جن میں سب سے زیادہ اہمیت تصویر کشی کو ہے خرافاتی ظلمات کا وہ حیرت انگیز کارخانہ جس کا نام صنم پرستی و بت پرستی ہے جس کی بدولت ساری مخلوقات کے آقا انسان کو سارے جہان کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں ڈالنا پڑا، اور جس کی بدولت آج بھی دولت اور اپنی عزت و عصمت، بلکہ نسلی خصوصیتوں پر سینمائی اور عریانی تصویروں نے جو ڈاکہ ڈال رہی ہے، اسکا کون اندازہ کر سکتا ہے، آئندہ قانونی ابواب میں بھی اس کا [illegible]

فاذا ذبحتم فاحسن الذبح واذا — اسلئے چاہئے کہ تم جب ذبح بھی کرو تو اچھی طرح ذبح کرو اور

قتلتم فاحسن القتل، — جب تم قتل کرو تو اچھی طرح قتل کرو (یعنی سلیقہ کے ساتھ)

اور نہ صحیح ہونے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں، کہ مسلم کے سوا بھی صحاح کی اکثر کتابوں میں موجود ہے۔ تو اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ حسن وجمال کے قالب میں ڈھالے بغیر اسلام نہیں چاہتا کہ کسی مسلمان سے کوئی فعل بھی صادر ہو،

صنعت اور حسن کاری:۔ سب سے آخری کام جس میں حسن کاری کا آدمی خیال نہیں کر سکتا، وہ قتل اور ذبح کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، مگر جب ان افعال میں بھی پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہے، کہ حسن پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، تو ان صناعات اور کاریگروں میں جن میں عموماً آدمی کی فطرت تناسب وجمال کو چاہتی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کا نقطہ نظر کیا ہو سکتا ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہ فرمانے کے بعد کہ

ان اللّٰہ کتب الاحسان علی کل شیٔ — اللہ نے ہر چیز میں حسن کاری کو واجب کیا ہے،

کسی مزید گفتگو کی حاجت بھی نہیں رہتی، نیز حدیث کے اس حصہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حسن پسندی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ذاتی مذاق بھی نہ تھا، بلکہ ہر چیز میں حسن پیدا کرنے کو اسی نے بندوں پر واجب کیا ہے، اور اسی کو واجب بھی کرنا ہی چاہئے تھا، جس سراپا حسن وجمال کے متعلق ارباب مشاہدہ کا بیان ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے۔

ان اللّٰہ جمیل ویحب الجمال، — بلا شبہ اللہ تعالیٰ خود بھی جمیل ہیں اور جمال کو

(مسلم وغیرہ) — پسند فرماتے ہیں،

حسن کار صناع:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول اگر واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے،

ان العبد اذا عمل عملا — جب بندہ کوئی کام کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں

احب اللّٰہ ان یتقنہ — کہ اس میں اتقان پیدا کرے یعنی اس کو ٹھیک جیسا کہ

(کنز العمال) — چاہئے اسی طرح انجام دے۔

تو میں نہیں سمجھتا کہ مسلمان صناعوں اور کاریگروں میں جو لوگ بھی اپنے مصنوعات اور اپنی اپنی دستکاریوں میں اس لئے اتقان اور استواری، تناسب و موزونیت پیدا کرتے ہیں کہ ان کا خدا ان کے اس فعل کو محبوب رکھتا ہے تو حسن کاروں کے اس گروہ کو بھی محبت کے اس امتیاز سے کیسے محروم رکھا جا سکتا ہے۔

معاشی جدوجہد کی خاطر جماعت سے معافی ۔ ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کیا، کہ میرا پیشہ اور گذر بسر کا ذریعہ شکار ہے، جنگلوں اور بیابانوں میں رہنے کی وجہ سے عموماً نماز باجماعت کی سعادت سے میں محروم رہتا ہوں، میرے متعلق کیا حکم ہے، ترک جماعت کی سزا میں حضور پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے گھروں میں آگ لگوا دینے کی دھمکی دی تھی، اور ایک نابینا صحابی نے جب نابینائی کے عذر کو پیش کرتے ہوئے چاہا تھا، کہ جماعت کی حاضری سے مستثنیٰ کر دیئے جائیں، تو یہ دریافت کرنے کے بعد کہ اذان کی آواز تمہارے گھر تک پہنچتی ہے، جب انہوں نے اثبات میں جواب دیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلا اذا (یعنی تو ایسی صورت میں تم مستثنیٰ نہیں ہو سکتے) فرمایا تھا، آج ایک معاشی عذر کے پیش ہونے پر سننے کی بات ہے کہ خدا کا وہی رسول (صلوٰۃ ہو ان پر اور سلام ہو ان پر) کیا ارشاد فرماتے ہیں،

نِعْمَ العمل، قد كانت قبلي رسلٌ	بہت اچھا مشغلہ ہے مجھ سے پہلے جتنے پیغمبر گزرے
كلهم يصطاد ويطلب الصيد ويكفيك	سب کے سب شکار کرتے تھے، اور شکار کی تلاش میں نکلتے تھے۔
من الصلوة في جماعة اذا غبت	باقی جماعت کی نماز کے لئے تمہارے واسطے بس یہی کافی ہے کہ
عنها في طلب الرزق حبك للجماعة	روزی کی تلاش میں جب تم کو جماعت سے غیر حاضر ہونا پڑے تو
واهلها، وحبك ذكر الله واهله	جماعت کی محبت، جماعت والوں کی محبت، اللہ کے ذکر کی محبت،

لہ اور بعد کو بھی جن بزرگوں کو ملت اسلامیہ میں انبیائے بنی اسرائیل کا مقام حاصل ہوا مثلاً ولی الہند خواجہ بزرگ اجمیری قدس اللہ العزیز کے حالات میں پڑھئے اصطیاد کے ذوق کا ثبوت ملے گا، سیدی الامام شیخنا و شیخ الہند برد اللہ مضجعہ نے گذشتہ رسولوں کے اس عمل سے حصہ پایا تھا، اب یاد نہیں کہ براہ راست حضرت والا سے سنا تھا، یا بیچ میں کوئی واسطہ ہے کہ اپنے الاستاذ مولانا نانوتوی کے متعلق شیخ الہند فرماتے تھے کہ شکاری رزق کو اطیب الرزق اسلئے قرار دیتے تھے کہ درمیان میں کسی آدمی کا ہاتھ نہیں ہوتا، براہ راست خدا سے روزی حاصل ہوتی ہے ۱۲

واسع علی اھلک وعیالک حلالا — ذکر اللہ میں مشغول ہونے والوں کی محبت اور اپنے اہل و عیال کیلئے

فان ذلک جھاد فی سبیل اللہ، — حلال روزی کی خواہش، الغرض یہ سب چیزیں جماعت کی علم حاضری

کی قائم مقامی کرتی ہیں چاہیے کہ اپنے اہل و عیال کیلئے طلب حلال میں کوشش کرو کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد ہے ۱۲

ارشاد گرامی کا آخری حصہ یعنی،

واسع علی اھلک و عیالک حلالا — اور چاہیے کہ اپنے اہل و عیال کے لئے طلب حلال کی کوشش کرو

فان ذلک جھاد فی سبیل اللہ، — کہ یہ اللہ کی راہ میں جہاد ہے،

میرے نزدیک تو سورۂ مزمل ہی کی آیتوں سے بظاہر مستنبط ہوتا ہے۔

لمثل ھذا یذوب القلب من کمد ان کان فی القلب ایمان واسلام

اسلام نے معاشی مسائل سے دلچسپی کا حق ادا کیا ہے

اسلام اور کیا کرتا، اسلام کا رسول (صلوٰۃ اللہ علیہ) اور کیا کہتا، جو کچھ کہا جا سکتا تھا، اور جو کبھی کسی سے نہیں کہا گیا تھا، سب تو کہہ دیا گیا تھا، پھر اگر کسی قوم کو اسی پر اصرار ہو کہ جو کچھ کہا جائے گا، ہم نے طے کر لیا ہے کہ وہ نہ سنیں گے، پھر اس کا علاج کس کے پاس ہے، رسول کو تو رسول کے خدا نے بھی کہہ دیا تھا،

فذکر انما انت مذکر لست علیھم — تم چونکا دو، اب پر تم کو داروغہ نہیں بنایا گیا ہے

بمسیطر الا من تولی وکفر فیعذبہ اللہ — پھر جو پیٹھ پھیرے، اور انکار کرے گا، تو اللہ

العذاب الاکبر، — اس کو بڑا عذاب دے گا،

حکومتِ اسلامی اور معاشی نظام

از

ڈاکٹر قاضی عبدالحمید ایم اے پی ایچ ڈی

حکومتِ اسلامی اور معاشی نظام

صحیح معانی میں مساوات اور جمہوریت اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک جماعت کا نظام معاشی بھی عادلانہ اصولوں پر استوار نہ ہو۔ انقلاب فرانس نے اسلامی اثرات کے تحت سیاسی مساوات کے اصول تو پیش کئے لیکن ایک عادلانہ معاشی نظام کو پیش نہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اقوام آزاد تو ہوگئیں لیکن قومی زندگی میں مکمل آزادی کے باعث طبقوں کا وجود ہوگیا چند ہاتھوں میں دولت ضرورت سے زائد جمع ہوگئی۔ ایک طرف سرمایہ دار پیدا ہوگئے اور دوسری طرف قلاش مزدور جماعت میں اس تضاد کے باعث تفرقہ پیدا ہوگیا اور یورپ آج اسی سرمایہ اور مزدور کی جنگ میں مبتلا ہے۔

اسلام نے ایک ایسا نظام معاشی پیش کیا ہے جو عدل اور انصاف پر مبنی ہے ایک طرف تو وہ افراد کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ وہ اپنی احتیاجات کے لئے دولت کمائیں اور دوسری طرف اس نے ضرورت سے زیادہ دولت کے جمع ہونے پر حدود عائد کردیں وہ نہ تو کمیونزم کی طرح مکمل طور پر شخصی جائداد کو فنا کردینا چاہتا ہے اور نہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح لوگوں کو بغیر کسی قید کے دولت کمانے کی اجازت دیتا ہے اس کا نظام معاشی ایک درمیانی عادلانہ نظام ہے۔ اسلام کا بنیادی اصول ہے کہ خیر الامور اوسطہا یہی اصول اسلام کے معاشی نظام میں بھی کارفرما ہے۔

وہ دولت کمانے کی لوگوں کو ترغیب دیتا ہے کیونکہ دولت بھی ایک خیر ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ "جائز معیشت کے لئے جدوجہد اللہ کی عبادت کے بعد فرض ہے" اپنی احتیاجات کے لئے طلبِ رزق اسلام میں فرض ہے لیکن اس سے زیادہ کو اسلام اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔

یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو (تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دو کہ جو تمہاری احتیاجات سے زائد ہو) اسی اصول پر ہمارے رسولؐ اور خلفائے راشدین کا عمل تھا۔ رسول صلعم کا جب انتقال ہوا تو نہ آپ نے کوئی مال و متاع

چھوڑا اور نہ کوئی جائداد حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے اپنے دوران خلافت میں اپنی معمولی ضروریات سے زیادہ بیت المال سے کبھی کچھ نہ لیا اسلام نے اپنے تمام قوانین کے ذریعہ اس کا مکمل انتظام کیا کہ دولت چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو جائے بلکہ وہ دست بدست گھومتی رہے جس طرح پانی ایک جگہ جمع ہو کر گدلا ہو جاتا ہے اور انسانوں کی صحت کو خراب کر دیتا ہے اسی طرح دولت جب چند لوگوں میں جمع ہو جاتی ہے تو وہ جماعت کے لئے بحیثیت مجموعی تباہی کا باعث ہوتی ہے۔ سرمایہ داری اسلام میں قطعاً حرام ہے، اسلامی اصطلاح میں اس کو اکتناز اور احتکار کہا جاتا ہے، اکتناز کے معنی ہیں ضرورت سے زائد دولت کا جمع کرنا اور احتکار کے معنی ہیں صرف چند طبقوں میں ذخائر دولت کا جمع ہو جانا۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب (توبہ)

جو لوگ سونا، چاندی خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب دردناک کی بشارت دیدو۔

کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم (حشر)

فقراء، مساکین، قرابتداروں، یتیموں وغیرہ پر اللہ نے جو یہ خرچ کرنے کا طریقہ بتایا ہے اسلئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ مال و دولت صرف دولتمندوں میں محدود ہو جائے۔

اسلام غرض کہ آزاد قوم کی معاشی زندگی کو اخلاقی مقاصد کے تابع قرار دیتا ہے اور جماعت کے بحیثیت کلی فائدے کے معاشی معاملات میں ریاست کی مداخلت تسلیم کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بلال بن حارث سے زائد زمین واپس لے کر دوسرے مسلمانوں کو دیدی جس کی وہ خود کاشت نہ کر سکتے تھے۔ اسلام میں شروع سے زمین کو ریاست کی ملک تسلیم کیا گیا ہے "الارض للہ" تمام زمین اللہ کی ہے۔ اللہ کی نائب اس اس دنیا میں حکومت الٰہی ہے۔ اس لئے تمام زمین کی دراصل وہی مالک ہے اور یہ اس کا فرض ہے کہ وہ اس زمین کو جماعت کے فائدے کے لئے استعمال کرے۔ حضرت عمرؓ نے عراق کی تمام زمینوں کو حکومت کی ملک قرار دیا۔ اس مسئلہ کے لئے مدینہ میں ایک عظیم الشان مجلس منعقد ہوئی جس نے اس فیصلہ کی متفقہ تائید کی

حضرت علیؓ نے بھی تائید میں تقریر فرمائی۔ عہد خلیہ میں بھی زمین ہمیشہ ریاست کی ملکیت تسلیم کی گئی تھی اور ریاست کو اس کا ہر وقت حق تھا کہ وہ جاگیرداروں سے ان کی زمین واپس لے لے۔ چنانچہ بعض اوقات زمینیں واپس لے لی جاتی تھیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

ہندوستان کی زمین آج بھی بدستور سابق عراق کی اراضی کی طرح عامۃ المسلمین کے لئے وقف ہے یعنی بیت المال کی ملکیت ہے کسی شخص و فرد کی ملکیت نہیں، زمینداروں کو چودھری اور متولی ہونے سے زیادہ کوئی حق نہیں ہے

(فتاویٰ شاہ عبدالعزیزؒ)

مولانا محمد علی تھانوی لکھتے ہیں کہ:-

"اراضی ہند نہ عشری ہیں نہ خراجی بلکہ اراضی فوزہ ہیں یعنی بیت المال اور حکومت کی ملکیت ہیں شخصی ملکیت نہیں ہیں۔"

جس طرح زمین کے انتظامات میں اجتماعی مفاد کے لئے ریاست اسلامی کو مداخلت کا حق ہے اسی طرح تجارت و صنعت و حرفت کے فروغ میں بھی ریاست اسلامی اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھتی ہے۔ وہ کلی طور پر "ذاتی جدوجہد" کو اشتراکیت کی طرح ختم تو نہیں کرتی لیکن اس کا ہمیشہ خیال پیش نظر ہوتا ہے کہ افراد کے مفاد کے ساتھ جماعت کو بھی بحیثیت مجموعی زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچے۔ اس قسم کے ذخائر دولت جس میں افراد کو زیادہ محنت نہ کرنا پڑے اور جو مفاد عامہ کے لئے بہت ضروری ہوں ان کو اسلام انفرادی ملکیت تسلیم نہیں کرتا۔ مثلاً چراگاہوں پر کوئی حد بندی نہیں کی جا سکتی۔ تمام مسلمان پانی گھانس اور سوختہ میں برابر کے شریک ہیں۔

اسلام کے معاشی نظام میں غرض کہ انفرادی اور اجتماعی نظامہائے معیشت کی بہترین خوبیوں کو جمع کیا گیا ہے۔ ایک طرف فرد کو دولت کمانے کی ترغیب دلاتا ہے لیکن اس سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جماعت کو بحیثیت کلی فائدہ پہونچے۔ وہ سب کے لئے معیشت کے حق کو تسلیم کرتا ہے گو کہ وہ اخلاقی طریقہ سے

لوگوں کو اس پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ اپنی احتیاجات سے زائد کو جماعت کے فائدے کے لئے وقف کردیں۔ زکوٰۃ کے ذریعہ وہ امیروں پر ٹیکس بٹھاتا ہے تاکہ بیروزگاری کا خاتمہ ہو جائے۔ اسلامی ریاست میں کوئی بیروزگار نہیں ہو سکتا۔ اپاہجوں اور بیروزگاروں کی امداد بیت المال سے وظائف کے ذریعہ کی جاتی ہے غیر مسلم رعایا کو بھی اس بیت المال سے فائدہ اٹھانے کا اسی طرح حق ہے جس طرح کہ مسلموں کو چنانچہ غیر مسلموں کو بھی خلافت راشدہ میں بیت المال سے وظائف مقرر تھے۔

اسلامی معاشی نظام کا وسیع مطالعہ کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ اسلام میں قوم کی معاشی زندگی کی ذمہ داری ریاست پر عائد ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ ذخائر دولت سے متمتع ہونے کا اس طرح انتظام کرے کہ بحیثیت مجموعی جماعت خوش حال ہو جائے۔ وہ اس کا انتظام بعض وقات انفرادی ملکیت کو تسلیم کر کے بھی کر سکتی ہے۔ اور بعض اوقات اجتماعیت کے اصولوں کے مطابق بھی اس کا انتظام کر سکتی ہے کسی خاص زمانے میں کون طریقہ کار جماعت کے لئے سب سے زیادہ بہتر ہے۔ اس کے متعلق فیصلہ کرنے کا حق ریاست کے امیر اور اس کے ارباب حل وعقد کو ہے معیشت میں غرض کہ کوئی طریقہ کار کیوں نہ اختیار کیا جائے جس کا انحصار کسی خاص زمانے کے حالات اور اسباب پر موقوف ہے لیکن یہ بات صاف ہے کہ اسلامی معیشت کا مقصد بحیثیت مجموعی جماعت کی فلاح و بہبود ہے اور وہ اس کے لئے معاشی جدوجہد میں ہر وقت مداخلت کر سکتی ہے وہ ایک ایسی جماعت پیدا کرنا چاہتا ہے جس میں نہ غریب ہوں نہ ضرورت سے زیادہ امیر بلکہ متوسط اور خوشحال انسان ہوں جو انسانیت کی فلاح و بہبود میں مصروف ہوں۔

دنیا نے سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کے تجربے کئے اور اس میں سینکڑوں خامیاں پائیں۔ اب ضرورت ہے کہ ایک فطری نظام معاشی کا بھی تجربہ کیا جائے جسے اسلام پیش کرتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ آج کل کی تمام معاشی مشکلات کا بہترین حل کریگا۔

اسلامی معیشت و تجارت

از

(ڈاکٹر) مولانا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی
(نواب صدریار جنگ بہادر)

اسلامی معیشت وتجارت

کسبِ معاش:۔ اسلام نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہی کی نسبت تفصیل واہتمام کے ساتھ احکام نہیں دیئے ہیں بلکہ ذرائع معیشت وتجارت وحرفت کی نسبت بھی اپنے متبعین کو شرح وبسط کے ساتھ ہدایتیں دی ہیں

معاشی استبداد سے محفوظ کمائی:۔ ملاحظہ فرمائیے اسلام نے کسب حلال کی تاکید کس شدت کے ساتھ کی ہے۔ ارشاد نبوی ہوتا ہے (۱) طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ فرائض الٰہی کی بجا آوری کے بعد حلال روزی کا طلب کرنا فرض ہے غور کیجئے فرماتے ہیں کہ حلال کا طلب کرنا فرض ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ مستحب ہے یا سنت ہے یا واجب ہے بلکہ فرض قرار دیا ہے اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۲) دوسری حدیث میں ارشاد ہوتا ہے اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ الْكَسْبُ مِنَ الْحَلَالِ حلال طریقہ سے روزی کمانا یہ تمام اعمال میں افضل ہے یعنی سب سے بہتر عمل یہ ہے کہ انسان کسی جائز ذریعہ سے معاش حاصل کرے۔

(۳) اس سے بڑھا ہوا لفظ ملاحظہ ہو ارشاد ہوتا ہے طَلَبُ الْحَلَالِ جِهَادٌ حلال کا طلب کرنا جہاد ہے اس لئے کہ جس طرح جہاد میں قدم قدم پر مشکلیں ہیں اور انسان کو ایثار کرنا پڑتا ہے طلب حلال میں بھی مشکلات اور حرام کی آمدنی سے قطع نظر کرنا لازم ہوتا ہے۔

(۴) اس سے بھی زیادہ اہتمام وتاکید ان الفاظ سے پائی جاتی ہے جَاءَنِیْ جِبْرَئِيْلُ الْاَمِيْنُ مَرَّنِیْ بِهَاتَيْنِ الدَّعْوَتَيْنِ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ طَيِّبًا وَّاسْتَعْمِلْنِیْ صَالِحًا۔

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ جبریل کبھی میرے پاس نہیں آئے مگر ان دو دعاؤں کے پڑھنے کا حکم دیا۔ وہ دعائیں یہ ہیں کہ یا اللہ مجھے پاک رزق دے اور مجھ سے نیک کام کرا۔ یہ گویا امت کو تعلیم دینا ہے کہ ہر مسلمان ان دعاؤں کو پڑھا کرے ان پر کاربند رہے۔ پاک رزق اور نیک عمل یہ دو باتیں ہیں جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے۔ حکم کا لفظ بھی قابل غور ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے پاک رزق کے لئے کیسا اہتمام اسلام نے قائم کیا ہے۔

محنت کی اہمیت:۔ ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے طَلَبُ الْحَلَالِ مِثْلُ مُقَارِعَةِ الْاَبْطَالِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَمَنْ بَاتَ عَیًّا مِنْ طَلَبِ الْحَلَالِ بَاتَ وَاللّٰہُ عَنْہُ رَاضٍ حلال کا طلب کرنا ایسا ہے جیسے خدا کی راہ میں بہادروں سے لڑنا! اور جو شخص رات کو حلال روزی کی طلب میں تھک کر سو جائے تو وہ ایسی حالت میں سوتا ہے کہ خدا اس سے خوش ہے۔ دیکھئے طلب حلال کو راہ خدا میں لڑنے سے تشبیہ دی ہے اور لڑنا بھی کس سے معمولی لوگوں سے نہیں بہادر مردوں سے۔ او جب کوئی شخص تھک کر سوتا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ چور چور ہو گیا تو خدا اس سے راضی ہوتا ہے۔

تجارت کا شرف، حضورؐ تاجر تھے:۔ اسلام نے تجارت کو اصول صداقت پر چلانے کی نسبت خاص ہدایتیں دی ہیں اور تجارت کو یہ خاص شرف ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت فرمائی ہے۔ آپؐ مال تجارت لے کر شام گئے ہیں۔

تاجر کے متعلق حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ سچا تاجر جو امانت دار ہو انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہے۔ خیال فرمائیے کیا مراتب ہیں جو سچے اور امانت گذار کو بخشے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سچائی او امانت گذاری میں قدم قدم پر اسے مشکلات میں پھنسنا اور تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ہر ہر منزل نفس کا امتحان ہوتا ہے۔ لوگوں کی چیزوں کو حفاظت سے رکھنا اور سچ پر قائم رہنا دونوں نہا

مشکل ہیں۔ اس وجہ سے ایسے تاجر کو انبیاء و شہدا کے ساتھ رکھا گیا ہے۔

دوسری حدیث میں فرماتے ہیں اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ تَحْتَ ظِلِّ الْعَرْشِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ سچا تاجر قیامت کے دن عرش کے سایہ کے نیچے ہوگا۔

تیسری حدیث میں فرمایا جاتا ہے اَوَّلُ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ جنت میں سب سے پہلے سچا تاجر داخل ہوگا۔

دیکھئے سچی تجارت نے کیا کیا نعمتیں عطا کیں! انبیا اور شہدا کی معیت حاصل ہوئی عرش کے سایہ کے نیچے پہونچ گئے سب سے پہلے جنت میں داخل ہوئے اس سے بڑھ کر کسی انسان کی کیا خواہش ہوسکتی ہے میں نے اس کے قبل ایک تقریر میں بیان کیا تھا کہ اسلام نے مسلمانوں کے لئے دین و دنیا دونوں کو باہم جمع کردیا۔ یہ اُس کا مزید ثبوت ہے۔ سچائی کے ساتھ تجارت کیجئے! اس میں امانت گذاری کو ملحوظ رکھئے۔ تو دنیا میں بھی کامیاب ہے! اور آخرت میں یہ مدارج ہیں کہ عرش کے سایہ میں جگہ ملے گی انبیا کے ساتھ ہوں گے جنت میں سب سے پہلے جائیں گے! اور اگر اس طریقہ سے انحراف کیجئے تو پھر آپ جانیں اور آپ کی تجارت جانے۔

تاجر راحت زندگی ہیں :- ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے اُوْصِیْکُمْ بِالتُّجَّارِ خَیْرًا فَاِنَّھُمْ بُرُدُ الْاٰفَاقِ وَاُمَنَاءُ اللّٰہِ عَلَی الْاَرْضِ۔ میں تم کو تجارت کے معاملہ میں بھلائی کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ لوگ دنیا کی راحت ہیں اور اس سرزمین پر خدا کے امین ہیں۔

ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے مَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالًا اِسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْئَلَۃِ وَسَعْیًا عَلٰی اَھْلِہٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰی جَارِہٖ بَعَثَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَوَجْھُہٗ کَالْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَھَا حَلَالًا مُکَاثِرًا بِھَا مُفَاخِرًا لَقِیَ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ وَھُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانُ جو شخص دنیا کو حلال طریقہ پر طلب کرے اس غرض سے کہ سوال کی ذلت سے بچے اور بال بچوں کے لئے کوشاں ہو اپنے ہمسایہ پر مہربانی کرے تو خدائے تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اس طرح اٹھائے گا کہ اس کا

چہرہ چاند کی طرح ہوگا جو لیلۃ البدر میں چمکتا ہے اور جو شخص دنیا کو حلال طریقہ پر طلب کرے لیکن اس کی غرض یہ ہو کہ اس میں زیادتی پیدا کرے اور اس پر نازاں ہو تو وہ خدائے عزوجل سے اس حالت میں ملے گا کہ خدا اس پر غضبناک ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا غضب میں آنا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس سے بڑی اور کیا مصیبت ہو سکتی ہے۔ خدا ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

ذلتِ سوال اور عمل صدیق:۔ "سوال" کے لفظ پر مجھے ایک قصہ یاد آیا ہے وہ اس کاغذ میں نہیں ہے جو میں آپ کو پڑھ کر سُنا رہا ہوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنی خلافت کے زمانے میں اونٹ پر سوار کہیں تشریف لے جا رہے تھے راستے میں آپ کے ہاتھ سے کوڑا نیچے گر جاتا ہے آپ اونٹ کو ٹھیراتے ہیں اسے بٹھا کر خود نیچے تشریف لاتے ہیں۔ کوڑے کو اپنے ہاتھ سے اٹھاتے ہیں اور پھر اونٹ پر سوار ہو جاتے ہیں اس حرکت کو دیکھ کر آپ کے ہمراہی آپ سے دریافت کرتے ہیں۔ یا امیر المومنین کیا ہم یہ کوڑا اٹھا کر آپ کو نہیں دے سکتے تھے؟ آپ جواب دیتے ہیں بیشک تم مجھے دے سکتے تھے لیکن میرے محبوب (فداہ ابی و امی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سوال سے بچتے رہو جب میں اس کوڑے کو خود لے سکتا تھا تو تم سے سوال کرنے کی کیا ضرورت تھی! یہ تھا ان بزرگوں کا سوال سے پرہیز کرنا اور "مسئلہ" کی ذلت سے بچنا آج دیکھئے کہ سوال کے کیا کیا ڈھنگ تراشے گئے ہیں۔ اور کس کس عنوان سے مانگا جاتا ہے!

ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔ آخری زمانے کے متعلق بھی حدیث شریف میں پیشین گوئی وارد ہو چکی ہے اور مخبر صادق نے جو فرمایا ہے اپنی امت کو آگاہ کر دیا ہے کہ کوئی زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں حالت اس درجہ سقیم ہو جائیگی فرماتے ہیں۔ **قل ما یوجد فی آخر امتی درھم من حلال او اخ یوثق بہ۔**

میری امت کے آخری زمانے میں بہت کم ایسا ہوگا کہ حلال کا ایک درہم یا کوئی ایسا بھائی مل سکے جس پر بھروسہ کیا جائیگا۔ حلال کا ایک روپیہ، قابل اعتبار کوئی مسلمان مل جائے یہ بہت کم ہے۔ کیا یہ وہی

زمانہ تو نہیں ہے جس کی پیشین گوئی کی تھی؟

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے۔ ولا یعجبک امرؤ کسب مالا حراما فانہ ان انفق اوتصدق منہ لم تقبل منہ وان امسک لم یبارک لہ فیہ ان مات وترکہ کان زادہ الی النار۔

اگر کوئی ایسا شخص ہے جس نے حرام سے کوئی مال کمایا ہو تو اس پر خوش نہ ہونا چاہئے کیونکہ اگر وہ اس سے خیرات کریگا یا صدقہ دیگا تو وہ قبول نہ ہوگا۔ اگر جمع رکھے گا تو اس میں برکت نہ ہوگی۔ اور اگر مر جائیگا اور متروکہ ہو جائے تو آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ ناجائز طریقہ سے کمایا تو کیا مضائقہ صدقہ دیدیں گے تو پاک ہو جائے گا۔ صدقہ تو ایسے مال سے قبول نہیں کیا جا سکتا۔

ایک اور حدیث شریف میں استقلال کی تاکید کی جاتی ہے فرماتے ہیں مَنْ رُزِقَ مِنْ شَيْءٍ فَلْيَلْزَمْهُ

اگر کسی کو کسی تجارت میں نفع ہو تو اسے چاہئے کہ مضبوط پکڑ لے یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ دیر ہو رہی ہے لوگ گھبرائے جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھئے اتنا عرصہ گذر گیا ہمیں اس تجارت سے کوئی نفع نہ ہوا۔ اس کی نسبت ارشاد ہوا کہ استقلال کے ساتھ کرو۔

تجارت میں استقلال کے ساتھ مصروف رہنے کی جانب ایک اور حدیث میں توجہ دلائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

التاجر الجبان محروم والتاجر الجسور مرزوق۔ کم ہمت تاجر ناکام رہتا ہے اور مستقل مزاج کامیاب ہو جاتا ہے۔ روزی پاتا ہے۔

شرکت تجارت:۔ تجارت کی ایک صورت شرکت و مضاربت وغیرہ ہے ہمارے یہاں کا مقولہ ہے شرکت کی ہنڈیا گھوڑ پر پھوٹا کرتی ہے لیکن آج ساری دنیا میں بڑی بڑی تجارتیں شرکت کی صورت میں جاری ہیں مسلمانوں کو شرکت کے لئے کیا خوشخبری دی گئی ہے وہ ملاحظہ ہو فرماتے ہیں۔ اِنَّ اللہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ اَنَا ثَالِثُ

الشَّرِيْكَيْنِ مَا لَمْ يَخُنْ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ فَاِذَا خَانَهٗ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا۔

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں دو شریکوں کے درمیان تیسرا ہوں جب تک کہ کوئی ان میں سے اپنے ساتھی سے خیانت نہ کرے۔ مگر جب کوئی خیانت کرتا ہے تو میں ان دونوں کے درمیان سے نکل جاتا ہوں۔

فرمائیے جس کاروبار میں خود خدائے تعالیٰ شریک ہو اس کی کامیابی میں کوئی شک ہو سکتا ہے؟ کسقدر برکت والا ہوگا وہ معاملہ جس میں پروردگار عالم کی بھی شرکت ہو لیکن اس کے ساتھ دیانت کی بھی شرط ہے۔ اگر دیانت نہیں ہے تو نہ خدا کی شرکت ہے نہ اس میں کوئی برکت جب خدا درمیان سے نکل جاتا ہے شیطان آجاتا ہے

تجارت خارجہ:۔ اس کے بعد اس مشکل کا حل بتایا گیا ہے کہ اگر تجارت بالکل ہی نہ چل سکے تو کیا کیا جائے۔ فرماتے ہیں مَنْ تَعَذَّرَتْ عَلَيْهِ التِّجَارَةُ فَعَلَيْهِ بِعُمَانَ جس شخص پر تجارت کا میدان تنگ ہو جائے وہ عمان چلا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ دوسرے مقام پر دوسرے شہر میں جاکر تجارت کرے ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ مصر چلے جاؤ۔ پھر فرمایا اس کی مغربی جانب بڑھ جاؤ چنانچہ اس کے الفاظ ملاحظہ ہو

مَنْ اَعْيَتْهُ الْمَكَاسِبُ فَعَلَيْهِ بِمِصْرَ وَعَلَيْهِ بِالْجَانِبِ الْغَرْبِيِّ مِنْهَا۔

معاملہ، شیطان اور گناہ:۔

ایک اور ارشاد یہ ہوا ہے لَيْسَ مِنَّا مَنْ غَشَّنَا جس شخص نے خیانت کی وہ ہم میں نہیں ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ اِنَّ الشَّيْطَانَ وَالْاِثْمَ يَحْضُرَانِ الْبَيْعَ فَشُوْبُوْا بَيْعَكُمْ بِالصَّدَقَةِ اے گروہ تجار شیطان اور گناہ دونوں بیع پر حاضر ہوتے ہیں اسلئے تم اپنی خرید و فروخت کو صدقہ سے پاک کیا کرو

آداب تجارت:۔ اس کے بعد ملاحظہ ہوں آداب تجارت، غور فرمائیے اسلام کی طہارت پسندی نے معاملہ میں کس درجہ پاکبازی کو ملحوظ رکھا ہے ان ہدایات و آداب کو کوئی شخص ملحوظ رکھے اور پھر اس کو کامیابی نہ ہو یہ غیر ممکن ہے فرماتے ہیں اَطْيَبُ الْكَسْبِ كَسْبُ التُّجَّارِ الَّذِيْنَ اِذَا حَدَّثُوْا لَمْ يَكْذِبُوْا وَاِذَا ائْتُمِنُوْا لَمْ يَخُوْنُوْا وَاِذَا وَعَدُوْا لَمْ يُخْلِفُوْا وَاِذَا اشْتَرَوْا لَمْ يَذُمُّوْا وَاِذَا

يَأْمُرُوا لَمْ يُطْرُوا وَإِذَا كَانَ عَلَيْهِمْ لَمْ يَمْطُلُوا وَإِذَا كَانَ لَهُمْ لَمْ يُعَسِّرُوا

پاکیزہ ترین کمائی تاجروں کی کمائی ہے اور ان کی یہ شان ہے کہ جب گفتگو کرتے ہیں تو جھوٹ نہیں بولتے جب ان پر بھروسہ کیا جاتا ہے تو خیانت نہیں کرتے اور جب وعدہ کرتے ہیں تو اسے توڑتے نہیں اگر خریدتے ہیں تو اس چیز کی برائی نہیں کرتے اگر بیچتے ہیں تو اس کی تعریف کے پل نہیں باندھتے اگر ان پر کسی کا قرض ہوتا ہے تو طوالت نہیں دیتے اور اگر ان کا روپیہ کسی سے نکلتا ہے تو اس پر سختی نہیں کرتے۔

ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔ اَدْخَلَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ رَجُلًا كَانَ سَهْلًا مُشْتَرِيًا وَبَائِعًا قَاضِيًا وَمُقْتَضِيًا۔

خدائے تعالیٰ اس شخص کو جنت میں داخل کرے گا جو لینے معاملات میں خریدار یا بائع کی حیثیت سے سخت گیر نہ ہو، معاملات کو نرمی کے ساتھ جاری اور تصفیہ کرتا ہو۔

ایک حدیث میں پارچہ کی تجارت کی تعریف اور غلّہ کی مذمت وارد ہوئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

عَلَيْكَ بِالْبَزِّ فَإِنَّ صَاحِبَ الْبَزِّ يُعْجِبُهُ اَنْ يَكُونَ النَّاسُ بِخَيْرٍ وَفِيْ خِصْبٍ

کپڑے کی تجارت کرو کیونکہ کپڑے کے تاجر کو یہ بھلا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ خوش حال و رفاہ البالی میں رہیں تاکہ اچھا لباس پہن سکیں۔

قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب تصویر کھینچنے والوں پر ہوگا۔ ان سے کہا جائے گا کہ جس چیز کو تم نے پیدا کیا ہے اس میں جان ڈالو مگر انسان کی کیا طاقت ہے کہ بے جان تصویروں کو زندہ کر دے لہٰذا اس پر عذاب کیا جائے گا۔

حرفہ یعنی دستکاری کی تعریف میں بھی حدیث وارد ہے آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُحْتَرِفَ۔

اللہ تعالیٰ اس بندہ کو دوست رکھتا ہے جو صاحب حرفت ہو۔

اسی طرح کاشت کاری کی تعریف فرمائی گئی ہے جس کے متعلق ارشاد ہے۔ اَحْرِثُوْا فَاِنَّ الْحَرْثَ مُبَارَکٌ۔

زراعت کرو کیونکہ زراعت باعث برکت ہے۔

سلائی اور چرخہ کی بھی تعریف احادیث میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ عَمَلُ الْاَبْرَارِ مِنَ الرِّجَالِ الْخِیَاطَۃُ۔ وَعَمَلُ الْاَبْرَارِ مِنَ النِّسَاءِ الْمِغْزَلُ۔

مردوں میں سے نیک مردوں کا کام خیاطہ یعنی سلائی ہے! اور عورتوں میں نیک عورتوں کا کام چرخہ کاتنا ہے۔

تجارت صحابہ کی روایات:۔ یہاں تک تو وہ احادیث تھیں جو خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں لیکن باب التجارت میں بہت سی اور حدیثیں صحابہ کرام سے بھی مروی ہیں چنانچہ چند حدیثیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہیں آپ کو سناتا ہوں۔

قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَوْلَا هٰذِهِ الْبُیُوْعُ صِرْتُمْ عَالَةً عَلَی النَّاسِ۔

عمر بن الخطاب نے فرمایا کہ اگر یہ بیع و شری نہ ہو تو تم لوگوں پر بار ہو جاؤ گے۔

کیا مطلب! انسان کی تمام ضرورتیں بیع و شراء سے متعلق ہیں۔ جب تک ضرورت کی تمام چیزیں بیع و شرا میں نہ آتی رہیں انسان کی ضرورتیں کیونکر پوری ہو سکتی ہیں؟ پھر فرماتے ہیں۔

مُکْتَسَبَۃٌ فِیْهَا بَعْضُ الدَّنَاءَۃِ خَیْرٌ مِّنْ مَسْئَلَۃِ النَّاسِ۔

وہ کسب کہ جس میں تھوڑی سی دناءت بھی ہو لوگوں سے مانگنے سے بہتر ہے۔

اسلام اور معیارِ زندگی

از

مولینا الیاس برنی ام۔ اے ایل ایل۔ بی (علیگ
ناظم دار الترجمہ و سابق صدر شعبۂ معاشیات (جامعۂ عثمانیہ

اسلام اور معیارِ زندگیؒ

کسی فرد یا خاندان یا قوم کو جو ضروریات لاحق ہوتی ہیں وہ مجموعی طور پر معیارِ زندگی کہلاتی ہیں اگر ضروریات قلیل اور ادنیٰ ہیں تو گویا معیارِ زندگی پست ہے۔ اور اگر کثیر اور اعلیٰ ہیں تو گویا معیارِ زندگی بلند ہے ضروریاتِ زندگی کثیر ہوں اور اعلیٰ ہوں معاشی ترقی اسی کا نام ہے۔ تہذیبِ جدید کا یہی خاص پیام ہے۔

اسلام اور دنیوی زندگی کا معیارؑ۔ قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ معیارِ زندگی کا صحیح اصول کیا ہے اس میں دو گروہ افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے ایک گروہ نے دنیا ہی کو سب کچھ سمجھا اور اس کے حصول میں ہمتن مصروف ہو گیا کہ ایمان و اخلاق دین و عقبیٰ سب فراموش ہو گئے۔ گویا یہ گروہ دنیا میں غرق ہو گیا دوسرے گروہ نے دنیا کو سراسر ہیچ سمجھا اور اس سے حتی الوسع احتراز کیا کہ جوگی اور رہبانیت تک نوبت پہنچ گئی اس گروہ نے ایمان و اخلاق کی ترقی اور دین و عقبیٰ کی فلاح کے واسطے ترکِ دنیا کو مفید مطلب بلکہ لازم قرار دیا۔ گویا یہ گروہ دُنیا سے کنارہ کش رہا۔

معیارِ زندگی اور اصول اسلام۔ تیسرے گروہ نے معیارِ زندگی کے متعلق ایک اصولی مسلک پیش کیا اس نے علمِ صحیح اور عملِ صالح پر زور دیا اور حصول دنیا کی کمی و بیشی کو لوگوں کے حوصلہ پر چھوڑ دیا گویا خوبی اور خرابی کا معیار علم و عمل قرار پایا دنیا کی قلت و کثرت سے اس کا کوئی لازمی تعلق نہیں رہا۔ ؎

چیست دُنیا از خدا غافل بُودن　　　نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

چونکہ علم و عمل کا ظہور دنیاوی تعلقات میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس گروہ نے تحصیل دُنیا کو

لہ ماخوذ از خطبۂ صدارت شعبۂ معاشیات و معاشرت (گولڈن جوبلی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس)

ترکِ دنیا پر ترجیح دی کہ علم و عمل کا کمال ظاہر ہو چنانچہ انسانیت کے بہترین نمونے نبی اور رسول مانے جاتے ہیں
ان میں بادشاہ بھی ہوئے وزیر بھی ہوئے سپہ سالار بھی ہوئے دُنیا دار بھی ہوئے یعنی ان کے بیوی بچے تھے
گھر بار تھے کاروبار تھے۔

اگر دُنیا کو ایک دریا مانا جائے تو ان تینوں کی ایسی مثال ہے کہ ایک دریا میں کودا۔ مگر تیراک نہ تھا
ہاتھ پیر مار کر ڈوب گیا دوسرا دریا کے کنارے بیٹھا رہا۔ ڈوبنے کے خوف سے دریا میں نہ اترا تیسرے نے تیراکی کا
فن سیکھا اور دریا میں اتر کر خوب کمال دکھایا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ پانی انسان کو لازماً ڈبوتا ہے۔ لیکن
فی الحقیقت انسان عدمِ توازن سے ڈوبتا ہے! اگر اس کا توازن صحیح قائم ہو جائے تو خود پانی میں ایک سنبھالنے کی
طاقت پوشیدہ ہے۔ توازنِ صحیح کے ساتھ جب اس سنبھالنے کا ربط قائم ہو جاتا ہے تو پھر ڈوبنا اتنا ہی دُشوار
ہو جاتا ہے جتنا کہ تیرنا دُشوار معلوم ہوتا ہے! اسلام کی تعلیم یہی ربط سکھاتی ہے الوہیت اور رسالت جن کا
خُلاصہ کلمۂ توحید ہے۔ جب علم و عمل میں ان کا توازن قائم ہو جائے تو اس حالت کو عبدیت کہتے ہیں۔
گویا عبد دُنیا کا تیراک ہے! اور تیرتے وقت اس کو جو دنیا میں باطنی سنبھال محسوس اور منکشف ہوتی ہے
وہ اصطلاحاً ربوبیت کہلاتی ہے جو رب کی طرف سے آتی ہے اسلام کی تعلیم کا منشا یہی ہے کہ عبد مومن کے
علم و عمل میں الوہیت اور رسالت کا صحیح توازن پیدا کرے رب کی ربوبیت سے اس کا ربط منکشف کر دے
کہ پھر وہ بے تکلف دُنیا میں تیرے (احتیاجات اور دولت) بڑھائے خوب غوطے لگائے۔ معیارِ زندگی
بلند سے بلند تر کرے اور صحیح و سالم ساحلِ مُراد تک پہنچ جائے۔ یہی مُراد ہے اس قرآنی دعا سے۔

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً۔

اے ہمارے رب دنیا و آخرت (دونوں میں) خوبی اور بھلائی عطا فرما۔ (مؤلف)

بیتُ المال

از

مولینا عبدُاللہ العمادی

بیتُ المال

حاجت مندوں کی ضرورتوں کو رفع کرنے اور ایک منظم شکل میں اس کام کو چلانے پر مسلمانوں کی جماعت کے قیام کا انحصار تھا اور کوئی ایسی صُورت نہ تھی کہ بغیر اس ضابطے کے اسلامی شائستگی دُنیا میں سنبھلی رہ سکے۔ اس لئے وحیِ الٰہی نے اس کی ادامت فرض قرار دی۔ اور قرآنِ حکیم کی تعلیمات نے اس اتنا زور دیا کہ اس فرض کو نہایت ہی عظیم اہمیت حاصل ہوگئی، اور اس کے لئے ذیل کے احکام مقرر ہوئے۔

۱۔ اللہ کی راہ میں جو کچھ دیا جائے اس کا شرعی نام صدقہ ہے۔ صدقہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک وہ جو ہر شخص اپنی خواہش اور حیثیت اور معاشی حالت کے مطابق دیتا ہو، اس میں مقدار کی کوئی قید نہیں، جتنا جس کے جی میں آئے خیرات کرے۔ دوسرے وہ جس میں تمام مالدار مسلمان محکوم ہیں کہ اپنی ملت کے فائدے کے لئے سالانہ ایک خاص مقدار میں ٹیکس ادا کرتے رہیں۔ اس ٹیکس کا نام زکوٰۃ وصدقہ ہے، اور اس پر عمل درآمد اس کا ترکِ کُفر و اسلام کا معیار قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ ہر آسودہ حال مسلمان پر زکوٰۃ فرض ہے اور جب تک یہ فرض ادا نہ ہو اس کی تمام عبادتیں اور نیکیاں بے سُود ہیں۔ شریعت نے آسودگی کا نصاب بھی متعین کر دیا ہے۔

۳۔ زکوٰۃ دینے سے مال کا بقیہ حصہ پاک ہو جاتا ہے اور اگر نہ دی جائے تو وہ مال ناپاک محض ہے

۴۔ خیرات و زکوٰۃ میں دولت کا صرف گویا اللہ کو قرض دینا ہے۔ اس کی وجہ سے لسان کی بخشائیش ہوتی ہے۔

۵۔ جو اس سے انحراف کرے وہ گُمراہ ہے۔

آغازِ بیتُ المال:۔ ان احکام کی بناء پر زکوٰۃ کے لئے ایک خاص نظام تجویز ہوا اور اس کو ایک مخصوص ادارے سے متعلق کیا گیا۔ اور اس ادارے کا نام "بیت المال" تھا۔ اور اس کا باقاعدہ افتتاح تقریباً ۱۵ھ ہجری میں ہوا۔ بیتُ المال کی بعض خصوصیتیں جن کو ہمارے موضوع بیان سے تعلق ہے یہ تھیں۔

۱۔ بیت المال کا مرکزی ادارہ مدینہ مُبارکہ میں تھا۔ لیکن اس کی شاخیں ممالک مفتوحہ و محروسہ کے ہر ناحیہ اور ہر صدر مقام میں قائم تھیں۔ مسلمانوں کی ہر قسم کی ملّی و دینی ضروریات کی کفالت اسی ادارہ سے متعلق تھی۔ مستحقین کے وظائف تھے۔ اشاعتِ اسلام کا مادّی و اخلاقی دونوں طریقوں سے نہایت وسیع پیمانے پر انتظام تھا۔ اسلامی تہذیب کو قرآن کریم کے معیار پر رکھنے، جائز وسائل سے اس کی اشاعت کرنے اور دنیا کو زیرِ سایہ لانے کا بندوبست تھا۔ رفاہِ عام کے تمام کام اسی محکمہ سے انجام پاتے تھے۔ تعلیم بڑی اولوالعزمی کے ساتھ عام طور پر دی جاتی تھی۔ مرد عورت سب اس سے حکماً مستفید ہوتے تھے۔ ۲۔ الیٰ غیر ذالک۔ صوبوں اور ضلعوں میں جس قدر بیت المال کی شاخیں تھیں۔ ان کا یہ انتظام تھا کہ ان تمام مصارف کے لئے جس قدر مال مقامی ضروریات کے لئے درکار ہوتا رکھ لیا جاتا اور باقی مرکزی ادارے کو بھیج دیا جاتا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصر کے والی عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو فرمان لکھا تھا اس میں یہ صاف تصریح موجود ہے (کنز العمال، ج ۳، صفحہ ۱۶۳)

۳۔ تعلیمی آسانیوں کے لئے بیت المال سے مناسب وسائل فراہم تھے۔ اسلام سے قبل عام تعلیم کا سرے سے رواج ہی نہ تھا اور اگر برائے نام کہیں کچھ تھا بھی تو بہت محدود۔ کسی ذی علم کو شوق ہوا۔ اور وقت بھی ملا تو اس نے چند شاگردوں کو پڑھا دیا۔ لیکن چونکہ اس کے لئے کسی معاوضہ کا دستور نہ تھا اس لئے اس ایثارِ نفس کا بہت کم موقع ملتا تھا۔ اسلام کے زیرِ سایہ جب عام تعلیم کا بندوبست ہوا تو ساتھ ہی اساتذہ اور افسرانِ تعلیم بھی مقرر ہوئے جن کو بیت المال سے عطائیں ملتی تھیں (سیرۃ العمرین لابن الجوزی)

۳۔ اسلامی تہذیب و تمدن اور آداب و اخلاق کی بنیاد صرف قرآن حکیم پر تھی اس لئے اس کی تعلیم لازمی و جبری کر دی گئی تھی۔ چند تعلیمی افسر مقرر تھے جن کا یہ کام تھا کہ قبائل میں پھر کے ہر شخص کا امتحان لیں اور جو قرآن کریم کی تعلیم سے بے بہرہ ہو اس کو سزا دیں (کتاب الاغانی، ج ۱۶، ص ۵۸)

۴۔ بیت المال کی آمدنی سے جا بجا مکتب اور مدرسے قائم تھے جن میں لکھنے پڑھنے کے ساتھ شہسواری کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ ابو عامر سلیم کی روایت میں مدینۂ مبارکہ مکتب کا تذکرہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے کی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا (معجم البلدان، مادۂ حاضر)

۵۔ عمال کو حکم تھا کہ جو لوگ قرآن حکیم کا درس لیں ان کے لئے بیت المال سے عطا مقرر کر دی جائے۔ کنز العمال، ج ۱، ص ۲۱۷)

۶۔ زبان کی تعلیم کا بڑا اہتمام تھا۔ ادب عربیت اور فرائض کی تعلیم بھی لازمی تھی اور ان کے مصارف بیت المال کے ذمہ تھے۔ حکم تھا کہ جو کوئی لغت کا عالم نہ ہو قرآن کریم کی تعلیم نہ دینے پائے (کنز العمال، ج ۱، ص ۲۲۸)

۷۔ ممالک محروسہ میں جا بجا بڑے بڑے اکابر مامور تھے کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیا کریں کوفہ میں عبداللہ بن مسعود، بصرہ میں معقل بن یسار و عبداللہ بن مغفل و عمران بن حصین، شام میں عبادہ بن صامت و ابو درداء رضی اللہ عنہم حدیث کی تعلیم و روایت کے لئے متعین تھے۔ اور تاکید تھی کہ عوام اس فن میں ان بزرگوں کے علاوہ کسی سے رجوع نہ کرنے پائیں (اسد الغابہ، ترجمہ عبداللہ بن مغفلؓ)

۸۔ چونکہ فقہ پر معاملات و عبادت کی صحت کا مدار ہے اس لئے ہر شہر میں متعدد فقہاء اس فن کی تعلیم کے لئے متعین تھے۔ بصرہ میں دس اہل کمال اس فن کی باقاعدہ تعلیم دیتے تھے۔ شام میں عبدالرحمٰن بن غنم و معاذ بن جبل و ابو درداء رضی اللہ عنہم اس کی تعلیم کے ذمہ دار تھے۔ مصر میں حیان بن ابی جبلہ رئیس التعلیم تھے۔ تمام علاقوں میں یہی انتظام تھا۔ وقت کی ضرورت کے مطابق بڑے بڑے ماہران فن افسر تعلیم مقرر تھے۔ ان کے تمام مصارف بیت المال سے ادا کئے جاتے تھے۔

ان انتظامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں تعلیم عام ہو گئی۔ ہر شہر میں کئی کئی ہزار طالب العلم ایک ایک حلقہ درس میں زیر تعلیم رہا کرتے۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ نماز فجر کے بعد ابو درداء رضی اللہ عنہ جب حلقۂ درس میں بیٹھتے تھے تو قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے والوں کا ان کے گرد ہجوم ہوتا تھا۔ ابو درداء نے دس دس طلبہ کی جماعتیں مقرر کر دی تھیں، ہر جماعت کا ایک خاص معلم ہوتا تھا۔ خود ٹہلتے جاتے اور سب کی نگرانی کرتے۔ جب کوئی طالب علم پورے قرآن کی تعلیم و تجوید سے فارغ ہو چکتا تو وہ خاص ان کے حلقہ درس میں شریک ہوتا۔ ایک دفعہ شمار ہوا تو خاص ان کے حلقۂ درس میں بیٹھنے والوں کی تعداد ایک ہزار چھ سو تھی۔ اور ان کے علاوہ بارہ ہزار چار سو طلبہ ان کے زیر نگرانی علوم قرآن کی تعلیم پا رہے تھے۔

عام تعلیم کی یہ کیفیت تھی کہ آٹھ آٹھ برس کے لڑکے قرآن کریم حفظ کر لینے کے ساتھ تفسیر سے بھی مناسبت پیدا کر لیتے تھے۔ گیارہ برس کی عمر میں نحو، ادب، بلاغت، فقہ، حدیث اور علم کلام کی تکمیل ہو جاتی تھی (کتاب الامامۃ والسیاسۃ ج ۲ ص ۱۶۸) یعنی اس زمانہ میں جتنے علوم مروج تھے بیت المال سے ان سب کی تعلیم کا انتظام تھا۔ اور بہت ہی کم مدت میں طالب علم فارغ التحصیل ہو جاتے تھے۔ ہر فن کی منتخب کتابیں بہت مختصر تعداد میں پڑھائی جاتی تھیں، نصاب تعلیم کی تنقیح پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا جاتا تھا۔ کتابوں کی تبدیلی میں یہ رعایت ملحوظ ہوتی تھی کہ سال بہ سال جس فن میں ترقیاں ہوتی رہیں نصاب تعلیم ان سب پر حاوی ہو۔ اور اس کے لئے ایسے لوگ مامور تھے جو اکثر اوقات یک فنی ہوتے۔

ان تفصیلات سے اہل نظر اندازہ کر سکتے ہیں کہ ابتدائی صدیوں میں اسلامی تمدن کو کن وسائل سے ترقی نصیب ہوئی وہ کون سی طاقت تھی جس نے مسلمانوں کو دنیا کی ثروت و شائستگی کے وارث بننے میں مدد دی تھی۔ امام مالک کے قول اَلعِلمُ وَالدِّینُ تَوأَمَانِ کا کیا فلسفہ تھا اور دنیا پر اس سے کیا اثر پڑا۔ اور بیت المال کا اس میں کیا حصہ تھا

مگرش چشم سیاہ تو شد کار آموز ورنہ مستوری و مستی ہمہ کس نتوانند

اسلامی اصلاح اقتصادی پامالی

از

مولینا سید سلیمان ندوی

اسلامی اصلاح اقتصادی پامالی

اسلام نے اقتصادی امور میں جو اصلاحیں کی ہیں امراء اور اہلِ ثروت کو جس معتدل حالت پر رکھا ہے فقراء اور اہلِ افلاس کی امداد و اعانت کی جو صورتیں پیدا کی ہیں، ان کو پڑھکر یہ فیصلہ کرنا نہایت آسان ہوگا کہ دُنیا میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے تمدن کی تمام مشکلوں کو اس نکتہ سنجی کے ساتھ حل کر دیا ہے کہ جدید تمدن بھی باوجود اپنی انتہائی وُسعت کے نوعِ انسان کے لئے کوئی جدید اور مفید اور کامل تجویز پیش نہ کر سکا۔

عقلائے یورپ نے مصائبِ اقتصادی سے رہائی پانے کے لئے سب سے ضروری تجویزیں یہ پیش کی ہیں۔

(۱) اہلِ حاجت کی امداد کے لئے لوگوں کی آمدنی پر ٹیکس لگایا جائے اور اُن کے لئے فنڈ مقرر کیا جائے۔

(۲) سود سے بچنے کے لئے قرض دینے والی انجمنیں قائم کی جائیں۔

(۳) گورنمنٹ کا فرض ہے کہ فقرا اور اہلِ حاجت کی خبر گیری کرے، بازار کا نرخ مقرر کرے۔

یہ تمام تجویزیں جن کو یورپ ایک مدت کے تجربہ کے بعد سمجھا ہے، لیکن جن پر عمل نہ کر سکا، اسلام ان کو اپنے ابتدائے پیدائش ہی میں سمجھ چکا تھا، اور مدت دراز سے وہ ان پر عامل ہے۔

اسلام میں مال کا رتبہ:۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ دولت و مال کا کیا رُتبہ ہے؟ اسلام کے سوا اکثر مذاہب نے اس نکتہ کے سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ عیسائیت کا حکم ہے کہ اہلِ دولت آسمان کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ یہودیت نے ایک حد تک دولت کی قدر کی ہے، مگر ان کی دولت کے ثمرات و فوائد صرف فقرائے بنی اسرائیل تک محدود ہیں۔ بودھ مذہب پیشوایانِ مذہب تک کو گداگر اور سائل بننے کی اجازت دیتا ہے

لیکن اسلام نے دولت کو معیشتِ انسانی کا ستون قرار دیا ہے۔

لا تؤتوا السفھاء اموالکم التی | تم اپنا وہ مال بیوقوفوں کو نہ دیدو جس کو
جعل اللہ لکم قیاما (نساء) | خدا نے تمہاری معیشت کا قوام بنایا ہے۔

قرآن مجید نے مال کو جو پایہ بخشا ہے، اس کا اندازہ اس سے ہو گا کہ اُس نے مال کو پچیس جگہ "فضل" کہا ہے، اکیس مقام پر لفظ "خیر" کے ساتھ تعبیر کیا ہے، بارہ مرتبہ "حسنہ" اور "رحمۃ" کے لفظ سے یاد کیا ہے (۱) اسلام کے فرائض خمسہ میں سے دو فرض کے ادا کرنے کا شرف صرف اہل ثروت کو ہوا ہے۔

مال عام قوم کا حق ہے ۔ مساوات مالی کی بحث میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ وہ تمام قوم یا تمام ملک میں مال و دولت کی مساوات عقلاً اور عملاً محال ہے، لیکن اس سے چارہ نہیں ہو سکتا کہ ملک و قوم کی تمام دولت اگرچہ ملکیت کی حیثیت سے افراد کے تصرف میں ہو، لیکن اُس کی بقا اور ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ تمام دولت قوم اور ملک کی مجموعی دولت قرار دی جائے تاکہ ہر فرد کو لحاظ رہے کہ دوسرے فرد کی دولت برباد اور تلف نہ ہو جائے۔ اور قوم و مُلک کی مجموعی دولت رُو بزوال نہ ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی دولت آپ ہی ضائع کر رہا ہو تو بھی قوم و ملک کو اس کی اصلاح و بقا کے لئے دخل دینا جائز ہو۔ قرآن مجید نے اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے۔

ولا تؤتوا السفھاء اموالکم (نساء) | بیوقوفوں کو اپنا مال نہ دیدو۔

اس آیۃ میں بیوقوفوں سے مُراد نابالغ یا ناسمجھ یتیم لڑکے مُراد ہیں، اور اُن کے سرپرستوں کی طرف خطاب کیا گیا ہے۔ یہ مال خود یتیموں کا ہے جو امانتاً اُن کے سرپرستوں کے پاس جمع ہے۔ خود سرپرستوں کا نہیں ہے۔ اس بناء پر چاہیئے تھا کہ آیۃ یوں ہوتی "بیوقوفوں کو اُن کی دولت نہ دیدو" لیکن یتیموں کی شخصی دولت عام سرپرستوں کی اس لئے قرار دی گئی تاکہ شخصی دولت کو قوم و ملک کا حق قرار دیا جائے۔ اس سے زیادہ صاف یہ آیۃ ہے:

یا ایھا الذین آمنوا لا تاکلوا | ایمان والو! تم لوگ اپنی دولت آپس میں

اموالکم بینکم بالباطل (نساء)   ناجائز طریقہ سے نہ حاصل کرو۔

یہ ظاہر ہے کہ لوگ ناجائز طریقہ سے دوسرے ہی کی دولت حاصل کرتے ہیں۔ خود اپنی دولت کیسے حاصل کریں گے؟ پس اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ گو وہ مال شخص غیر کے تصرف میں ہے لیکن درحقیقت وہ کُل قوم کا حق ہے! اس لئے اُس کی حفاظت وبقا کی کوشش عام قوم وملک کا فرض ہے۔

کسبِ معاش کی اصلاح:- اسلام نے ایک طرف تو اس سختی واحاطہ کے ساتھ کسبِ معاش کا حکم دیا ہے کہ دُنیا کی کسی تعلیم میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی، دوسری طرف معاش کے بعض اُن ذریعوں اورصورتوں کو پُوری سختی کے ساتھ روک بھی دیا جن سے انسان کی نوعی مساوات وفطری حقوق کو نقصان پہنچتا تھا، اور نیز طرح طرح کے اخلاقی واجتماعی فسادات پیدا ہوتے تھے۔ یہ ممنوعہ وسائل معاش چار قسموں میں آسکتے ہیں۔

(۱) بغیر حق کے ایک انسان کا دوسرے انسان کے مال ونتائج محنت پر قبضہ۔

(۲) اس قسم کے وسائل جن کی وجہ سے دولت صرف چند افراد میں محدود رہ جائے اور دولت کے سیرانِ عام وتقسیم قومی میں خلل پڑ جائے۔

(۳) بعض خاص خاص فساد انگیز وسائلِ معاش۔

(۴) ایسی صُورتیں جن سے ایک فریق کو نقصان پہنچے چُنانچہ اسلام نے بطور ایک اصول کے کہدیا ہے۔

یاایہا الذین اٰمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔   اے ایمان والو آپس میں اپنا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ۔

پہلی صُورت کی مثال رشوت ہے، رشوت درحقیقت بے استحقاق آمدنی کا نام ہے قرآن مجید میں ہے۔

وَلَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِھَآ اِلَی الْحُکَّامِ لِتَاْکُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ (بقرہ)   آپس میں تم لوگ اپنا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ۔ اور نہ حُکام کو مال دو تا کہ تم لوگوں کے مال کا ایک حصّہ گناہ سے حاصل کرو۔

سود: دوسری صورت کی مثال سود ہے۔ سود میں بے شمار اخلاقی و اقتصادی مضرتیں ہیں۔ اخلاقی حیثیت سے سود کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اس سے انسان کی باہمی مہربانی و شفقت کی عمارت منہدم ہوجاتی ہے غریب سے غریب آدمی کو بلا سود قرض ملنا مشکل ہوجاتا ہے۔ متوسط الحال انسان قرض لے کر اصل ادا کرسکتا ہے لیکن سود کے بار کا وہ متحمل نہیں ہوسکتا، اور آخر کو اس کو اپنی ساری دولت سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، اعلیٰ طبقہ کے لوگ بلا شبہ سود دے بھی سکتے اور لے بھی سکتے ہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ سود بڑی سے بڑی دولت میں بھی گھن لگا دیتا ہے دوسری سب سے بڑی اقتصادی مضرت اس میں یہ ہے کہ اس سے دولت چند افراد اور چند جماعتوں میں محدود ہوجاتی ہے مثال کے لئے ہندوستان کے مہاجن اور یورپ کے بنکر پیش نظر ہیں۔ یہی وہ عظیم الشان مضرت ہے جس سے بچنے کی غرض سے ارباب اشتراکیہ غربا کے لئے قرض دینے والی انجمنیں قائم کرنا چاہتے ہیں لیکن اسلام کی فکر عاقبت اندیش نے نفس سود ہی کو اپنے پیرووں کے لئے حرام کردیا جس سے یہ تمام اخلاقی اور اقتصادی مضرتیں خود بخود دور ہوگئیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

الذین یاکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس (بقرہ)	جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت میں اس شخص کی طرح اٹھیں گے جن کو شیطان نے جکڑ کر مخبوط کردیا ہے۔
یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ، وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔ (بقرہ)	اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور جو کچھ سود باقی رہ گیا ہو وہ چھوڑ دو اور اگر تم ایسا نہ کرو تو خدا اور رسول سے جنگ کرنے کا اعلان دو اور اگر تم باز آؤ تو تم اپنی اصل لے سکتے ہو تم نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔

آخری آیت میں حرمت ربوا کی وجہ بھی ظاہر کردی گئی ہے اسی طرح اسلام میں احتکار بھی ممنوع ہے

یہ معنی ہیں کہ غلہ وغیرہ عام ضرورت کی چیزوں کو گرانی کے زمانے میں فروخت کرنے کے خیال سے
روک رکھنا) کیونکہ اس سے ایک حریص انسان کو فائدہ ہوتا ہے لیکن جمہور ملک کو نقصان پہنچتا ہے۔
تیسری صورت سے مُراد قمار بازی ہے جس کی لاٹری وغیرہ مختلف صورتیں آج یورپ میں اور کسی قدر
ہندوستان میں جاری ہیں، اور جن میں سے بعض صورتوں کو مجبوراً دفع فساد کے لئے گورنمنٹ کو روکنا پڑا۔

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ۔

شراب، قمار بازی، جوے کے پانسے، یہ سب چیزیں ناپاک ہیں، شیطانی عمل میں سے۔

سطور بالا سے دو نتیجے مستنبط ہوتے ہیں۔

(۱) اسلام نے دولت کو ایک مہتم بالشان رتبہ دیا ہے۔ اپنے پیروؤں کو تحصیل دولت اور کسب معاش کی
سخت تاکید کی ہے، اُن کے لئے تحصیل دولت وطلب معاش کی تمام راہیں کھول دی ہیں۔

(۲) وہ تمام صورتیں جن سے باہمی فساد، مضرت، اور شخصی فوائد کے مقابلہ میں جمہور کی ملکیت کا
نقصان متصور ہے۔ ممنوع قرار دیدی ہیں۔

ارباب دولت اور فقراء۔ نتائج سابقہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے ارباب ثروت کی بڑی
قدر کی ہے لیکن اس کے مقابلہ میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس نے دوسرے طبقہ یعنی فقراء کے لئے کیا سامان کیا؟
اس باب میں اُس کی سب سے پہلی کوشش یہ ہے کہ اُس نے اُن ارباب ثروت کو سخت تحقیر کی نگاہ سے دیکھا ہے
جنہوں نے اپنی زندگی کا سب سے اہم مقصد جمع مال قرار دیا اور جو دولت کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں۔

ویل لکل ھمزۃ لمزۃ الذی جمع مالا و عدہ یحسب ان مالہ اخلدہ۔ (سورۂ ہمزہ)

بُرا ہو ہر ایک چغلخور عیب جُو کا جس نے مال جمع کیا اور اس کو گنا، اور وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اُس کو ہمیشہ باقی رکھے گا۔

دوسری جگہ ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ — اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں
وَلَا یُنْفِقُوْنَہَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ — اور اُس کو خدا کی راہ میں نہیں خرچ کرتے تو اُن کو
اَلِیْمٍ۔ (سورۂ توبہ) — عذابِ دردناک کی بشارت دیدو۔

لوگ پُوچھتے ہیں کہ ہم کو کیا خرچ کرنا چاہئے؟ اُس کے جواب میں خُدا فرماتا ہے۔

وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ — لوگ تجھ سے پُوچھتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں؟
الْعَفْوَ۔ (بقرہ) — کہہ دے کہ جو حاجت سے زیادہ ہو۔

اس بیان سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ اسلام بخل و اسراف کے درمیان میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے، وہ خُدا کی راہ میں مال کا وہ حصہ خرچ کرنے کو کہتا ہے جو حاجت سے زاید ہو۔

اسلام نے مالِ زکوٰۃ کے مستحقین پر تقسیم کرنے کا باقاعدہ انتظام کیا ہے۔ تمام مُلک کی زکوٰۃ بیت المال میں جمع کی جائے اور وہ خلافت کی زیرِ نگرانی تمام مستحقین کو حسبِ حاجت دی جائے۔

اس سالانہ چندہ کے علاوہ ایک اور فنڈ بھی اسلام نے مستحقین اعانت کے لئے قائم کیا ہے۔

واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان للّٰہ خمسہ — جو کچھ مال غنیمت تمہارے ہاتھ آئے،
وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین — اُس کا پانچواں حصہ خُدا اور اُس کے رسُول، اقربا،
وابن السبیل۔ (انفال) — یتیم، مساکین اور مسافر کے لئے ہے۔

صدقاتِ عید: اس فنڈ کا خزانہ بھی بیت المال ہے، اسی کے ساتھ مسلمانوں کے پاس ایک تیسرا فنڈ بھی اس کام کے لئے ہے۔ عید اضحیٰ کی قربانی اور اس کی کھال کی قیمت۔

ویذکروا اسم اللّٰہ علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام — اور تاکہ نام لو خُدا کا (قربانی کرتے وقت) اُس جانور پر جو
فکلوا منھا واطعموا البائس الفقیر (حج) — خدا نے تم کو دیا ہے، خود کھاؤ اُس میں سے اور مشقت زدہ فقیروں کو کھلاؤ

کیا مبارک ہوتا ہوگا وہ دن جب اسلام کے بیت المال میں یہ تمام فنڈ جمع ہوتے ہوں گے اور اہلِ حاجت فقرا، مساکین،

اور یتیموں کی امداد کی جاتی ہوگی۔

اس تمام بیان سے معلوم ہوا کہ اگر اسلام نے اہل دولت کو کسب معاش کا موقع دیا ہے تو دوسری طرف اہل احتیاج کی بھی اُسنے کچھ کم خبرگیری نہیں کی ہے یہی وہ چیز ہے جس کو آج موجودہ تمدّن کی خود غرضانہ تاریکی میں اہل اشترکیہ ڈھونڈتے ہیں اور نہیں پاتے ہیں۔ انہیں تدابیر کا اثر تھا کہ اسلام میں ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے جب لوگ خیرات دینے کے لئے فقیر ڈھونڈتے تھے اور نہیں ملتے تھے، کیا یورپ میں بھی ایسا زمانہ آئے گا؟

اسلام کی اس فیّاضی سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ وہ قوم میں ایک پاہج، پا شکستہ اور گدا گر جماعت تیار کرنا چاہتا ہے قرآن مجید نے زکوٰۃ اور صدقات کے مصارف خود حصر کے ساتھ مقرر کر دیئے ہیں اور اسلام میں برابر اسی پر عمل ہوتا رہا۔ حدیث شریف میں ہے

لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي (ترمذی) خیرات مالدار آدمی کو اور جس کو کمانے کی قوت ہو اور جس کے اعضا درست ہوں، حلال نہیں۔

ان تمام مباحث و تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ آج متمدن ممالک جن مصائب میں مبتلا ہیں، اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ جدید تمدن کی بنیاد کسی صحیح مذہب پر نہیں ہے۔ اب مصلحین تمدن و معاشرت اور عقلائے یورپ جو اصلاحات پیش کرتے ہیں، اُن میں گو بعض باتیں غلط ہیں جن کی اسلام نے تردید کر دی ہے لیکن بقیہ امور وہی ہیں جنکو اسلام پہلے ہی دن سمجھ چکا تھا اور اسکی اصلاح کی تدبیریں کر لی تھیں یہی وجہ ہے کہ اُس کا تمدن اشتراکیت کے جراثیم سے پاک ہا حضرت عثمان کے عہد میں امرائے تمام کے پاس بے انتہا دولت جمع ہو گئی تھی حضرت ابوذر غفاری جو ایک بلند پایہ صحابی تھے۔ انہوں نے ان لوگوں کی سخت مخالفت کی اور کہا کہ یہ دولت تمام فقرا پر تقسیم کر دی جائے لیکن چونکہ اس زمانے میں فقرا کے حقوق کا کافی طور سے انتظام تھا، اس لئے حضرت ابو ذرؓ کا کوئی ہم آہنگ پیدا نہ ہو سکا۔

بہرحال اگر اس تفصیل کے بعد کہ اُسنے دنیا میں ہر قسم کی جائز مساوات قائم کی۔ اُسنے جمہوریت کی بنا ڈالی اُسنے امرا اور اہل ثروت کو ہمدردی کی تعلیم دی اُسنے فقرائے ملک کا مستحکم اور پایدار بندوبست کیا، اگر یہ دعویٰ کیا جائے تو کون انکار کر سکتا ہے کہ اسلام دنیا کا تنہا مذہب ہے جس کے بیڑے کو اشتراکیت کے طوفان کا خوف نہیں وہ صالح اشتراکیت کا علم و محافظ ہے اور غیر صالح افراط و تفریط کا مخالف۔

اسلام اور سوشلزم

از

مولینا ابوالکلام آزاد

اسلام اور سوشلزم

زکوٰۃ اور اسلام کا نظام اجتماعی ۔ دنیا میں کوئی دین نہیں جس نے محتاجوں کی اعانت اور ابنائے جنس کی خدمت کی تلقین نہ کی ہو، اور اسے عبادت یا عبادت کا لازمی جز نہ قرار دیا ہو۔ لیکن یہ خصوصیت صرف اسلام کی ہے کہ وہ صرف اتنے ہی پر قانع نہیں ہوا، بلکہ ہر مستطیع مسلمان پر ایک خاص ٹیکس مقرر کر دیا جو اسے اپنی تمام آمدنی کا حساب کر کے سال بہ سال ادا کرنا چاہئے، اور پھر اسے اس درجہ اہمیت دی کہ اعمال میں نماز کے بعد اسی کا درجہ ہوا، اور قرآن نے ہر جگہ دونوں عملوں کا ایک ساتھ ذکر کر کے یہ بات واضح کر دی کہ کسی جماعت کی اسلامی زندگی کی سب سے پہلی شناخت یہی دو عمل ہیں۔ نماز اور زکوٰۃ۔ اگر کوئی جماعت بہ حیثیت جماعت کے انہیں یک قلم ترک کر دے گی تو اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہوگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا، اور حضرت ابوبکرؓ نے کہا واللہ لاقتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ (متفق علیہ)

بلاشبہ حضرت مسیح (علیہ السلام) کے مواعظ اس بارے میں بہت دور تک چلے گئے ہیں۔ انہوں نے صرف یہی نہیں کہا کہ اتنا دے دو، بلکہ کہا، سب کچھ دے دو۔ لیکن چونکہ اسلام کی طرح کوئی معین نظم قائم نہیں کیا اس لئے یہ تعلیم محض زہد و ترک دنیا کا ایک عالی مقام بن کر رہ گئی، اور مسیحیت کے صدر اول کے سوا (جبکہ کلیسا کی بنیاد باہمی اخوت و اشتراک پر قائم کی گئی تھی) کوئی زمانہ ایسا ظہور میں نہ آسکا کہ عیسائیوں میں اس تعلیم کے نتائج نے نشو و نما پایا ہو۔

پھر اس باب میں اس کی ایک دوسری خصوصیت بھی ہے یعنی وہ علت، جو نہ صرف زکوٰۃ کے لئے بلکہ تمام صدقات و خیرات کے لئے قرار دی گئی، اور جس کی وجہ سے اس معاملہ نے دوسری نوعیت اختیار کر لی۔

کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم   تاکہ ایسا نہ ہو، مال و دولت صرف دولتمندوں کے

(۵۹ : ۷) گروہ ہی میں محصور ہو کر رہ جائے۔

یعنی زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ دولت سب میں پھیلے سب میں بٹے کسی ایک گروہ ہی کی ٹھیکیدار نہ ہو جائے۔ اور اسی سورت کی آیت (۳۴) میں گزر چکا ہے: وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ جو لوگ چاندی سونا خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، اُن کے لئے اگر کوئی بشارت ہو سکتی ہے تو یہی، کہ عذاب دردناک کی بشارت دیدو۔ اور حدیث بعثِ معاذ الی الیمن میں زکوٰۃ کا مقصد یہ فرمایا کہ:۔

تؤخذ من اغنیائھم فترد فی فقرائھم — ان کے دولت مندوں سے وصول کی جائے اور پھر اُن کے محتاج افراد میں لٹائی جائے۔ (رواہ الجماعۃ)

قرآن اور احتکار دولت نا زمہ۔ ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ قرآن کی روح، دولت کے احتکار و اختصاص کے خلاف ہے۔ یعنی وہ نہیں چاہتا کہ دولت کسی ایک گروہ کی ٹھیکیداری میں آجائے یا سوسائٹی میں کوئی ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو دولت کے خزانے بنا بنا کر جمع کرے۔ بلکہ وہ چاہتا ہے۔ دولت ہمیشہ سرگردش میں رہے، اور زیادہ سے زیادہ تمام افرادِ قوم میں پھیلے اور منقسم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے وِرثہ کے لئے تقسیمِ اسہام کا قانون نافذ کر دیا۔ اور اقوامِ عالم کے عام قوانین کی طرح یہ نہیں کیا کہ خاندان کے ایک ہی فرد کے قبضہ میں رہے۔ جونہی ایک شخص کی آنکھیں بند ہوئیں۔ وہ دولت جو اس وقت تک تنہا ایک جگہ میں تھی۔ اب وارثوں میں بٹ کر کئی جگہوں میں پھیل جائیگی۔ اور پھر ان میں سے ہر ایک کے کئی وارث ہوں گے اور اُسے بانٹتے اور پھیلاتے رہینگے اور پھر یہی وجہ ہے کہ اس نے سود کا لین دین حرام کر دیا۔ اور قاعدہ یہ ٹھیرایا کہ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ (۲: ۲۷۶) اللہ سود کا جذبہ گھٹانا چاہتا ہے خیرات کا جذبہ بڑھانا چاہتا ہے یعنی یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں جس قوم میں سود کا جذبہ اُبھرے گا، اُس کے غالب افراد شقاوت و محرومی میں مبتلا رہیں گے۔ جس قوم میں خیرات کا جذبہ اُبھرے گا، اُس کا کوئی فرد محتاج و مفلس نہیں رہے گا۔

اور اسی لئے اس نے سود کے معاملہ کو اتنی اہمیت دی کہ فرمایا، جو لوگ اس پر مصر رہیں گے، وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ کریں گے۔ فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ (۲۷۹:۲) کیونکہ اس معاملہ پر جماعت کی بنیادی فلاح موقوف تھی، اور ضروری تھا کہ اسے ایمان و انقیاد کا معیار قرار دیا جاتا۔

اور یہی وجہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں انفاق کا حکم دینے کے بعد متصلاً فرمایا: یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ وما یذکر الا اولوا الالباب (۲۶۹:۲) یعنی یہ بات کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ دوسرے افراد جماعت کو دیدینا، کھونا نہیں ہے پانا ہے، بہت دقیق بات ہے، اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو صاحب حکمت ہیں، اور جس کسی نے حکمت کی دولت پائی، تو اس نے بڑی بھلائی پالی۔ وما یذکر الا اولوا الالباب! [۱]

قرآن و سنہ کی تعلیمات اور صحابۂ کرام کی عملی زندگی کے مطالعہ کے بعد مجھے اس حقیقت کا پورا اذعان ہو گیا ہے کہ اسلام کے بتائے ہوئے اجتماعی نقشہ میں دولت اور وسائل دولت کے احتکار اور اکتناز کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔ "احتکار" یہ ہے کہ دولت کا کسی ایک طبقہ ہی میں محصور ہو جانا۔ "اکتناز" یہ کہ دولت کے بڑے بڑے خزانوں کا افراد کے پاس جمع ہو جانا۔ اس نے سوسائٹی کی نوعیت کا جو نقشہ بنایا ہے۔ اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں، تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہو جائے گا۔ جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑپتی ہوں گے، نہ مفلس و محتاج طبقے، ایک طرح کی درمیانی حالت غالب افراد پر طاری رہے گی۔ بلا شبہ زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد موجود ہوں گے۔ کیونکہ سعی و کسب کے بغیر کوئی مومن

---

[۱] قرآن نے زکوٰۃ و صدقات کے باب میں جو کچھ کہا ہے، اُس کے معارف و دقائق بے شمار ہیں۔ اور بد قسمتی سے مفسرین دوسرے گوشوں میں نکل گئے۔ یہاں تفصیل ممکن نہیں، اتنی باتیں بھی بلا قصد قلم سے نکل گئیں۔ اور پھر طبیعت نے گوارا نہیں کیا کہ قلم زد کر دی جائیں۔ تفصیل کے لئے البیان کا انتظار کرنا چاہئے۔ سورۂ توبہ کی آیۃ والذین یکنزون الذھب والفضۃ کی تفصیل تمام متداول تفاسیر میں پڑھو۔ "ولا ینفقونھا" کی توجیہ میں کیا کیا شکلیں پیدا کی گئی ہیں، اور پھر کیسے دور دراز محل نکالے گئے ہیں؟ حالانکہ اگر اکتناز کے زور پر غور ہوتا اور اس بارے میں قرآن و سنت کی روح پیش نظر رہتی۔ تو معاملہ بالکل واضح تھا۔ بہرحال یہ محل اطناب نہیں۔

زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا۔ اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور بھی ہوگا، اور اس لئے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی اتنی ہی زیادہ جماعت بہ حیثیت جماعت کے خوشحال ہوتی جائے گی۔ قابل اور مستعد افراد زیادہ سے زیادہ کمائیں گے لیکن صرف اپنے ہی لئے نہیں کمائیں گے۔ تمام افراد قوم کے لئے کمائینگے یہ صورت پیدا نہ ہوسکے گی کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقوں کے لئے محتاجی و مفلسی کا پیام ہوجائے جیسا کہ اب عام طور پر ہو رہا ہے۔ یہ بات کہ قرآن کی تعلیم کے مطابق دنیا میں کس طرح کی مدنیت اور اجتماعیت پیدا ہوسکتی ہے؟ جس درجہ اہم ہے، اتنی ہی زیادہ دقیق بھی ہے۔ البیان میں بہ ضمن تفسیر سورۂ بقرہ اس کی مفصل بحث و تحقیق ملے گی۔

اگر مسلمان آج اور کچھ نہ کریں، صرف زکوٰۃ کا معاملہ ہی احکام قرآنی کے مطابق درست کرلیں، تو بغیر کسی تامل کے دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی تمام اجتماعی مشکلات و مصائب کا حل خود بخود پیدا ہوجائے گا

لیکن مصیبت یہ ہے کہ مسلمانوں نے یا تو احکام قرآنی کی تعمیل یک قلم ترک کردی ہے، یا پھر عمل بھی کر رہے ہیں تو اس طرح، کہ فی الحقیقت عمل نہیں کر رہے ہیں۔

قرآن نے زکوٰۃ کا معاملہ ایک خاص نظام سے وابستہ کر دیا ہے اور اسی نظام کے قیام پر اس کے تمام مقاصد و مصالح کا حصول موقوف ہے۔ زکوٰۃ ایک ٹیکس ہے۔ بالکل اسی طرح کا ٹیکس، جس طرح آجکل انکم ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ پس اس کی ادائے گی کا طریقہ یہ نہ تھا کہ ہر شخص خود ہی اپنا ٹیکس نکالے، اور خود ہی خرچ بھی کر ڈالے، بلکہ یہ تھا کہ حکومت اپنے کلکٹروں کے ذریعہ ہر شخص سے وصول کرکے بیت المال میں جمع کرے اور پھر ضروریات وقت کے مطابق جس مصرف کو مقدم دیکھے، اس میں خرچ کرے جب ایک شخص نے حکومت کے مقررہ عامل کو اپنی زکوٰۃ دے دی۔ اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ چنانچہ اسی لئے کلکٹروں اور عاملوں کی تنخواہ کا بار بھی اسی فنڈ پر ڈال دیا۔ اور صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ والعاملین علیہا۔ جو کارندے وصولی کے لئے مقرر ہوں، اُن کے ضروری مصارف، اگر ادائے گی کے لئے یہ بات ضروری نہ ہوتی

تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مصارف کی مد میں مستقلاً عمالِ حکومت کا ذکر کیا جاتا۔

اور پھر یہی وجہ ہے کہ صاف و صریح لفظوں میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اس باب میں عمالِ حکومت کی اطاعت کریں، اور بلا عذر زکوٰۃ اُن کے حوالہ کردیں حتیٰ کہ اگر عمال ظالم ہوں یا بیت المال کا روپیہ ٹھیک طور پر خرچ نہ ہو رہا ہو، جب بھی اصلاحِ حال کی سعی کے ساتھ، ادائے گی کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے۔ یہ نہیں کرنا چاہئے کہ زکوٰۃ بطور خود خرچ کر ڈالی جائے۔ بشیر بن خصاصہ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے کہا: ان قوما من اصحاب الصدقۃ یعتدون علینا۔ عمال کا ایک گروہ صدقہ لینے میں ہم پر زیادتیاں کرتا ہے۔ کیا اس کا مقابلہ کریں؟ فرمایا "نہیں" (ابوداود) سعد بن وقاص کی روایت میں صاف صاف موجود ہے: ادفعوا الیھم ما صلّوا۔ جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ انہیں دیتے رہو۔

بنو اُمیہ کے زمانہ میں جب نظامِ خلافت بدل گیا، اور حکام ظلم و تشدد پر اتر آئے، تو بعض لوگوں کو خیال ہوا! ایسے لوگ ہماری زکوٰۃ کے کیوں امین سمجھے جائیں؟ لیکن تمام صحابہ نے یہی فیصلہ کیا کہ زکوٰۃ انہی دینی چاہئے۔ یہ کسی نے نہیں کہا کہ خود اپنے ہاتھ سے خرچ کر ڈالو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے پوچھا اب زکوٰۃ کسے دیں؟ کہا وقت کے حاکموں کو۔ اس نے کہا: اذ یتخذون بھا ثیابا و طیبا۔ وہ تو زکوٰۃ کا روپیہ اپنے کپڑوں اور عطروں پر خرچ کر ڈالتے ہیں۔ فرمایا "وان" اگرچہ ایسا کرتے ہوں۔ مگر وہ اُنہی کو (ابن ابی شیبہ) کیونکہ زکوٰۃ کا معاملہ بغیر نظام کے قائم نہیں رہ سکتا۔

صدر اول سے لے کر آخر عہد عباسیہ تک یہ نظام بلا استثناء قائم رہا۔ لیکن ساتویں صدی ہجری میں جب تاتاریوں کا سیلاب تمام اسلامی ممالک میں اُمنڈ آیا، اور نظامِ خلافت معدوم ہو گیا، تو سوال پیدا ہوا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ فقہائے حنفیہ کے جس قدر شرح و متون اور کتب فتاویٰ آج کل متداول ہیں، زیادہ تر اسی دور میں یا اس کے بعد لکھے گئے ہیں۔ اسی وقت پہلے پہل اس بات کی تخم ریزی ہوئی کہ زکوٰۃ کی رقم بطور

خود خرچ کر ڈالی جائے، کیونکہ غیر مسلم حاکموں کو نہیں دی جاسکتی۔ مگر ساتھ ہی فقہاء نے اس پر بھی زور دیا کہ جن ملکوں میں اسلامی حکومت قائم نہیں رہی ہے اور اعادۂ حالت فوراً ممکن نہیں، وہاں مسلمانوں کیلئے ضروری ہے کہ کسی اہل اسلام کو اپنا امیر مقرر کرلیں، تاکہ اسلامی زندگی کا نظام قائم رہے، معدوم نہ ہو جائے لیکن افسوس ہے کہ بعد کو بتدریج اس نظام کی اہمیت سے مسلمان غافل ہوتے گئے۔ اور رفتہ رفتہ یہ حالت ہوگئی، لوگوں نے سمجھ لیا۔ زکوٰۃ نکالنے کا معاملہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ خود حساب کرکے ایک رقم نکال لیں، اور پھر جس طرح چاہیں، خود ہی خرچ کر ڈالیں۔ حالانکہ جس زکوٰۃ کی ادائے گی کا قرآن نے حکم دیا ہے، اُس کا قطعاً یہ طریقہ نہیں ہے، اور مسلمانوں کی جو جماعت اپنی زکوٰۃ کسی امین زکوٰۃ یا بیت المال کو حوالے کرنے کی جگہ خود ہی خرچ کر ڈالتی ہے۔ وہ دیدۂ و دانستہ حکم شریعت سے انحراف کرتی ہے۔ اور یقیناً عنداللہ اس کے لئے جوابدہ ہوگی۔

اگر کہا جائے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت موجود نہیں، اس لئے مسلمان مجبور ہوگئے، اور انفرادی طور پر خرچ کرنے لگے، تو شرعاً و عقلاً یہ عذر مسموع نہیں ہوسکتا۔ اگر اسلامی حکومت کے فقدان سے جمعہ ترک نہیں کر دیا گیا جس کا قیام امام و سلطان کی موجودگی پر موقوف تھا، تو زکوٰۃ کا نظام کیوں ترک کر دیا جائے؟ کس نے مسلمانوں کے ہاتھ اس بات سے باندھ دئیے تھے کہ اپنے اسلامی معاملات کے لئے ایک امیر منتخب کرلیں، یا ایک مرکزی بیت المال پر متفق ہو جائیں یا اقلاً ویسی ہی انجمنیں بنالیں، جیسی انجمنیں بے شمار غیر ضروری باتوں کے لئے بلکہ بعض حالتوں میں بدع و محدثات کے لئے انہوں نے جابجا بنا لی ہیں؟

اسلام نے اجتماعی زندگی کا ایک پورا نقشہ بنایا تھا۔ جہاں اس کے چند خانے بگڑے سمجھو پورا نقشہ بگڑ گیا۔ چنانچہ اس ایک نظام کے فقدان نے مسلمانوں کی پوری اجتماعی زندگی مختل کر دی ہے۔ لوگ اصلاح کیلئے طرح طرح کے ہنگامے بپا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں انجمنوں اور قومی چندوں کے ذریعہ وقت کی مشکلوں اور مصیبتوں کا علاج ڈھونڈھ نکالیں گے۔ حالانکہ مسلمانوں کے لئے اصلی سوال یہ نہیں ہے کہ کوئی نیا طریقہ

ڈھونڈھ نکالیں۔ سوال یہ ہے کہ اب گم گشتہ طریقہ کا کھوج لگائیں!

درازی شب و بیداری من ایں ہمہ نیست　　　زبخت من خبر آرید تا کجا خفتست؟

اگر محض دولتمند افراد کے عطیوں اور قومی انجمنوں کے نظام سے قوم کا اقتصادی مسئلہ حل ہو سکتا تو آج یورپ اور امریکہ سے بڑھ کر کون ہے جو ان دونوں باتوں کا انتظام کر سکتا ہے! لیکن معلوم ہے کہ ان کا کوئی قومی فنڈ اور کوئی قومی نظام بھی نچلے طبقوں کی بیکاری اور متوسط طبقہ کا افلاس روک نہ سکا، اور اب اجتماعی مسئلہ کا ہلاک آفرین خطرہ ان کے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ اصل یہ ہے کہ افراد کی وقتی فیاضیاں کتنی ہی زیادہ ہوں، قوم کی اجتماعی زندگی کے قیام کے لئے کبھی کفیل نہیں ہو سکتیں۔ اس صورتِ حال کا علاج صرف وہی ہے جو اسلام نے تیرہ سو برس پہلے تجویز کیا تھا یعنی قانون سازی کے ذریعہ قوم کی پوری کمائی کا ایک خاص حصہ کمزور افراد کی خبر گیری کے لئے مخصوص کر دینا کہ توخذ من اغنیائھم فترد فی فقرائھم اور کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم!

بہرحال یہ بات یاد رہے کہ زکوٰۃ کی نوعیت عام خیرات کی سی نہیں ہے، بلکہ یہ اپنے پورے معنوں میں ایک انکم ٹیکس ہے جو اسلامی حکومت نے ہر کمانے والے فرد پر لگا دیا تھا بشرطیکہ اس کی کمائی اس کی ذاتی ضروریات زندگی سے زیادہ ہو۔ موجودہ زمانے کے انکم ٹیکسوں میں اور اس میں صرف دو باتوں کا فرق ہے۔ ایک یہ کہ اپنی نوعیت میں زیادہ وسیع ہے یعنی صرف کاروبار کی گھٹتی بڑھتی آمدنی ہی پر عائد نہیں ہوتا بلکہ اندوختہ پر بھی واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس سال کوئی نئی آمدنی نہ ہوئی ہو۔ نیز اس طرح کی تمام ملکیتیں بھی اس میں داخل ہیں جو بڑھنے کی استعداد رکھتی ہوں۔ مثلاً مویشی۔ دوسری یہ کہ مقصد کے لحاظ سے یہ ایک خاص مصرف رکھتا ہے۔ جس کی مختلف صورتیں معین کر دی گئی ہیں۔ اسٹیٹ کو حق نہیں کہ ان مصارف کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرے

ایک اور غلط فہمی اس باب میں یہ پھیل گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں، اپنے مفلس رشتہ داروں کی خبرگیری

یہی طریقہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم سے اُن کی مدد کی جائے۔

بلاشبہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ غیروں سے پہلے اپنے محتاج رشتہ داروں کی خبر لے، اور قرآن نے صدقات و خیرات کے معاملہ میں جو اصلاحات کی ہیں، من جملہ اُن کے ایک بڑی اصلاح یہ ہے کہ رشتہ داروں کی اعانت کو بھی خیرات قرار دیا، بلکہ خیرات کا سب سے پہلا مصرف: قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ (۲: ۲۱۵) لیکن زکوٰۃ جو خیرات کی ایک خاص قسم ہے، اس لئے واجب نہیں کی گئی ہے کہ لوگ خیرات کی دوسری قسموں سے ہاتھ روک لیں، اور اپنے محتاج رشتہ داروں کی مدد کا بوجھ بھی اسی پر ڈال دیں۔ زکوٰۃ وہی دے گا جو صاحبِ استطاعت ہو اور اگر ایک شخص خوشحال ہے، اور اسکے رشتہ دار تنگی و محتاجی میں مبتلا ہوگئے ہیں، تو بہ حیثیت مسلمان ہونے کے اُس کا فرض ہے کہ اُن کی خبر گیری کرے۔ اگر نہیں کرے گا تو عنداللہ جوابدہ ہوگا۔ کیونکہ صلۂ رحمی کا حق خدا کا ٹھیرایا ہوا حق ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ (۴: ۱) بلاشبہ اس کی یہ خبر گیری اُس کے لئے خیرات کا بہترین عمل ہوگی، لیکن خبر گیری ہر حال میں اس کا اسلامی فرض ہے۔ یہ طریقہ کسی حال میں بھی شرعی نہیں ہوسکتا کہ باوجود خوشحال ہونے کے اپنے رشتہ داروں کو فقر و فاقہ میں چھوڑ دیا جائے، اور پھر اگر کچھ دیا بھی جائے تو اسے زکوٰۃ کی مد میں شمار کر لیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے کوئی خاص اسلامی عمل ہی ترک نہیں کر دیا ہے۔ بلکہ ان کی پوری زندگی غیر اسلامی ہوگئی ہے۔ ان کی فکری حالت غیر اسلامی ہے۔ اُن کی عملی رفتار غیر اسلامی ہے۔ اُن کا دینی زاویۂ نگاہ غیر اسلامی ہے۔ اگر وہ اسلامی احکام پر عمل بھی کرنا چاہتے ہیں تو غیر اسلامی طریقہ سے، اور یہ دینی تنزل کی انتہا ہے۔ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا۔

ایک عام اور سب سے زیادہ مہلک غلط فہمی یہ پھیل گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیدینے کے بعد انفاق و خیرات کے اور تمام اسلامی فرائض ختم ہو جاتے ہیں۔ جہاں ایک شخص نے رمضان میں اٹھنیوں اور

روپیوں کی پڑیاں باندھ کر تقسیم کے لیئے رکھدیں، سال بھر کے لئے اسے ہر طرح کے انسانی اور اسلامی تقاضوں سے چھٹی مل گئی۔

حالانکہ ایسا سمجھنا، یکقلم اسلام کو بھلا دینا ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو جس طرح کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے، وہ محض اپنی اور اپنے بیوی بچوں کے پیٹ ہی کی زندگی نہیں ہے، بلکہ منزلی، خاندانی، معاشرتی، جماعتی، اور انسانی فرائض کی ادائے گی کی ایک پوری آزمائش ہے، اور جب تک ایک انسان اس آزمائش میں پورا نہیں اترتا، اسلامی زندگی کی لذت اس پر حرام ہے۔

اُس پر اس کے نفس کا حق ہے۔ اُس کے والدین کا حق ہے رشتہ داروں کا حق ہے، بیوی بچوں کا حق ہے ہمسایہ کا حق ہے اور پھر تمام نوع انسانی کا حق ہے۔ اُس کا فرض ہے کہ اپنی استطاعت اور مقدور کے مطابق یہ تمام فرائض ادا کرے! اور انہیں فرائض کی ادائے گی پر اس کی زندگی کی ساری دنیوی اور اخروی سعادتیں موقوف ہیں: واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً، وبالوالدین احساناً، وبذی القربیٰ، والیتامیٰ والمساکین، والجار ذی القربیٰ والجار الجنب، والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم (۴۰)

یہ تمام فرائض ادا نہیں کئے جا سکتے، جبتک کہ انفاق وخیرات کے لئے انسان کا ہاتھ کشادہ نہ ہو جائے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اعمال میں سے کسی عمل پر اتنا زور نہیں دیا جس قدر نماز اور انفاق پر، اور منافقوں کی سب سے بڑی پہچان اسی صورت میں یہ بتلائی کہ ان کی مٹھیاں بند رہتی ہیں! انفاق کے لئے کھلتی نہیں: و یقبضون ایدیھم (۹: ۶۷) اور اگر کچھ دیتے بھی ہیں تو مجبور ہو کر: ولا ینفقون الا، وھم کارھون (۹/۵۴) اور مومنوں کی نسبت فرمایا ینفقون اموالھم باللیل والنھار سراً و علانیۃ (۲: ۲۷۴) مومن وہ ہیں جن کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا ہے، رات دن، پوشیدہ اور ظاہر ہر حال میں سرگرم انفاق رہتے ہیں۔ نیز فرمایا، یہ شیطانی خیال ہے کہ خرچ کرنے سے ہم محتاج ہو جائیں گے، اور اس

راہ میں بخل "فحش" ہے۔ یعنی سخت قسم کی برائی۔ اور اللہ انفاق کا حکم دیکر تمہیں مغفرت اور خوشحالی کی راہوں پر لگاتا ہے۔ الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا (۲: ۲۶۸)

پس یہ سمجھنا کہ جہاں سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ کا ٹیکس دیدیا، انفاق فی سبیل اللہ کے تمام مطالبات پورے ہوگئے صریح قرآن کی تعلیم سے اعراض کرنا ہے۔ زکوٰۃ تو ایک خاص قسم کا ٹیکس ہے۔ اور ایک خاص مقصد کے لئے لگایا گیا ہے جو سال میں ایک مرتبہ دینا پڑتا ہے لیکن ہماری زندگی کا ہر چوبیس گھنٹہ ہم سے انفاق کا مطالبہ کرتا ہے، اور اگر ہم اسلامی زندگی کا توشہ لے کر دنیا سے جانا چاہتے ہیں، تو ہمارا فرض ہے کہ حسب استطاعت اس کے تمام مطالبات پورے کریں۔

قرآن اور سوشیلزم:۔ دنیا میں دولت اور وسائل دولت کا احتکار اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ضروری تھا اس کا ردِ عمل پیدا ہو چنانچہ اٹھارویں صدی میں موجودہ سوشیلزم کی بنیادیں پڑیں، اور اب اس نے کمیونیزم کی انتہائی صورت اختیار کر لی ہے۔ اور پندرہ برس روس میں اس کا اولین تجربہ بھی ہو رہا ہے۔ قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کی تعلیم سرمایہ داری کے مقاصد مٹانا چاہتی ہے اور دولت کی تقسیم کی حامی ہے، تو کیا ایسا نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس کا رُخ بھی اسی طرف ہے جس طرف سوشیلزم جا رہا ہے؟ بلاشبہ سمجھا جا سکتا ہے لیکن ایک خاص درجہ تک، اور اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہیئے۔

دو صورتیں ہیں، اور ضروری ہے کہ دونوں کا فرق ملحوظ رکھا جائے۔

ایک صورت یہ ہے کہ دولت اور وسائل دولت کا احتکار روک دیا جائے، اور ہر کمانے والے فرد کو قانون سازی کے ذریعہ مجبور کیا جائے کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ کمزور افراد کے لئے نکالے۔ نیز اسٹیٹ کو اس بات کا ذمہ دار ٹھیرایا جائے کہ کوئی فرد ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے لیکن ساتھ ہی یہ اصل بھی تسلیم کی جائے کہ معیشت کے لحاظ سے تمام افراد و طبقات کی حالت یکساں نہیں ہو سکتی، اور یہ عدم یکسانیت اکثر حالتوں میں قدرتی ہے۔ کیونکہ سب کی جسمانی و دماغی استعداد یکساں نہیں، اور جب استعداد یکساں نہیں

تو ناگزیر ہے کہ جدوجہدِ معیشت کے ثمرات بھی یکساں نہ ہوں۔ بہ الفاظ دیگر انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کر لیا جائے کہ جو جس قدر حاصل کر سکتا ہے، وہ اس کا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ صرف دولت کا احتکار ہی نہ روکا جائے، بلکہ دولت کی انفرادی ملکیت بھی ختم کر دی جائے اور ایسا نظام قائم کیا جائے، جس میں اجباری قوانین کے ذریعہ اقتصادی اور معیشی مساوات کی حالت پیدا کر دی جائے۔ مثلاً وسائل دولت تمام تر قومی ملکیت ہو جائیں۔ انفرادی قبضہ باقی نہ رہے، اور جسمانی و دماغی استعداد کے اختلاف سے معیشت کا مختلف ہونا بنائے حق تسلیم نہ کیا جائے

قرآن نے جو صورت اختیار کی ہے، وہ پہلی ہے، اور سوشیلزم جس بات کے لئے ساعی ہے۔ وہ دوسری ہے، دونوں کا مقصد یہ ہے کہ انسانی اکثریت کی شقاوت دور کی جائے، دونوں نے علاج بھی ایک ہی تجویز کیا ہے، یعنی دولت کا اکتناز روکا جائے لیکن دونوں کا طریق کار ایک نہیں! ایک اختلاف معیشت سے تعرض نہیں کرتا اور اسے قائم رکھ کر راہ نکالتا ہے۔ دوسرا اُسے مٹا دینا چاہتا ہے۔

اسلام اور سوشیلزم کا یہ اختلاف اگرچہ محض درجہ (ڈگری) کا اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن تہ میں سپرٹ کا اختلاف بھی موجود ہے۔ سوشیلزم کا نظریہ یہ ہے کہ مدارج معیشت کا اختلاف کوئی قدرتی اختلاف نہیں ہے لیکن قرآن میں اس طرح کے اشارات جابجا پائے جاتے ہیں کہ یہ اختلاف قدرتی ہے۔ اور ضروری تھا کہ ظہور میں آئے۔ وہ کہتا ہے۔ اگر یہاں سب کی حالت یکساں ہو جاتی، تو تزاحم و تنافس کی حالت پیدا نہ ہوتی، اور اگر یہ حالت پیدا نہ ہوتی تو انسان کی قدرتی قوتوں کے اُبھرنے اور ترقی پانے کے لئے کوئی شی محرک بھی نہ ہوتی اور اجتماعی زندگی کی وہ تمام سرگرمیاں ظہور میں نہ آتیں جن سے یہ تمام کارخانہ چل رہا ہے۔

وھو الذی جعلکم خلائف الارض و رفع بعضکم فوق بعض درجٰت لیبلوکم

اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا، اور بعض کو بعض پر مرتبے دئے، تاکہ جو کچھ تمہیں دیا ہے

فی ما اتاکم ان ربک سریع العقاب اس میں تمہیں دے رکھا ہے بلاشبہ تیرا پروردگار (بد عملیوں کی) فوراً سزا دینے والا ہے۔ اور یقیناً وانہ لغفور رحیم (۶: ۱۶۵) بڑا ہی بخشنے والا، رحمت والا ہے۔

اس آیۃ میں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اول خدا نے انسانی زندگی کا کارخانہ کچھ اس طرح چلایا ہے کہ یہاں ہر گوشہ میں ایک طرح کی جانشینی کا سلسلہ جاری رہتا ہے یعنی ایک فرد اور گروہ جاتا ہے دوسرا فرد اور گروہ اس کی جگہ لیتا اور اس کے ثمرات و نتائج سعی کا وارث ہوتا ہے ثانیاً درجہ کے لحاظ سے سب یکساں نہ ہوئے بعض اوپر ہوئے بعض اُن سے نیچے ثالثاً مدارج معیشت کی یہ بلندی و پستی اس لئے ہوئی تاکہ انسان کے عمل و تصرف کے لئے آزمائش کی حالت پیدا ہو جائے، اور ہر فرد اور ہر گروہ کو موقع دیا جائے کہ اپنی سعی و کاوش سے جو درجہ حاصل کر سکتا ہے، حاصل کرلے آخر میں فرمایا خدا کا قانون جزا سست رفتار نہیں یعنی سعی و طلب کی سی امتحان گاہ سے جزاء عمل کا معاملہ وابستہ ہے۔ جیسے جس کے اعمال ہوں گے، ویسے ہی نتائج اس کے حصہ میں آجائیں گے۔

اسی طرح جابجا قرآن میں پاؤگے، واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق (۱۶: ۷۱) خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے۔ نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیٰوۃ الدنیا و رفعنا بعضھم فوق بعض درجٰت (۴۳: ۳۲) دنیوی زندگی کی معیشت ہم نے لوگوں میں تقسیم کردی، اور اس کا کارخانہ ایسا بنا دیا کہ سب ایک ہی درجہ میں نہیں ہیں۔ کوئی کسی درجہ میں ہے۔ کوئی کسی درجہ میں۔

بہرحال قرآن نے اجتماعی مسئلہ کا جو حل تجویز کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ مدارج معیشت کی مساوات قائم کرنی نہیں چاہتا لیکن حق معیشت کی مساوات ضرور قائم کرتا ہے یعنی وہ کہتا ہے، یہ بات ضروری نہیں کہ سب کو ایک ہی طرح پر سامان معیشت ملے لیکن یہ ضروری ہے کہ ملے سب کو اور سعی اور ترقی کی راہ یکساں طور پر سب کے سامنے کھل جائے۔ اُس نے ہر طرح کے نسلی، خاندانی، جغرافیائی، اور طبقاتی امتیاز مٹا دئے۔ انسانی زندگی کے ہر میدان میں انسانی مساوات کا اعلان کر دیا اس نے وہ تمام رکاوٹیں دور کردیں جو سوسائٹی کے اونچے

طبقوں نے کمزور افراد کی خوشحالی و ترقی کی راہ میں پیدا کر دی تھیں! اُس نے قانون سازی کے ذریعہ دولت کا احتکار و اختصاص روک دیا، اُس نے زندگی کے ہر گوشہ میں دولت کے اکتناز کی جگہ دولت کی تقسیم پر زور دیا اُس نے اس بات سے قطعاً انکار کر دیا کہ دولت مندی بجائے خود کوئی حق ہے۔ اُس نے بے اعتدالانہ سرمایہ داری کی تمام راہیں روک دیں، اُس نے سود کی ہر شکل حرام کر دی، اُس نے جوئے کو کسی حال میں جائز نہ رکھا۔ پھر ان تمام باتوں سے بڑھ کر یہ کہ انسانی زندگی کے اعمال حق میں انفاق فی سبیل اللہ کو سب سے زیادہ نمایاں جگہ دی اور ہر کمانے والے فرد کو سالانہ ٹیکس کے ذریعہ مجبور کر دیا کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ دوسروں کے لئے بھی نکالے۔ بس یہ نقشہ ہے جو اسلام نے اجتماعی نظام کا بنایا ہے۔

لیکن سوشیلزم صرف اتنے ہی پر قانع نہیں رہنا چاہتا۔ وہ آگے بڑھنا چاہتا ہے! اور چاہتا ہے انفرادی ملکیت کی جگہ قومی ملکیت کا نظام قائم کر دے اور مدارج معیشت کا اونچ نیچ معدوم ہو جائے۔ وہ یہ اصل تسلیم نہیں کرتا کہ احوال معیشت کا اختلاف قدرتی ہے اور اجتماعی زندگی کی سرگرمی و ترقی کے لئے محرک وہی ہے۔ وہ کہتا ہے، اس وقت تک حالت ایسی ہی رہی ہے لیکن اگر سوسائٹی کا نظام مساوات معیشت پر قائم کیا گیا تو دوسری طرح کی ذہنی اور معنوی محرکات پیدا ہو جائیں گی، اور کارخانۂ معیشت کی سرگرمی اس طرح جاری رہے گی جس طرح اس وقت تک جاری رہی ہے۔

دُنیا کا اس وقت تک کا تجربہ اس کے خلاف ہے اور روس کا نیا تجربہ بھی اس وقت تک اپنے نظریوں کو عملیت کا جامہ نہیں پہنا سکا۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ سوشیلزم کو اس مطالبہ کا حق ہے کہ مزید تجربہ کا موقع دیا جائے و لتعلمن نبأہ بعد حین!

ایک سوشلسٹ سے

از

مولینا عبدالماجد دریابادی

ایک سوشلسٹ سے

(منقول از صدق)

اودھ کے ایک عالی خاندان جو اپنی سوشلسٹ جماعت میں ایک ذمہ دارانہ حیثیت رکھتے ہیں، اُن کا ایک طویل مکتوب وصول ہوا ہے۔ چند ناگزیر ترمیمات کے بعد بجنسہ درج ذیل ہے:-

مولانا محترم۔ آداب!

آپ سوشلسٹوں سے ناراض ہیں مگر اُن کے خیالات کو سمجھ کر اُن پر تنقید نہیں کرتے! اسی طرح عیاشی اور آوارگی پر آپ کی لاعلمی بہت زیادہ ہے۔

عام طور پر یہ خیال ہے کہ سوشلسٹ وہ لوگ ہیں جو اپنی بدمعاشی آوارگی کو چھپانے کے لئے اس نام کا لیبل لگا لیتے ہیں۔ یا وہ لوگ ہیں جو آپ کے ایسے بزرگوں کے پاک خیالات سے واقف نہیں۔ مگر کیا عرض کروں یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ دو چار نام کے سوشلسٹوں کو چھوڑ کر باقی جتنے ہیں سب کو اس کا لیبل لگاتے ہی وہ قربانیاں کرنی پڑتی ہیں جو معمولی آدمی برداشت بھی نہیں کر سکتا۔

آپ اسلامی طور پر دنیا کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں، جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں زکوٰۃ خیرات وغیرہ کی مدد سے لیکن آپ نے کبھی مزدوروں اور مل مالکوں کے مسئلہ پر غور نہیں فرمایا ہے کہ اسلامی طور پر ان کے جھگڑے کا کیا حل ہو سکتا ہے؟ طبقہ دار کشمکش کا حل سوا اس کے اور ہو ہی کیا سکتا ہے کہ کارخانے مزدوروں کے ہو ہی نہیں؟ اسی طرح کسانوں، زمینداروں اور برطانوی حکومت اور ہندوستانی رعایا؟ اُن کی تحریروں سے میں صرف یہ سمجھ سکا ہوں کہ ان جھگڑوں کا حل یوں ہو سکتا ہے کہ اسلامی

حکومت قائم ہو جائے لیکن اسے کون قائم کرے۔ اور کیوں قائم کرے؟ یہ ہو سکتا ہے کہ ملک کے مالک ہیں آ
اور والیانِ ریاست باہم مل کر اسلامی حکومت قائم کرلیں، ہم لوگوں کے نزدیک ان میں یہ خواہش پیدا ہونا
ناممکن ہے لیکن اگر آپ کے خیال میں ممکن ہے تو ان کو نصیحتیں کیجئے۔ اپنا صدق ان کے پاس بھیجئے لیکن
آپ تو نصیحتیں کرتے ہیں غریبوں مزدوروں اور کسانوں کو۔

مزدور اور کسان بھی مل کر اسلامی حکومت قائم کر سکتے ہیں۔ مگر اس کے لئے کوئی راستہ چاہئے۔
اسوقت جو راستہ سامنے ہے وہ ہندو مسلم اتحاد، کسان سبھا، مزدور سبھا، کانگرس، اسٹرائک، لگان بندی
ستیہ گرہ کا راستہ ہے ان چیزوں کے بارے میں عملی اور نظری بکثرت تجربات ہیں، لوگ برابر تجربے کر رہے ہیں
اور کامیاب ہو رہے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس راہ چل کر جو حکومت قائم ہوگی وہ عام ہندوستانیوں کی
ہوگی نہ کہ اسلامی حکومت۔ آپ اگر اس پروگرام کو غلط سمجھتے ہیں، تو کوئی دوسرا پروگرام پیش کیجئے
جو واقعات پر مبنی ہو اور اس زمانے سے میل کھاتا ہو۔ اور اگر اس پر آپ کو پورا عقیدہ ہو تو تھوڑا سا عمل
کر کے دکھائیے۔

عیاشی اور زنا کے بھی آپ بہت خلاف ہیں۔ مگر اس میں بھی آپ کی نگاہوں میں راجہ صاحبان اور
بہت اونچی بیسوائیں ہیں۔ آپ وسط طبقے کے نوجوانوں کو بھول گئے۔ جو لڑکپن سے نوجوان اور نوجوان سے
جوان اور پھر بوڑھے ہو جاتے ہیں، مگر کبھی اتنا پیسہ نہیں ہوتا کہ شادی کر سکیں، اور ساتھ ہی ساتھ آپ
شہوت کی طاقت کو بھول جاتے ہیں۔ بیسواؤں پر غور کرتے وقت آپ ان کروڑوں مکھیوں کو بھول جاتے
ہیں، جو دو دو آنے پر تین تین چار چار اندھے، لولے، کانے، بیمار، بدبو دار مردوں کے ساتھ رات بسر کرتی ہیں
کیا ان کا پیشہ شہوت اور عیاشی کی وجہ سے ہوتا ہے؟

آپ اگر صرف جرائم خلاف وضع فطرت کے اسباب پر غور کریں تو بھی زنا کا مسئلہ کافی صاف ہو جائے
ان پر غور کرنے کے لئے مناسب ہوگا کہ زندگی میں گھس کر زندگی کے ان طوفانی لہروں کا مطالعہ کیجئے

جو انسانی جوہروں کو بات کی بات میں کچھ بنا دیتے ہیں جو نفس انسانی روح کی ان تباہیوں کو بھگت یا بھگت چکا ہو، اس کی نگاہ میں کیا قیمت ہو سکتی ہے آپ کی نصیحتوں کی میں آپ کو سیکڑوں صحیح واقعات سنا سکتا ہوں جن سے شہوت اور غریبی کا قریبی تعلق معلوم ہو سکتا ہے

مراسلہ نگار صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ مکتوب الیہ کے لئے اظہار خیال کا ایک اچھا اور مناسب موقع بہم پہنچا دیا۔ سوشلزم سے متعلق اس کا مطالعہ وسیع یقیناً نہیں لیکن جتنا بھی کچھ ہے۔ شاید نا کافی وغیر وقیع نہ کہا جا سکے۔ کارل مارکس اور لینن کے خیالات خود انہیں کی زبان سے جہاں تک انگریزی میں منتقل ہوئے ہیں، سن لئے گئے ہیں۔ برنارڈ شا وغیرہ انگریز سوشلسٹوں سے تو اور کچھ واقفیت ہے روس کے تجربہ کی حکایت بعض صاحبان تجربہ ہی کی زبان سے سننے میں آ چکی ہے جنسیات و شہوانیات سے متعلق مطالعہ تو ایک حد تک وسیع بھی کہا جا سکتا ہے۔

سوشلسٹ طبقے کی تو بازیاں نہ پہلے زیر بحث تھیں، نہ اب ہیں گفتگو صرف سوشلزم کی تعلیمات کی صداقت کے باب میں ہے۔ اور قربانیاں حق و صداقت کی دلیل کسی معنی میں بھی نہیں بن سکتیں۔ اہل باطل نے باطل کی حمایت و نصرت میں ظاہر ہیں نظروں میں ہمیشہ اہل حق ہی کی طرح جوش و علو حمیت و غیرت دکھلائی ہے

یہ آپ نے سچ لکھا کہ بدقسمتی اصلاح حالات ہماری اسلامی اصول پر کرنے کی دعوت دیتا رہتا ہے اور اس کے تحت میں زکوٰۃ کی ادائی، صدقات کی تنظیم، جائداد کی عادلانہ تقسیم، سود کی حرمت، اسراف کی حرمت چاندی، سونے، غلہ وغیرہ کی تجارتوں پر عادلانہ قیود، مہر و دیگر مالی حقوق واجبہ کی ادائی کا اہتمام قرضداروں کے حق میں آسانیاں، غرض اسلامی مالیات کا نظام پورے کا پورا آجاتا ہے۔ اس کے بعد وہ طبقہ دار کشمکش سرے سے باقی ہی نہیں رہ جاتی، جو آج عطائیوں و اناڑیوں کے علاج کی بنا پر دنیا کے سر پر کابوس بنکر مسلط ہو گئی ہے۔ طبیب حاذق کا نسخہ پوری طرح موثر جبھی ہو سکتا ہے، جب اس کے ہر جزو، اس کی ہر تدبیر، اس کے بتائے ہوئے پرہیز اس کی تجویز کی ہوئی

غذا، غرض سب پر پورا عمل ہو۔ اسلامی نظام حکومت قائم ہو جانے کے بعد اول تو یہ بڑے بڑے کارخانے یہ بڑی بڑی ملیں خود ہی زیادہ نہ رہ جائیں گی، اور اگر رہیں بھی تو اتنا تو بہرحال یقینی ہے کہ معاملہ "مالکوں" اور "مزدوروں" کے درمیان نہیں، بلکہ معاملت و معاشرت دونوں "بھائیوں" بھائیوں کے درمیان رہ جائے گی۔ جزئیات فقہ میں تو مسئلہ یہاں تک ملتے ہیں کہ قلی سے اسباب اٹھوانا، کرایہ کی سواری پر قدم رکھنا اس وقت تک جائز نہیں، جب تک قلی سے یا سواری والے سے اس کی مرضی کے مطابق اجرت طے نہ کر لی جائے، اور مزدوروں کے لئے تو حدیث میں صراحت ہے کہ ان کی اجرت فوراً ان کے حوالے کر دو قبل اس کے ان کی جلد کا پسینہ خشک ہونے پائے!

یہ باتیں محض خیالی اور نظری نہیں، دنیا ان کا عملی نمونہ سالہا سال تک دیکھ چکی ہے۔ عثمانؓ جیسے غنی (آج کی اصطلاح میں سرمایہ دار) اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے امیر کبیر ایک ہی دسترخوان پر بے تکلف سلمان فارسیؓ اور عمار بن یاسرؓ اور ابو الدرداءؓ اور ابوہریرہؓ کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ آج رونا اس کا ہے کہ زمیندار کاشتکاروں کو پیسے ڈالتے ہیں۔ حالانکہ ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ تو بادشاہتوں کے مالک تھے۔ اور بڑے سے بڑے زمیندار سے کہیں زیادہ طاقت، اور حکومت و مقدرت رکھتے تھے، پھر وہاں بھی کبھی حکومت کے مظالم کا شکوہ کیا گیا، تشدد کا رونا پڑا؟ یا یہ بات ہے کہ عرب میں آزادی خودداری کا احساس ہندوستانیوں سے کم تھا؟ اسلام کے حلقہ بگوشوں کو چھوڑیئے، اسلام کے نکتہ چیں مورخ ان بادشاہوں کے طرز عمل سے متعلق کیا لکھ گئے ہیں۔[1]

اسی طرح امارت و ثروت کا اختلاف بھی ایک حد تک ناگزیر ہے۔ کوئی امیر ہوگا کوئی غریب، کوئی حاکم ہوگا کوئی محکوم۔ سوشلزم، کمیونزم یا کوئی بھی "ازم" جو ہو اس تنوع کو مٹا دینا چاہتی ہے۔ دنیا کو تماشہ گاہ کثرت کے

---

[1] عمر فاروقؓ فرمانروائے حجاز و یمن و نجد و مصر و عراق و ایران و شام و فلسطین سے متعلق نولڈیکی (مشہور جرمن مستشرق) کے الفاظ ہیں۔

بجائے جبر کا وحدت بنا دینا چاہتی ہے، وہ فطرت سے جنگ کر رہی ہے۔ قرآن مجید میں حکیمانہ آیت ولا تتمنوا ما فضل اللہ بعضکم علی بعض اسی جانب مشیر ہے۔ مراتب تکوینی میں شیون اعتبارا دیگا میں اختلاف و تفاوت جزء فطرت ہی ہے لیکن اس کی بنا پر ظلم و تحقیر کا حق کسی نہیں۔ با عتبار حقوق بشری سب یکساں ہیں انسانی مشینوں کے پرزوں کی طرح اس کائنات کی مشنری کا بھی ہر پرزہ اپنی جگہ پر اپنا فرض منصبی ادا کر رہا ہے اور بڑے پرزہ کو ہرگز چھوٹے سے چھوٹے پرزہ کی بھی تحقیر کا حق حاصل نہیں۔ بس یہ نکتہ خوب ذہن نشین کرایا جائے تو سارے سوالات از خود رفع ہو جاتے ہیں۔

تعاون یا تنازع:۔ شریعت فطری نے محض الہیات پر قناعت نہیں کی، اخلاقیات، معاشریات سب کے نظام الگ الگ مقرر کئے، سب ایک دوسرے کو زور تقویت پہنچانے والے۔ یہ تو فرنگیوں کا جاہلانہ فلسفہ تنازع للبقا ہے جس نے فرنگستان اور ہندوستان سب کے دماغوں پر مسلط ہو کر، سرمایہ داروں، سرمایہ شکنوں سب کے نزدیک ایک مستقل اور مستمر صورت کشمکش اور "تنازع" کی مختلف طبقات انسانی کے درمیان ناگزیر بنا دی ہے۔ اسلام نے اس تمام غلط و گمراہ کن فلسفہ ہی کی جڑ کاٹ دی ہے۔ اور وہ قائل "تنازع" کا نہیں "توافق للبقا" کے اصول کا ہے۔ اس نے جو "امت" کا تخیل قائم کیا ہے اس میں سب ایک دوسرے کے حریف و رقیب نہیں، شریک، ہمدرد و غمگسار رہتے ہیں۔ امراء کا وجود اس کے ہاں اس لئے نہیں کہ وہ غصب کر کر کے امیر سے امیر تر ہوتے جائیں بلکہ اس لئے کہ اپنی دولت جتنی زیادہ غربا کے کام میں لگا سکتے ہوں لگائیں۔ بادشاہ رعایا پر "حاکم" نہیں ہوتا، محض "راعی" ہوتا ہے، نگہبان، خبر رکھنے والا، ٹرسٹی، متولی۔ حاکم صرف حق تعالیٰ ہے۔ اور تو اور بادشاہ قانون ساز تک نہیں قانون ساز صرف اللہ ہے۔ اسلامی بادشاہ کا کام صرف انہیں قوانین کا نافذ کرنا، اس انتظام الٰہی کو چلانا ہے۔ رعایا کا ہر فرد اس پر نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں کہ فلاں امتحان پاس کر کے فلاں

مقدار جائداد کا مالک ہونے کے بعد ووٹ کا حق حاصل کر سکے۔

ساری امت میں مسئولانہ ذہنیت کے پیدا کرنے اور ذمہ داری کی روح دوڑا دینے کے لئے کیا اچھا طریقہ اسلام نے اختیار کیا ہے کہ زور **حقوق** پر نہیں بلکہ تمامتر **فرائض** پر دیا۔ اور یہ مقام منجملہ اُن مقامات کے ہے جہاں قانونِ اسلام کی بلندی تمام دوسرے قوانین سے تمام انسانی شریعتوں سے علانیہ ممتاز نظر آتی ہے۔ آج سارے شر و فساد کی بنیاد بھی "حقوق طلبی" کا خبط ہے! اسلام نے حکم بڑوں کو دیا کہ اپنے چھوٹوں کے ساتھ رحم و شفقت و ادائے حقوق فرض ہے۔ امیروں کو بتایا کہ غریبوں مفلسوں مسکینوں کی خبرگیری ان پر فرض ہے۔ شوہروں کو جتلایا کہ بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک اُن پر فرض ہے۔ غرض امت کے ہر طبقہ پر، ہر طبقے کے ہر ہر فرد پر فرائض کا عمل ایسا چپکا دیا کہ اس کے بعد کوئی سوال کشمکش کا، مسابقت کا، ایک دوسرے کو کہنی سے مار کر پیچھے ہٹا دینے، گرا دینے کا باقی ہی نہیں رہ جاتا!

دریافت کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت کونسا طبقہ قائم کرے گا؟ جواب میں عرض ہے کہ زردار اور نادار دونوں مل کر۔ وہ حکومت سب کی ہوگی ہر طبقہ کا اس پر یکساں حق ہوگا۔ اور یہ طبقوں کا نام بھی آپ کے مذاق کی رعایت سے لیا جا رہا ہے۔ ورنہ حقیقۃً جس معنی میں "طبقہ" کا لفظ بولا جاتا ہے، اس کے لحاظ سے تو کوئی مستقل طبقات اُمتِ اسلامیہ کے اندر ہونے ہی کے نہیں۔ یہ جواہر لال اور دوسرے سوشلسٹ لیڈر بار بار کا نام لیتے ہیں، اس اسم کا مسمیٰ دنیا میں پایا گیا ہے، تو وہ امتِ اسلامیہ ہی تو ہے۔ اسلامی حکومت قائم کرنے میں معین و شریک ہر وہ فرد ہوگا جسے اپنا اسلام عزیز ہے، اور غربا کا طبقہ قدرۃً اس میں پیش پیش ہوگا جیسا کہ اس کے قبل ہر اصلاحی و ربانی تحریک میں ہوتا آیا ہے۔ حمدیق کے پاس بس کے سوا اور کوئی پروگرام نہیں۔ وہی پیام وہ پہنچاتا رہتا ہے

طبقۂ امراء سے زیادہ طبقہ عوام و غرباء میں امراء ہیں تو اس کے خریدار دس ہی بیس ہوں گے باقی پچاسوں اور سیکڑوں کی تعداد میں وہ عوام اور غرباء ہی کے ہاتھ میں پہنچا رہتا ہے۔ اس کی "نصیحتیں" جو بھی کچھ اور جیسی بھی کچھ ہیں، والیانِ ریاست اور قلی و مزدور سب کے لئے یکساں کھلی ہوئی ہیں۔ یہی ایک دوا ایسا ہے، جو "واقعات اور واقعیت پر مبنی ہے" اور "اس زمانہ اور ہر زمانے سے میل بھی کھاتا ہے"۔

اسلام کا ظاہری قانون ہزار مکمل سہی، اس کا مالی نظام لاکھ حکیمانہ سہی، اس کی تقسیم دولت کیسی ہی عادلانہ سہی، مفاسد کے سدِ باب اور شر و مضرت کے انسداد کے لئے ضرورتھا کہ ان مادی قوانین کو مدد اور قوت پہنچائی جائے اخلاقی قوت سے۔ اور ایک بڑی اخلاقی قوت کا نام **قناعت** ہی ہے! اور اسلام نے اس کی تربیت کا خاص اہتمام کیا ہے۔ قناعت ضد ہے ہوس کی، اور **قناعت** نام ہے **ضبطِ ہوس** کا، ایک بہت سادہ اور آسان سی ریاضت نفس ہے، خدا معلوم آپ نے اسے اس قدر کیوں دشوار سمجھ لیا۔

جس طرح دین اور شریعتیں صرف دو ہی ہیں، ایک توحیدی، دوسری لا توحیدی، اسی طرح حقیقۃً تمدن و تہذیب کی بھی دنیا میں کُل دو ہی قسمیں ہو سکتی ہیں، وہی ایک توحیدی، دوسری لا توحید یہ لا توحیدی یا باطل تہذیبیں چونکہ زندگی کی غلط تفسیریں، مسائل کائنات کی غلط تعبیر ہوتی ہیں، اس لئے ان کے فتنوں اور رخنوں کے امکانات بہت زاید اور قوی رہتے ہیں۔

تقسیم دولت کے معاملہ میں بھی بنیادی غلطی یہ ساری باطل تہذیبیں کرتی آئیں، اور آج کر رہی ہیں۔ افراد کے درمیان دولت کی نامساوی تقسیم ایک مشاہدہ اور واقعہ ہے۔ اس سے تو کسی انکار ہی نہیں۔ سوشلزم اور کمیونزم کی لا توحیدی تہذیب نے اس کا علاج حسبِ معمول سطح بینی سے کام یہ تجویز کیا کہ ذاتی ملکیت کو مٹا دیا جائے، اور دولت کو افراد کے ہاتھ سے نکال کر اسٹیٹ (حکومت) طرف منتقل کر کے، افراد کو اس کا مساوی حصہ دار بنا دیا جائے۔ یہ علاج بالکل ایسا ہی "عطائیانہ"۔

جیسے کوئی عطائی کسی مریض کو شدید بخار میں جلتے بھلستے دیکھ کر غایت شفقت و ہمدردی سے یہ تجویز کرے کہ مریض کو خارجی ذرائع سے خوب ٹھنڈ پہنچاؤ، پنکھا جھلو، ٹھنڈا پانی جسم پہ ڈالو، اس سے گرمی مٹ جائے گی!

شریعت اسلام نے اس کے برعکس، مرض کے اصل اسباب و حقیقی نوعیت پر نظر کی، اور حسب معمول حکیمانہ دقت نظر سے کام لے کر نظام معاشرت ہی ایسا رکھ دیا جس میں ایک جگہ اجتماع دولت کی نوبت ہی حتی الامکان نہ آئے، اور اگر کبھی آ ہی جائے تو اس کے مفاسد تو بہرحال رونما ہونے پائیں! ایک طرف تو اس نے ذاتی ملکیت شخصی جائداد کا حق پوری طرح تسلیم کر کے انفرادی جدوجہد کو جاری رہنے کا پورا موقع دیا، دوسری طرف سود کو ہر صورت اور ہر حال میں حرام قطعی قرار دے کر نظام سرمایہ داری کی جڑ ہی کاٹ دی پھر ترکہ وراثت میں جائداد کی تقسیم عادلانہ رکھی محروم کسی وارث کو بھی رہنے نہیں دیا، زرداروں پر ناداروں کی امداد فرض کر دی یعنی یہ امداد ناداروں پر کوئی احسان نہیں، اُن کے ساتھ کوئی رعایت نہیں جسے وہ قبول کرتے شرمائیں یا اس کی بنا پر زرداروں میں کوئی جذبۂ افتخار پیدا ہو اور ان سب کے علاوہ دولت و ثروت کو ایک امانت الٰہی کا مرتبہ دیا اسراف نمائش نفس پرستیوں کو دین و اخلاق کی عدالت میں مستقل جُرم قرار دیا اس طرح دولت کی مُساویانہ تقسیم کی غلط کوشش کے بجائے اس کی عادلانہ تقسیم پر زور دے کر بجائے ایک بگڑی اور مخاصمت کی چیز کے اسے خلق کے حق میں ایک نعمت اور رحمت بنا دیا۔

اسلام کی حکیمانہ شان مسئلہ دولت و ثروت سے بھی کچھ بڑھ کر مرد و عورت کے تعلقات جنسی کے باب میں نظر آتی ہے مرد کی شہوانی قوت کی طاقت کو اسلام بھولا ہر گز نہیں ہے، اس کی تو اس نے اپنے قانون میں ہر جگہ رعایت رکھی ہی ہے اور اپنے نظام معاشرت میں ہر قدم پر اس کی اہمیت تسلیم کی ہے نکاح میں دشواریاں کچھ بھی نہیں۔ دائرۂ انتخاب نہایت وسیع بجز معدودے چند سگے رشتہ داروں مثلاً ماں باپ، بھائی بہن، چچا، ماموں، وغیرہ کے ہر مرد کا نکاح ہر عورت کے ساتھ جائز۔ نکاح کے وقت مصارف کچھ بھی نہیں۔ عورت کی طرف سے جہیز، مرد کی طرف سے رقم مہر، دونوں محض حسب حیثیت اس کے اہتمام کا بار کسی فریق پر بھی نہ پڑنے پائے۔ انعقاد معاہدۂ نکاح کے لئے صرف فریقین کی رضامندی دو گواہوں کے سامنے بالکل کافی۔

محض خیالی اور نظری مباحث پر اکتفا نہ کیجئے بلکہ واقعات و مشاہدات پر رکھئے کیا عہد خلفائے راشدینؓ میں مفلس عورتیں تھی ہی نہیں؟ اسلامی نظام معاشی نے ان کی تعداد اس میں شک نہیں کہ زیادہ سے زیادہ گھٹا دی تھی تاہم کچھ تو تھیں ہی پھر وہ تو کوئی بھی اس گندہ پیشہ پر مجبور نہ ہوئیں؟ خود آج کیا نجد میں، یمن میں، حجاز میں، افلاس کا وجود نہیں ہے؟ یا وہاں کتنی تعداد طوائفوں کی ہے؟ طوائفوں کی تاریخ (ہسٹری آف پراسٹیٹیوشن) پر اسکاٹ، بلوخ، وغیرہ کی تصنیفات کی ہوئی متعدد کتابیں موجود ہیں، ان کا مطالعہ فرمایا جائے، پیشے کے اسباب و محرکات افلاس و بے زری نہیں، عموماً دوسرے ہی دوسرے ملیں گے، ہندوستان میں تو یہ پیشہ مسلمان ناظرین کیسے یقین کریں گے؟ ایک زمانے میں مقدس رہ چکا ہے بہت سے مندروں میں "دیو داسیوں" کا وجود اب تک اس عقیدے کو زندہ کئے ہوئے ہے، انگلستان، فرانس، امریکہ، اور خود سوویٹ روس میں طوائفی کا جو زور ہے (خواہ بحیثیت پیشہ ہو یا محض شوقیہ اور اب زیادہ تر شوقیہ ہی ہے) اس کا حال کسی سے مخفی نہیں، ان متعدد تصانیف میں ملاحظہ فرمایا جائے جو یہاں کے محققین نے، مردوں، عورتوں دونوں نے، شائع کی ہیں۔

عورت کا مفلسی کی بنا پر بجائے نکاح اور دوسری جائز ذرائع معاش کے عصمت فروشی پر آمادہ ہو جانا تو قابل فہم ہے "لا باقی" مرد کا مفلسی کی بنا پر ادھر بھی متوجہ ہونا اور زیادہ بعید از فہم ہے، بیوی کو الگ رکھنے میں جو کچھ خرچ ہوتا ہے کیا وہ اس سے زیادہ ہے جو بازاری عورتوں (وہ ادنیٰ طبقہ کی سہی) کی اجرتوں پر، ان کی فرمائشوں پر، بیماریوں کے علاج معالجہ یا اگر ان امراض خبیثہ سے بچنا ہے تو اس بچاؤ کے لئے قیمتی آلات اور دواؤں پر برابر خرچ کرتے رہنا ہوتا ہے؟ کفایت کا خیال اس طریق کے اختیار کرنے میں، سرتاسر دھوکا ہی دھوکا ہے، حرام کاری، اگر انسان ذرا بھی سوچ بچار سے کام لیکر کرے، نکاح سے کہیں زیادہ گراں پڑتی ہے، مرد کے لئے بھی اور عورت کے لئے بھی۔

آخری عرض یہ ہے کہ جس طرح فن طب یکسر اپنا نظام ہے، متفرق دواؤں کے رٹ لینے کا نام طب نہیں، شریعت اسلامی ایک مکمل عظیم الشان نظام ہے، ہر جزو دوسرے جزو سے مربوط، ہر شاخ، ہر شعبہ دوسری شاخ، دوسرے شعبہ سے وابستہ، کسی ایک جز کی تحقیق پوری طرح ممکن نہیں جب تک مجموعہ پر نظر نہ ہو، آئین شریعت اپنے سارے معاشی، اخلاقی، قانونی، معاشرتی پہلوؤں کے ساتھ جہاں کہیں نافذ ہو جائے، وہاں مسئلہ دولت ہو، مسئلہ زن و مرد ہو، یا اور کوئی جزئیہ، یہ سارے مسائل خود حل ہو کر رہیں گے بلکہ صورت حال ایسی ہو جائیگی فضا ایسی ہو جائیگی کہ یہ سوالات پیدا ہی نہ ہوں گے۔

اشتراکی اور اسلامی نظریات

جناب محمد مظہر الدین صاحب صدیقی بی۔اے حیدرآباد دکن

اشتراکی اور اسلامی نظریات

جو لوگ اشتراکیت اور اسلام کے امتزاج سے ایک نیا مرکب تیار کرنا چاہتے ہیں، اور یہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام اور اشتراکیت کے درمیان کوئی بنیادی تضاد نہیں ہے، وہ انتہائی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، اشتراکیت ماورائے مادہ کسی حقیقت کو ماننے کیلئے تیار نہیں ہے حالانکہ اسلام سب سے پہلا مطالبہ انسان سے یہ کرتا ہے کہ وہ چند بنیادی حقائق پر ایمان لے آئے، جو تجربہ کی رسائی سے ماوراء اور عقل کے حدود سے بالاتر ہیں۔ اسلام کی ساری تعلیم خدا کے تصور اور آخرت کے یقین پر قائم ہے، اور کوئی شخص اسلامی سوسائٹی کا رکن نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ وہ خدا کی ذات و صفات اور حیاتِ اخروی کے [illegible] حقائق کو بے چون و چرا تسلیم نہ کرلے۔ اس کے برخلاف کوئی شخص کمیونسٹ پارٹی میں شرکت نہیں کرسکتا ہے، جب تک کہ وہ خدا کے وجود اور آخرت کے تصور کا منکر نہ ہو، اس بنیادی فرق کو سمجھ لینے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ معاشی امور کے متعلق اسلام اور اشتراکیت کے نقطۂ نظر میں کیا فرق ہے۔

دائرۂ معاشیات، اسلام و اشتراکیت کا فرق :- غور سے دیکھئے تو معاشیات کے دائرے میں بھی یہ دونوں ایک دوسرے کے ضد ہیں۔ اشتراکیت معاشی خوشحالی کے حصول کو مقصد بالذات قرار دیتی ہے اس کا مبتداء و منتہا اور مقصد و غایت ہی مادی فراغت اور معاشی مساوات ہے۔ اس کے برخلاف اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حصولِ معیشت اور اکتسابِ مال بجائے خود کوئی مقصد نہیں ہے، بلکہ وہ ایک وسیلہ ہے اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کا، اسلام نے چونکہ انسان کو زمین پر خدا کا خلیفہ اور اس کا نائب قرار دیا ہے، اور اس حیثیت میں اس کے تفویض یہ منصب کیا ہے کہ وہ انفرادی طور پر خدا کی ذات و

صفات سے قربت و مشابہت حاصل کرے اور اجتماعی حیثیت سے خُدا کے قانون کو انسان کے خود ساختہ نظریات
قوانین پر بالاتر کرے، اس لئے وہ معاشی اصلاح کو اس نصب العین کے حصول کا ایک ضروری وسیلہ قرار دیتا ہے اور
اور انسان کے معاشی مسئلہ کو اسی حیثیت پر قائم رکھنا چاہتا ہے، اس کو نہ کسی خاص طبقہ سے دشمنی ہے، نہ وہ
یبوں کو دولتمند افراد سے رشک و حسد کرنا سکھاتا ہے، اور نہ اسے بورژوا یا متوسط طبقہ سے نفرت ہے، وہ معاشی اصلاح
ذریعہ دولت کو محدود ہو جانے سے روکتا ضرور ہے لیکن اس کا اصل مقصد انسان کے اخلاقی احساس کو اتنا بیدار
قوی کر دینا ہے، کہ ہر فرد اخوت و ہمدردی کے جذبہ سے سرشار ہو جائے اور دوسروں کے مصائب و تکالیف میں
کو مالی اعانت کرنا اپنا دینی فرض خیال کرے، وہ ایسی سوسائٹی تعمیر کرنا چاہتا ہے جس میں دولت سمٹ سمٹا کر ایک محدود
م کے ہاتھوں میں نہ چلی جائے، بلکہ وہ سوسائٹی کے زیادہ سے زیادہ افراد کے درمیان پھیلے اور گردش کرے۔

نیز مصارف کی تاکید:- اسلام کے اس سرمایہ دارانہ ذہنیت کو مٹانے کی پوری کوشش کی ہے وہ دولت کو
صل کرنے میں بڑی بیباک ہے، لیکن اس کے صرف کرنے میں بےحد تنگدل ہے، وہ کہتا ہے، کہ تم دولت کما سکتے ہو
ن یہ حق نہیں رکھتے ہو کہ اس کے انبار لگاتے رہو، یا صرف اپنی راحت و آرام پر صرف کرتے رہو، تا زادِ زکوٰۃ کے بعد
مجید میں شاید ہی کسی اور بات کو دہرایا گیا ہو جتنا اس بات کو، کہ دولت خدا کی راہ میں صرف کرتے رہنا چاہیئے،

خاندانی تنظیم تقسیم دولت:- دولت کو زیادہ سے زیادہ افراد میں تقسیم کرنے کی غرض سے اسلام نے
اندانی نظام کو باقی رکھنا ضروری سمجھا، کیونکہ خاندان انسانی زندگی اور تمدن کی ایک قدرتی اکائی ہے، اور
نیا کے تمام خارجی نظامات میں سب سے زیادہ مستحکم اور بھروسہ کے قابل ہے، حکومتیں بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں،
یاسی اور معاشی انقلابات کی آندھیاں آتی اور گذر جاتی ہیں، طبقاتی تقسیم بدلتی رہتی ہے لیکن خاندان اپنی جگہ
مضبوطی سے قائم ہے اور رہیگا، اشتراکیوں اور دوسرے خیال پرستوں کے با وجود انسانی تمدن پر وہ دور کبھی
میں آیا ہے اور نہ آسکتا ہے، جب انسان خاندانی رشتوں اور پیوندوں سے اپنا پیچھا چھڑا سکے، جہاں بھی دو میں
ہی بسیں گے شادی بیاہ ہوگا، شوہر بیوی، ماں باپ، بھائی بہن، داماد خسر کے رشتے ہوں گے، اور انسان الفت و

قرابتوں کے ایک پھیلتے ہوئے سلسلہ میں منسلک رہے گا، انسانی زندگی کی اس فطری وحدت کو اسلام اپنے اخلاقی او
معاشی مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے، اور اس باہمی امداد و معاونت کے جذبہ پر جو فطرتاً خاندان کے افراد میں
یک دوسرے کے لئے موجود ہوتا ہے، مذہبی فرض و احساس کی مہر لگا دیتا ہے تاکہ انسان نفس پرستی اور خود غرضی کی
کیسی ہی شدید حالت سے گذر رہا ہو، کم از کم ایک محدود دائرے میں وہ دوسروں کی امداد پرورش کا ذریعہ بنا ہے
سی غرض سے اسلام نے خاندان کی زندگی کو چھوٹے پیمانے پر امداد باہمی کا ادارہ بنا دیا ہے اور اہل خاندان کے
حقوق و فرائض پر مذہبی احکام کا وزن ڈال دیا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں کئی مقامات پر ذوی القربیٰ کے حقوق کی طرف
توجہ دلائی گئی ہے، اور غیر مستطیع اقرباء کی امداد کو انسان کی پہلی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے، ایک جگہ نہایت بلیغ انداز میں
یہ حکم سنایا گیا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ	اللہ تمہیں حکم دیتا ہے انصاف کا، نیکی کا، اور
وَإِيْتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ	(غیر مستطیع) عزیزوں کی مدد کا، اور تمہیں روکتا ہے فحش
وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ۔	باتوں اور بُرے کاموں سے۔

اپنے قوانین وراثت میں بھی اسلام نے اس امر کو ملحوظ رکھا ہے کہ وراثت افراد خاندان کی زیادہ سے زیادہ
تعداد پر تقسیم ہو، اور اس بارے میں اگر اس کا مقابلہ مغربی ممالک کے مماثل قوانین سے کیا جائے، تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں
میں دولت اس طرح ایک جگہ جمع ہی نہیں ہو سکتی، جیسے کہ مغرب میں وہ ایک خاص حلقہ میں گردش کرتی رہتی ہے۔

زکوٰۃ کی خاص نوعیت:۔ اسلام کے معاشی نظام کا سنگ بنیاد زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ وہ رقم ہے جو صاحب
استطاعت افراد سے لے کر غریبوں اور غیر مستطیع افراد میں تقسیم کی جاتی ہے، یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ زکوٰۃ اس
قسم کی کوئی رقم ہے جو آج کل کی حکومتیں اپنی رعایا سے وصول کرتی ہیں، کیونکہ اس قسم کے جتنے ٹیکس
عوام سے وصول کئے جاتے ہیں وہ ان منافع اور فوائد کے معاوضہ میں لئے جاتے
ہیں، جو عوام کو حکومت کی سرگرمیوں سے حاصل ہوتے ہیں لیکن زکوٰۃ دہ ٹیکس نہ

جو محض غیر مستطیع افراد کی مالی اعانت کے لئے وصول کیا جاتا ہے، اور اس کے معاوضہ میں محصول دہندگان کو حکومت کی جانب سے دنیا میں کسی شکل میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے، اسی لئے زکوٰۃ کے مصارف بھی معین کر دیئے گئے ہیں یعنی زکوٰۃ کی رقم صرف غریبوں کی مالی اعانت میں صرف کی جا سکتی ہے لیکن دوسرے مصارف میں نہیں لگائی جا سکتی ہے۔

چند اعتراض اور جواب :- یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کہ غربا اور حاجت مندوں کی تعداد کے مقابلہ میں زکوٰۃ کی رقم اس قدر قلیل ہوگی کہ اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ حکومت جو معاشی خدمات انجام دیتی ہے مثلاً سڑکوں اور پلوں کی تیاری، آب پاشی اور ہر سازی کے انتظامات، ریلوں اور ہوائی سروس کا قیام یا اسی طرح کے دوسرے کام، ان کے لئے زکوٰۃ کی رقم میں سے ایک پیسہ بھی وہ صرف کرنے کی مجاز نہ ہوگی، اس کے علاوہ جب اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ اسلامی حکومتوں میں معادن . . . . . . پر بھی خمس یعنی پانچواں حصہ وصول کیا جاتا ہے اور اس کا شمار بھی زکوٰۃ میں ہوتا تھا تو پھر یہ اعتراض اور بھی بے معنی ہو جاتا ہے، کہ زکوٰۃ کی رقم غربا کے لئے کافی نہ ہوگی کیونکہ اس طرح زکوٰۃ کی رقم لاکھوں بلکہ کروڑوں تک پہنچ سکتی ہے، ایک اور بے معنی اعتراض اس سلسلہ میں یہ کیا جاتا ہے، کہ زکوٰۃ کو غیر مستطیع افراد پر صرف کرنے سے یہ لوگ ناکارہ ہو جائیں گے، اور ان میں کام کرنے کا حوصلہ باقی نہیں رہے گا، معترضین شاید یہ سمجھتے ہیں، کہ اسلامی حکومت ہر غریب آدمی کو گھر بیٹھے زکوٰۃ کی رقم میں سے اس کا حصہ دیدیا کرے گی، خواہ وہ کوئی کام کرے یا نہ کرے، یہ خیال بالکل غلط ہے، کوئی ہوشمند حکومت افراد ملک کو اس طرح بیکار بیٹھنے کی تعلیم نہیں دے گی، مستحقین تک زکوٰۃ کی رقم پہنچانے کے ہزاروں طریقے ہو سکتے ہیں، جن سے ان کی احتیاج بھی دور ہو جائے، اور بیکار بیٹھ کر کھانے کی عادت بھی نہ پڑے، مثلاً غریبوں کے لئے سستے اور آرام دہ مکانات تعمیر کر سکتی ہے، غریب بچوں کے لئے وسطانی اور تحتانی تعلیم مفت کر دی جا سکتی ہے، غریب طلبہ کے لئے خریداری کتب کا انتظام کیا جا سکتا ہے، غریب کسانوں کے قرضہ کا بار ہلکا کیا جا سکتا ہے یا انہیں اشیاء اور آلات خریدنے

کے لئے رقم دی جا سکتی ہے، بیواؤں کے وظائف مقرر کئے جا سکتے ہیں، غرض کہ متعدد صورتوں میں زکوٰۃ اس طرح صرف کی جا سکتی ہے کہ اس سے فائدہ اٹھانے والے بیکار نہ بن جائیں، اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے، کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ملک کے تمام قدرتی وسائل اور اس کی قدرتی دولت افراد کی نہیں، بلکہ حکومت کی ملک ہے، آئندہ اگر اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آئے تو وہ تمام بنیادی اور کلیدی صنعتیں جن پر صنعتی نظام کا دارومدار ہوتا ہے حکومت کی ملک ہوں گی، ایسی حکومت میں سرمایہ داروں کا زور بالکل ٹوٹ جائے گا، کیونکہ جو صنعتیں انفرادی طور پر اہل ملک کے قبضہ میں رہیں گی وہ بنیادی صنعتوں کی پیداوار سے استفادہ کئے بغیر قائم نہ ہو سکیں گی، اس دعوی کے لئے سب سے مضبوط سند حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ فیصلہ ہے جو آپ نے شام و عراق کی فتوحات کے بعد وہاں کی اراضی ملکیت کے بارے میں فرمایا تھا، ان ممالک کی مفتوحہ اراضی کے متعلق اہل فوج کا یہ مطالبہ تھا کہ وہ ان سپاہیوں اور فوجیوں کو دیدی جائیں جنہوں نے ممالک مذکورہ فتح کئے تھے، اپنے مطالبہ کی سند میں اہل فوج نے رومی سلطنت کے جاگیری نظام کو پیش کیا جس کے تحت شام کی اراضی اس کے اصلی باشندوں سے چھین کر زمیندار اور فوجی جاگیرداروں میں تقسیم کر دی گئی تھیں، اور زمینوں کے اصلی مالکوں کو مزدوروں کی طرح اجرت پر کام کرنا پڑتا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل فوج کے مطالبہ کو نہیں مانا، اور ان کے لئے ماہوار تنخواہیں اور وظائف مقرر کر کے مفتوحہ اراضی کو حکومت کی ملک قرار دیا اور زمینیں ملک کے اصلی باشندوں کو واپس کر دیں، اس طرح جاگیرداری نظام کو کلیتہً مٹا دیا گیا،

جامع معاشی نظام:۔ اسلام کے معاشی نظام کے متعلق اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظام نہ تو خالص اشتراکیت ہے، اور نہ سرمایہ داری بلکہ ان انتہاؤں کے درمیان وہ ایک اعتدال پیدا کرتا ہے وہ ذاتی ملکیت کو باقی رکھنا ضروری خیال کرتا ہے لیکن اس پر ایسے قیود و شرائط عائد کرتا ہے کہ وہ معاشی استحصال کا ذریعہ نہ بننے پائے۔

سطحی مشابہت:۔ معاشی اور دینی اسلام اور اشتراکیت کے درمیان جو کچھ مشابہت نظر آتی ہے،

صرف سطح سے تعلق رکھتی ہے ورنہ اپنی بنیاد اور روح کے اعتبار سے یہ دونوں نظامات میں کوئی مناسبت نہیں ہے اخلاق و معاشرت اور تمدن کے مسائل میں اسلام اور اشتراکیت کے نقطۂ نظر میں زمین و آسمان کا فرق ہے اخلاقی اصلاح کی بابت اشتراکیت کا نقطۂ نظر خارجیت پسندی پر مبنی ہے یعنی وہ انسان کی اخلاقی برائیوں کو خارجی ماحول کی خرابیوں پر محمول کرتی ہے اس کا دعویٰ یہ ہے کہ اگر انسان کا عمرانی ماحول درست کر دیا جائے اسے معاشی آزادی دیدی جائے اور اور سیاسی غلامی کی زنجیروں سے اسے رہا کر دیا جائے تو اس کی تمام برائیاں اور مجرمانہ میلانات خود بخود دور ہو جائینگے کیونکہ جرم اور بد اعمالی کی ترغیب معاشرتی مجبوریوں سے ہوتی ہے اشتراکیت انسانی فطرت کی طرف سے بہت خوش عقیدہ واقع ہوئی ہے اس کے برخلاف اسلام نے نہ تو سینٹ پال کی عیسائیت کی طرح انسان کو پیدائشی گنہگار قرار دیتے ہوئے اس کے متعلق یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ اس کی سرشت سے برائی دور نہیں ہو سکتی ہے اور نہ وہ اشتراکیت کی طرح انسان کے متعلق حسن ظن رکھتا ہے کہ خارجی اور عمرانی ماحول کے درست ہوتے ہی انسان فرشتہ بن جائیگا اس بارے میں بھی وہ اپنے اس اعتدال اور توازن کو نہیں چھوڑتا ہے جو اس کی سب سے بڑی خصوصیت ہے، وہ تسلیم کرتا ہے کہ ایک حد تک انسان کا معاشرتی ماحول اسے برائی کی ترغیب دیتا ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ جہاں عمرانی اور معاشرتی ماحول کی اصلاح سے انسان کی بہت سی برائیاں دور ہو سکتی ہیں وہاں بعض برائیاں ایسی بھی ہیں جن کا عمرانی اور معاشرتی ماحول سے کوئی لازمی تعلق نہیں ہے، اور جو ضبط نفس کی کمی، اخلاقی تربیت کے فقدان اور ماورائے مادہ حقائق پر ایمان نہ لانے سے پیدا ہوتی ہیں اس لئے اگر خارجی ماحول درست کر دوگے، اور یقیناً اسے درست کرنا چاہئے تو بعض برائیاں دور ہو جائیں گی لیکن بہت سی برائیاں اس وقت تک نہیں مٹ سکتی ہیں، جبتک انسان میں وہ اخلاقی احساس پیدا ہو جائے جو حکومت کے جبر و تخویف سوسائٹی کی مدح و ذم اور دنیوی نتائج کے خوف سے بے نیاز ہو کر بھی اُسے نیکی اور سچائی پر قائم رکھے، جو انسان برائی سے اس لئے بچا رہے کہ اس کا ماحول ایسی ترغیبات سے خالی ہے جو اسے برائی کی طرف مائل کریں، وہ یقیناً بہت کمزور بنیاد پر کھڑا ہے کیونکہ ماحول کی ذرا سی خرابی اسے برا بنا سکتی ہے، سیرت کی مضبوطی اور کردار کی بلندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان برائی کے درمیان رہکر بھی اپنی اخلاقی قوت کے باعث اس سے محفوظ رہے، یہ سیرت اور یہ کردار اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب انسان اپنی مادی زندگی کی

آ گئے ایک حیات برتر کا یقین رکھتا ہو جس میں بدی کا نتیجہ نقصان و تکلیف کی شکل میں اور نیکی کا نتیجہ نفع و راحت کی شکل میں اسی قطعیت و تیقن کے ساتھ ظاہر ہو جیسے اس عالم میں طبعی اسباب کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں اسی لئے اسلام نے خدا کے تصور اور آخرت کے یقین کو اپنے اخلاقی نظام کا سنگِ بنیاد قرار دیا ہے۔ اسی کے ساتھ اس نے خارجی زندگی کی اصلاح کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے، درحقیقت وہ زندگی اور تمدن کے مسائل پر ہر طرف سے حملہ آور ہوتا ہے تاکہ ان کیلئے کوئی راہِ فرار باقی نہ رہے، وہ تسخیر کامل کا عزم لے کر اٹھتا ہے جبکہ دوسرے نظامات صرف جزوی تسخیر پر مطمئن ہو جاتے ہیں اور اپنا حملہ کسی ایک نقطہ سے شروع کر کے سارا کھیل بگاڑ دیتے ہیں، کیونکہ اس غلط چال کی وجہ سے خود حملہ آور بعض وقت محصور ہو جاتا ہے،

آخر میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ اشتراکیت کوئی عالمگیر تحریک نہیں ہے بلکہ وہ مغربی دنیا کے حالات اور مغرب کے نفسیاتی اور اخلاقی مزاج کا ناگزیر نتیجہ ہے اس کے اصول اسی نفسیاتی اور اخلاقی ماحول کے لئے کارآمد ہو سکتے ہیں مشرق اور خصوصاً اسلامی ممالک اپنا ایک الگ ماحول رکھتے ہیں اور ان کی تاریخ جن اخلاقی اور نفسیاتی موثرات سے بنی ہے وہ ان عوامل سے مختلف ہیں جنہوں نے مغرب کی تاریخ بنائی ہے، درحقیقت اشتراکی تحریک مغرب کے زوال آمادہ دور کے مٹتے ہوئے تمدن کا آخری مایوسانہ وار ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ وار بھی خالی نہ جائے گا،

اشتراکیت کی صداقت :- اشتراکیت سے ہماری لڑائی اس بنا پر نہیں ہے کہ وہ اپنے اندر کوئی صداقت نہیں رکھتی ہے، وہ ایک بڑی صداقت کی حامل ہے لیکن اس نے اس صداقت پر باطل اور اوہام و تخیلات کے تہ در تہ پردے ڈال کر اصلیت کا چہرہ مسخ کر دیا ہے، اسلامی نظام سے اس کا مقابلہ کرنا بیکار ہے، کیونکہ یہ نظام ایک محکم حقیقت ہے، اور مخالفوں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو دنیا کو مجبوراً گھوم پھر کر اسی طرف آنا ہے،

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ
وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ٥
(صف ع ۲)

(کفار) چاہتے ہیں کہ اپنی پھونک سے اللہ کا نور بجھا دیں، لیکن اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا خواہ کافروں پر یہ بات کتنی ہی گراں گذرے۔

۱۲۴۳

حضرت صدیق رضؓ کا جہاد

(سماجی تحفظ کیلئے)

از

مولف

غلام دستگیر رشید پروفیسر نظام کالج

حضرت صدیقؓ کا جہاد

(سماجی تحفظ کیلئے)

"اگر ہم انہیں زمین پر حکومت دیں تو وہ نماز اور زکوٰۃ قائم کرتے ہیں" (قرآن ۲۲/۴۱)

سرمایہ پرستی اور سامراج پسندی بھی بڑی حد تک بے اطمینانی اور ہلاکت کے اسباب ہیں جن سے ہر انسان آج لرز رہا ہے جب کبھی اس بات کی کوشش کی گئی کہ عوام اس معاشی توازن مالی انصاف قائم کرنے کے لئے حکومت کی مرکزی طاقت معاشی رفتار کو اپنے قابو میں رکھے تو سرمایہ پرستوں نے مختلف بہانوں اور حیلوں کا سہارا لے کر اس کی مخالفت کی آزاد معیشت کا بہانہ اس میں سب سے زیادہ نمایاں تھا مالی نفع کو انسان نے اپنا مقصود و معبود ٹھہرایا جیسے مقصود یا معبود ٹھہرایا جاتا ہے اس کی خاطر ضرورت پر سب کچھ قربان کیا جاتا ہے۔ سرمایہ جب اِلٰہ ٹھیرا تو پھر کیا ہوا؟

معاشی شرک کے ظالمانہ نتائج:۔ انفرادی نفع پرستی کی مشرکانہ ذہنیت نے مخلوقِ خدا کی سود و بہبود اور جماعتی خوشحالی سے بے فکری ہو کر جس انہماک سے تریاق بیچا اسی توجہ سے زہر کی تجارت کی جس تندہی سے تندرستی کے سامان بنے کچھ اس سے زیادہ کمالِ حکمت کے ساتھ جان لینے کے ہتھیار بنائے گئے دولت چند ہاتھوں میں گھر گئی مختار چند ہو گئے مجبور بے شمار ہو گئے تجارتی بحران امیروں اور غریبوں کی معاشی بنیادوں کو ہلا ہلا دینے لگے۔

اصلاح کی جزئی تحریکات:۔ مزدوروں کی انجمنیں بنیں اتحادِ باہمی کی تحریک اٹھائی گئی لیکن یہ سب جزئی تحریکات تھیں۔ ان سب سے زیادہ اہم انقلابی تحریک اشتراکیت کی ہے روس میں اس کے عملی نتائج کی اہمیت قابلِ توجہ ہے بقول اقبالؒ ع تیز نیشے برگ عالم زد است۔ لیکن

اس تحریک کی اخلاقی بنیاد ختم نہیں انسانی ضمیر کے سارے تقاضوں سے کمال درجہ مربوط اور متوازن
نہیں تقسیم دولت کی پر غلبہ ہوا پیدائش دولت پر ناروا اثر پڑا تحریک بھی پورے معنوں میں کامیاب نہیں
اس کی ابتدائیت سے یہ امر صاف ظاہر ہے کہ انفرادی نفع پرستی پر جس معاشی نظام کی بنیاد ہو، اس کو
انسانی اجتماع اب برداشت نہیں کر سکتا۔ سماج کے لئے یہ ناممکن ہے کہ دولت آفرینی کے ذرائع پر
قابض ہونے والے گنتی کے چند افراد کی خاطر بے بس غلاموں کی طرح ان کی نفع طلبی کے قمار خانوں کا
شکار ہوں۔

سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات — ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے

اسلام اور معاشی نظام کی اصلاح :- اسلام نے بھی ایک ہمہ گیر انقلاب اور اصلاح کا
نظام پیش کیا ہے معاشی توازن اس کے احاطہ سے خارج نہیں اس کے عقیدے اس کے اخلاقی
تصورات اور معاشی نظام اور مالی مشکلات کے حل میں نہایت گہرا ربط ہے۔ اس کا معاشی حل اس کے
الہیاتی اور اخلاقی بنیادوں ہی پر پائیدار اور مطلوبہ جملہ نتائج پیدا کر سکتا ہے۔

اللہ ہی الہ ہے وہی آسمان و زمین کے خزانوں کا مالک ہے تصرف اور ملکیت کا حق صرف
اسی کا ہے معاش کے جتنے ذرائع انسان کو ملے ہیں وہ اصل میں خدا کی طرف سے امانت ہیں۔ وہ
اصل میں متاع ہے۔

ملکیت اور تصرف کا اسلامی حل :- ایک خاص مدت تک ان سے تمتع کا حق انسان کو
ملا ہے (متاعٌ الی حین) اس لئے ہوس پرستی اور نفع طلبی کو بے لگام نہیں چھوڑا جا سکتا ہے۔
تمتع اور تصرف کے حقوق خدا کی طرف سے محدود اور مشروط کئے گئے ہیں۔ نائب الٰہی اسٹیٹ یعنی
اسلامی حکومت ان حدود کے نفاذ اور تعمیل کی نگران ہے! انسان امین ہونے کی حیثیت سے ان کا
پابند ہے اس کا استدلال وہ فرمان خداوندی ہے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (ہمارا دیا خرچ کرتے ہیں) کا

پابند ہے۔ اللہ نے زکوٰۃ کی فرضیت شخصی ملکیت، سود کی حرمت جوئے اور سٹے کی ممانعت، وراثت کا قانون، پیدائش دولت، صرف دولت، تقسیم دولت پر پابندیاں عائد کرکے چند سرحدی نشانات لگا دئیے ہیں۔ اگر انسانی اجتماع ان حدود کے اندر رہ کر اپنے معاشی معاملات کی تنظیم کرے تو ایک طرف شخصی آزادی اور ترقی بھی محفوظ رہتی ہے دوسری طرف طبقاتی جنگ اور بے جا تسلط اور استحصال ناجائز کے ظالمانہ طریقوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اسلام کے اخلاقی احکام معاشرتی ضوابط اور قانونی احکام سب مل کر اس مقصد کو پورا کرتے ہیں۔

زکوٰۃ کی اہمیت:۔ اسلام نے معاشی مسائل کے حل کا جو نظام تجویز کیا ہے اس کا ایک نہایت اہم ایجابی عنصر زکوٰۃ ہے۔ زکوٰۃ زر نقد کی محفوظ بچت پر ۲½ فی صدی سالانہ ہے کا لازمی محصول ہے علاوہ ازیں زرعی پیداوار، مویشی، سارے اموال تجارت پر زکوٰۃ مختلف شرح سے لازمی ہے۔ جو اموال زیادہ مشقت سے حاصل ہوتے ہیں ان میں مقدار زکوٰۃ کم ہے۔ جو اموال کم محنت سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں مقدار زکوٰۃ زیادہ ہے۔ مثلاً نباتات پر خمس یعنی پانچواں حصہ زکوٰۃ ہے، اسی طرح مدفون خزانوں پر بھی زکوٰۃ پانچواں حصہ ہے۔ غریب طبقے کے لئے وقف رہنے والے آمدنی کے ذرائع حسب ذیل ابواب ہیں (۱) زکوٰۃ کی کل آمدنی (۲) مال غنیمت کا پانچواں حصہ (۳) معادن اور خزانوں کا پانچواں حصہ (۴) شافعی اجتہاد کے مطابق کی آمدنی کا پانچواں حصہ، اندازہ کیجئے اسلامی مملکت میں محروم اور محتاجوں کے لئے کیا انتظام ہوتا ہے۔

زکوٰۃ اور بیت المال، اہل احتیاج کے لئے بے نظیر بیمہ:۔ اسلامی نظام معیشت میں زکوٰۃ اور دیگر بے حساب دولت مشترک جماعتی خزانہ یعنی بیت المال میں جمع ہوتی ہے۔ یہ دراصل سوسائٹی کے لئے بیمہ یا انشورنس کی بہترین صورت ہوتی ہے۔ خزانہ ان سب کی ضروریات کا کفیل ہے جو حاجتمند ہیں۔ یہ ان ساری خرابیوں کو دور کرتی ہے۔ جو جماعتی امداد کا باقاعدہ انتظام نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہیں

تقسیم زکوٰۃ کے نتائج:- سرمایہ داری نظام میں بیمہ کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ ہر شخص کی زندگی اپنے ہی ذرائع پر منحصر ہے مفلس بوڑھا بھوکا مرتا ہے بے سہارا یتیم جاہل رہیں، بھوکے رہیں، بیمار رہیں، ناگہانی آفت آئے بھیک بھی مشکل سے ملے۔ بے سرمایہ مزدور، مجبور ہو کر سرمایہ داروں کے برے سے شرائط مان لیں۔

زکوٰۃ اور بیت المال کے نتائج کیا ہوتے ہیں:-

(۱) آپ حاجتمند مزدور ہوں، معذور ہوں، کام سے محروم ہوں، بیت المال جا کر اپنا حق لائے۔ بنک ڈپازٹ یا انشورنس کی حاجت نہیں (۲) آپ بغیر وراثت اگر اہل و عیال چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوں تو جماعتی خزانہ ان کا کفیل اور ذمہ دار ہے (۳) آپ حق پرستی میں آزادانہ ایثار کے لئے رہ سکتے ہیں، معاشی بندھن آپ کو باطل کا غلام نہیں رکھیں گے (۴) بڑھاپے بیماری اور ناگہانی مصیبتوں میں بیت المال آپ کا مددگار رہے، فاقہ، جہل، بیماری کی تثلیث کا بھوت جائے گا۔ (۵) زکوٰۃ عوام کی قوت خرید بڑھاتی ہے۔ پیداوار اور اس کی کھپت کو متوازن رکھتی ہے زیادہ پیداوار اور کم قوت خرید کا مرض نہیں رہتا (۶) زکوٰۃ غریبوں کا معیار زندگی بڑھاتی ہی، ان کی تخلیقی اور پیداوار قوتوں میں اضافہ کرتی ہے۔ خوشحالی کے عام ہونے سے بیت المال سے لینے والے اس کی آمدنی میں اضافہ کرنے والے بن جاتے ہیں:

زکوٰۃ اور دین قیم:- یہی وجہ ہے کہ ایمان و اخلاص کے بعد ہمیشہ باقی رہنے والے دین کے دو اجزاء قرآن نے خاص بیان کئے ہیں (یقیمو الصلوٰۃ و یؤتوا الزکوٰۃ) وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ نماز اور زکوٰۃ کی تعلیم سارے انبیاء کی تعلیم کا جزو لازم رہی ہے اسلام نے ان کو تکمیل اور اعلیٰ تنظیم کی شان بخشی ہے ان میں سے اگر نماز یا زکوٰۃ کو گرا دیا جائے تو دین کی عمارت کے نصف حصہ کو گرا دینے کے برابر ہوگا اہی اسباب کی بنا پر قرآن نے نماز اور زکوٰۃ کو اسلامی جماعت کی شناخت قرار دیا ہے۔

اسلامی اقتدار کی قرآن کے نزدیک یہی دو اصلی علامتیں ہیں ۔

شرک اور انکار زکوٰۃ :۔ میں نے یہ واضح کر دیا ہے کہ عقیدۂ توحید یعنی اللہ ہی کو الٰہ اور مالک ماننے سے منطقی طور پر زکوٰۃ لازم آتی ہے یہ توحید کی علامت اور پہچان ہے، مومن کی آزمائش ہے کہ اس نے مال وجائداد کو تو اپنا معبود اور مقصود قرار نہیں دیا ہے۔ بلکہ اللہ کی مرضی پر مال قربان کر سکتا ہے۔ قرآن مجید نے زکوٰۃ نہ ادا کرنے کو مشرکین کی صفات میں سے بیان کیا ہے۔ اس میں آخرت میں خدا کے انعامات کے انکار کی جھلک بھی پائی جاتی ہے ارشاد ہے وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ۔ تباہی ہے ان مشرکوں کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت سے منکر ہیں ۔

مجسم ایثار اور زکوٰۃ اسوۂ صدیق اکبرؓ :۔ اس سے صاف اندازہ ہو جائے گا کہ حضرت صدیق اکبرؓ جیسا موحد کس درجہ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہوگا انہوں نے زکوٰۃ تو زکوٰۃ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں اور رسول کے مشن کی تکمیل میں صرف کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جان ومال کے لحاظ سے مجھ پر ابوبکرؓ سے زیادہ کسی کا احسان نہیں (بخاری باب اہل العلم والفضل حق بالامامۃ) ان کے ایثار سے منکرین زکوٰۃ کے خلاف ان کی شدت کی توجیہ ہوتی ہے زکوٰۃ منکرین کے ساتھ صحابہ نے مشرکین اور کفار کی مانند جہاد کیا ۔

زکوٰۃ کے منکرین اور باغی :۔ زکوٰۃ کی اہمیت پر ایک سرسری نظر آپ ڈال چکے اب اس فتنۂ اور بغاوت کی نزاکت کا خیال فرمائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم سے پردہ فرمایا حضرت صدیقؓ نے خلافت کی ذمہ داری لی بعض قبائل نے جو مال اور دولت کی محبت شدید تھے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا اسلام کے اہم رکن زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا اسلام کے اہم رکن زکوٰۃ سے باغی ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ بعضوں نے یہاں تک کہا کہ نمازوں میں یا رکعتوں میں اضا

کرلیا جائے لیکن زکوٰۃ کا مطالبہ ترک کردیا جائے۔

اس ذہنیت کی مثالیں گردوپیش میں ملتی ہیں۔ وظیفے ہیں، اوراد ہیں، مراقبے ہیں، نوافل ہیں، نذرونیاز ہے، لیکن ساتھ ساتھ رشوت ہے، خیانت ہے، حقوق تلفی ہے، غضب ہے جھوٹے معاملے ہیں ع یادِ خدا بھی دل میں ہے عشق بتاں بھی ہے

دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کے اس معاشی نظام کی ترتیب کو مٹانے والے سرمایہ داروں کے خلاف حضرت خلیفہ اول نے کیا روش اختیار فرمائی۔ خلیفہ بننے اور بیعت عام سے فارغ ہوتے ہی آپ نے اپنی پالیسی کا اعلان فرمایا۔ جس کے بعض اجزاء حسب ذیل ہیں

"میں اچھا کام کروں تو میری اطاعت کرو۔ اور کج روی کروں تو مجھے سیدھا کرو۔ اگر میں خدا ورسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو۔"

"تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے، یہاں تک کہ میں دوسرے سے اس کا حق اس کو نہ دلا دوں۔ اور تمہارا قوی شخص بھی میرے نزدیک ضعیف ہے، یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق حاصل نہ کرلوں۔"

جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے خدا اس کو ذلیل وخوار کردیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری پھیل جاتی ہے۔ خدا اس کو عام مصیبت میں مبتلا کردیتا ہے (تاریخ اسلام معارف پریس ۱۲۹)

اب آپ غور فرمائیں کہ جس خلیفہ اور حاکم کے نزدیک قوت اور ضعف کا یہ معیار ہو۔ جہاد کی اس قدر اہمیت ہو۔ وہ منکرین زکوٰۃ کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ وہ دردمند تھا۔ یہ کیسے گوارا کرے کہ سائل اور محروم کا حق سرمایہ دار چھین لیں۔ دولت کا تمتع چند اغنیاء کے ساتھ مخصوص ہوجائے معاشی توازن برباد ہو۔ مجلس شوریٰ طلب کی گئی۔ معاملہ نازک تھا۔ زکوٰۃ کے منکر حلقۂ اسلام میں داخل تھے بعض بڑے بڑے صحابہ نے محتاط طرز عمل اختیار فرمایا۔ اور کہا کہ جو لوگ توحید اور رسالت کا اقرار

کرتے ہیں صرف زکوٰۃ نہ دینے پر اُن کے خلاف تلوار کیسے اٹھائی جا سکتی ہے۔ حضرت صدیقؓ نے فتنہ اور ان نتائج کا مقابلہ کیا۔ بڑے شر کو بھانپ لیا آپنی دینی بصیرت سے فرمایا خدا کی قسم جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بکری کا ایک بچہ زکوٰۃ دیتا تھا اگر وہ اس کے دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے مقابلے میں جہاد کروں گا (تاریخ اسلام: معارف پریس ۱۲۶-۱۲۵)

حضرت عمرؓ جو پس و پیش فرما رہے تھے آپ کی اصابت رائے کے قائل ہو گئے صحابہؓ نے ساتھ دیا ان کو شرح صدر ہوا حضرت ابوبکرؓ نے نہایت مستعدی کے ساتھ منکرین زکوٰۃ قبائل کے مقابلے میں فوجیں بھیجیں۔ اس معاملے میں اس قدر اہتمام مقصود تھا کہ بنی عبس اور بنی دینبان کے مقابلے میں خود گئے اُنہیں زیر کیا آپ کی اس استقامت سے تمام منکرین زکوٰۃ نے زکوٰۃ ادا کر دی بعضوں نے خود مدینہ حاضر ہو کر بیت المال میں داخل کر دی تعلیم رسول کے مطابق اسلام کے نظام معیشت کو پارہ پارہ ہونے سے بچا لیا۔ بھوکے مسکینوں۔ پھٹے حال معذوروں۔ خاک بسر غریبوں اور سائلوں۔ مضطرب کمزوروں کا حق طاقتور منظم سرمایہ داروں سے دلایا گیا اور آغاز خلافت کا وعدہ پورا کیا گیا اور اسلام کا توازن معاشی برقرار رکھا گیا۔

بعض امراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اسلامی اقتدار کے ماتحت رہنا اپنی شان امارت کے خلاف سمجھنے لگے تھے۔ اسلام کے دعوی کے ساتھ یہ ممکن نہ تھا تو انہوں نے ارتداد کی آڑ لی اپنی اپنی جگہ مطلق العنان اور نیم و آزاد حکمران بن بیٹھے حضرت علیؓ نے لغمان والی بحرین کا استیصال کیا حذیفہؓ نے لغیط کو قتل کیا اور زیادؓ نے فرمانروایان کندہ کو زیر کر کے دوبارہ اسلام پر قائم کیا اور اسلام کی تابع فرمایا

علامہ اقبالؒ نے حق کے مخالفین کو تین گروہ میں تقسیم فرمایا ہے۔

سود خوار و والی و ملّا و پیر

ان میں سے آپ نے سرمایہ داروں اور سامراجیوں کی بغاوت کا حال اور انجام دیکھ لیا باغیوں کا

ایک تیسرا گروہ تھا انبیاء اور ان کے سچے جانشینوں کی اقبالمندی اور قبولیت دیکھ کر ہوس پرستوں کا ایک گروہ اس بھیس میں ناجائز استحصال کے وسائل پیدا کرنا چاہتا ہے۔ قرآن شاہد ہے کہ رہبانوں اور احبار میں سے اکثر لوگوں کے مال باطل طریقوں سے ہتھیا لیا کرتے ہیں۔ رسالت محمدیہ کی کامیابی دیکھ کر بعضوں نے یہ ہوس پکائی کہ ہم بھی اس حضرت کے عقیدہ دار ہوں مسیلمہ اور اس کی بیوی سجاح بنت حولیہ اسود عنسی اور طلیحہ نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ حضرت شرجیلؓ، عکرمہؓ، خالد بن ولیدؓ کی سرکردگی میں ان فتنہ پردازوں کے خلاف مہم بھیجی چند دنوں کے اندر تمام مدعیان نبوت کا خاتمہ ہو گیا طلیحہ تجدید اسلام کر کے مسلمان ہو گیا۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی مذہبی بصیرت اصابت رائے اور استقامت سے وہ تمام فتنے مٹ گئے دسیاسی، مذہبی، سامراجیوں اور سرمایہ داروں نے برپا کئے تھے اسلام کا دینی اور معاشی نظام مستحکم ہو گیا اسلام نے دوبارہ زندگی پائی۔

اے صبا اے پیک دور افتادگان　　اشک ما برخاک پاک او رسان

ع۔ کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ مسلمان دامن صدیقی سے وابستہ ہونے کا عملی ثبوت طرح دے سکتے ہیں کہ وہ زکوٰۃ کو پوری قوت سے قائم کریں، یہ اسلام اور انسانی مشکلات کے حل کی فت ہے اگر ہم حضرت صدیقؓ سے عقیدت کا اظہار کریں اور یہ گوارا کریں کہ دنیا کی دولت کی آفرین قوت ے مگر وہ بھوکی مرے، جاہل رہے، مریض رہے، بے گھر رہے کپڑوں کے کارخانے زیادہ ہیں، وہ ننگی ے ذاتی نفع پرستوں کی قمار بازی اور غلط اندازیوں سے کساد بازاری اور بے روزگاری کی سزا بھگتے۔ ہاں اس روشنی اور نسبت سے ساری دنیا کی معاشی بے چینی دور کر سکتے ہیں۔ اور معاشی مفادات کی جنگ کی مٹا سکتے ہیں حضرت صدیق اکبرؓ کی سیرت معاشی ناانصافیوں کے خلاف ایک چیلنج اور معاشی توازن کا ایک پیغام ہے
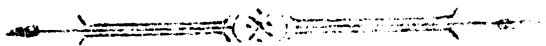
اسلام میں ملکیتِ ذاتی پر پابندیاں

از

آنریبل مشیر حسین صاحب قدوائی مرحوم

اسلام میں ملکیت ذاتی پر پابندیاں

(مشیر حسین صاحب قدوائی مرحوم کی ایک تازہ تصنیف "پین اسلامزم اور بالشوزم" کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے اسلام اور اشتراکیت میں مشابہت دکھلانے کی کوشش کی ہے اور ایک عام چیلنج دیا ہے کہ:-

"جو تعلیم یافتہ اور سوچنے والا کمیونسٹ چاہے میرے ... پاس آئے اور مجھے بتائے وہ کن وجوہ سے اپنے آپ کو پین اسلامسٹ نہیں سمجھتا میں انہیں وجوہ کو سامنے رکھ کر اسے قائل کردوں گا کہ اسی حد تک اس کا کمیونزم ناقص اور ادنی درجہ کا ہے اور سوسائٹی کیلئے بصورت مجموعی یا سوسائٹی کے اجزاء ترکیبی کے لئے نقصان کا موجب ہے۔"

"اسی طرح جو مسلمان چاہے میرے پاس آئے اور مجھے بتائے کہ کن وجوہ سے وہ کمیونزم کے اصول یا اصولوں کو پسند نہیں کرتا (مجھے کمیونزم کے ان متعلقات سے بحث نہیں ہے جو اس کے ساتھ غیر ضروری طور پر اور ناسمجھی کی بنا پر وابستہ کردئے گئے ہیں) اور میں اس کو اس بات کا یقین دلادوں گا کہ اسی حد تک اس نے اسلام کو نہیں سمجھا یا اس کا علم اسلام اور اس کی روح کے بارے میں ناقص ہے۔"

قدوائی صاحب کے نزدیک پین اسلامزم اور بالشوزم میں خاص فرق یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد خدا کے عقیدے پر قائم ہے لیکن بالشویکوں نے کارل مارکس کے پیرو ہونے کی حیثیت سے غیر ضروری طور پر اور ناسمجھی کی بنا پر ایک خلاف خدا اور خلاف مذہب پالیسی کو اختیار کرلیا ہے اور یہ غالباً اس وجہ سے کہ ان بیچاروں کے سامنے ان کے کلیسا نے خدا کا صحیح تصور پیش نہیں کیا تھا۔ اس کے علاوہ اختلاف فرق کے بعض دوسرے پہلو بھی ہیں

عام مشابہتوں کے علاوہ جن خاص مشابہتوں کا قدوائی صاحب نے ذکر فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہیں

(۱) اسلام اور بالشوزم دونوں کا مقصد عالمگیر انقلاب ہے۔

(۲) دونوں نے خاص حقوق اور مراعات کو تسلیم نہیں کیا۔

(۳) دونوں رنگ اور نسل پر ناز کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔

(۴) دونوں سرمایہ داری کے خلاف ہیں۔

(۵) دونوں نے محنت اور کام کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

(۶) دونوں نے زمینداری کی مخالفت کی ہے۔

(۷) دونوں نے انسانی مساوات کو قائم کیا ہے۔

(۸) دونوں نے بین الاقوامیت کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

(۹) دونوں نے افراد کو ترقی کے لئے مساوی مواقع دئے ہیں۔

(۱۰) دونوں نے علم و تعلیم کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

(۱۱) دونوں نے عورتوں کو آزاد کیا ہے اور

(۱۲) دونوں نے ملکیت ذاتی کی تنسیخ کی ہے۔

یوں تو قدوائی صاحب کی پوری بحث نہایت دلچسپ اور مطالعہ کی مستحق ہے لیکن گنجائش کی قلت کی وجہ سے یہاں صرف ان خیالات کا اقتباس پیش کیا جائیگا جن کا اظہار قدوائی صاحب نے "ملکیت ذاتی کی تنسیخ" کے ماتحت فرمایا ہے۔

مختصر الفاظ میں مسلمانوں میں ملکیت ذاتی کی جو صورت ہے اسے حسب ذیل طریقے پر بیان کیا جا سکتا ہے:۔

(۱) اگر کوئی شخص سچا مسلمان ہو اور اس نصب العین کی لفظاً اور معناً پیروی کرنا چاہتا ہے جو

جو اسلام نے مقرر کیا ہے اور جس کا نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک میں اور دوسرے مسلمان اولیاء اللہ کی زندگی میں نظر آتا ہے تو ایسا شخص بہت زیادہ چیزیں اپنی ذاتی ملکیت میں نہیں رکھے گا حتیٰ کہ اپنے رہنے کیلئے بھی وہ مال کو اپنے پاس رکھنا گوارا نہ کرے گا رسول اللہ صلعم نے ایک شخص کی ملکیت کی جو حد مقرر کی ہے وہ ایک حدیث میں موجود ہے یعنی رہنے کے لئے مکان، پہننے کیلئے کچھ کپڑے اور کھانے اور پانی کی ضروری مقدار۔ ملکیت ذاتی کی بس یہ حد ہے اس سے زیادہ نہیں۔

(۲) لیکن جو لوگ اس درجہ تک نہ پہنچ سکیں اور جن میں طبعی طور پر مال اور ملکیت کی محبت کا غلبہ ہو تو اسلام اس ملکیت سے تعرض نہیں کریگا بشرطیکہ یہ اسلام کی روح کے خلاف نہ ہو۔ یعنی اس دولت و ملکیت کو صرف ذاتی آرام و سکون کیلئے استعمال نہ کیا جائے بلکہ جماعت کے فائدہ کیلئے بھی استعمال کیا جائے۔

ریاست اس پر زکوٰۃ اور دوسرے محاصل عائد کریگی اور دولت کے مالک سے یہ توقع کیا جائے گی کہ وہ چند مقررہ جماعتی خدمات کیلئے اپنی دولت اور ملکیت کو صرف کرے

(۳) اگر کوئی شخص مندرجہ بالا اسلامی احکامات کی پیروی کرتا ہے تو اس کے پاس ترکہ اور وراثت کیلئے بہت کم ملکیت باقی رہیگی۔ لیکن اگر باقی رہی تو پھر قانون وراثت کا عمل شروع ہو جائیگا۔ اور اسکے ذریعہ سے ملکیت منصفانہ طریقہ پر منقسم ہو جائیگی اور بڑی بڑی جاگیریں، سود خوار، سرمایہ دار اور کروڑ پتی پیدا نہ ہو سکیں گے۔ اگر متوفی مخیر اور بنی نوع انسان کا بہی خواہ اور ہمدرد ہے تو وہ خود ہی خیراتی مقاصد کے لئے اپنی جائداد کو وقف کر جائیگا اور اگر وقف کیا مگر اپنے خاندان سے تعلق بھی باقی رکھنا چاہے گا اسے وقف علی الاولاد کر دے گا

غرض کہ اس طرح اسلام ملکیت ذاتی پر بغیر جبریہ قبضہ کئے اور انسانوں کو انکے قدرتی رجحانات سے روکے ہوئے اس مقصد کو حاصل کر لیتا ہے جیسے

بالشویک ملکیت ذاتی کو جماعتی ملکیت بنا کر حاصل کرنا چاہتے ہیں

اب مندرجہ بالا اجمال کی تفصیل ملاحظہ ہو:۔

اسلام نے نظری طور پر ملکیت کو جڑ سے اسطرح کاٹا کہ ہر چھوٹی بڑی چیز کا مالک خدا کو قرار دیدیا۔ قرآن کہتا ہے "جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے سب خدا کی ملکیت میں ہے" (سورہ ۲۔ آیت ۲۵۵)

"اللہ کی ملکیت" کے معنی عملاً اسلام کی اصطلاح میں ہیں "اجتماعی طور پر تمام بنی نوع انسان کی ملکیت"

اسلام کے اولین ایام میں ابوذر غفاری نے کنز (یعنی دولت اور ملکیت) کے بارے میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا تھا اور آج بھی راسخ العقیدہ مسلمان صرف اس بنا پر کہ ہر چیز کا خدا مالک ہے وضو کے پانی کو بھی ضائع نہیں کرتے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ چونکہ پانی ان کا نہیں ہے بلکہ خدا کا ہے اس لئے قیامت کے دن انہیں اس کا بھی حساب دینا پڑیگا۔ پانی انکی امانت میں صرف استعمال کیلئے رکھا ہے اسیطرح ایک مکان یا زمین یا کپڑے بھی درحقیقت اسکے نہیں ہیں۔ یہ سب چیزیں خدا کی امانت ہیں اور ان کا صرف غلط طریقہ پر نہ ہونا چاہئیے۔ انسان کو ہر چیز کا جو اس کے سپرد کی گئی ہے حساب دینا ہوگا اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ جب کسی آدمی کو کسی چیز کا امین یا متولی بنایا جاتا ہے تو اسکی ذمہ داری کتنی سخت ہو جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جو چیز وقتی طور پر کسی کو سپرد کی گئی ہے اسے جہاں تک ہو سکے خدا کی راہ میں یعنی بنی نوع انسان کی بہبودی اور عام فائدہ کیلئے صرف کرنا چاہئیے۔

لیکن رسول اللہ کے سامنے سب سے مشکل یہ کام تھا کہ اپنی قوم کے دل سے ملکیت کی اس محبت کو نکالیں جو انکے اندر راسخ ہو چکی تھی تاکہ ہر شخص اس مال کو جو اس کے تصرف میں خدا کی طرف سے امانت کے طور پر رکھا گیا تھا صحیح طور پر صرف کر سکے چنانچہ خداوند کریم نے انکی

رہنمائی قرآن کی مندرجہ ذیل آیتیں نازل کر کے فرمائی:۔

"دولت اور بیٹے اس دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور ہمیشہ باقی رہنے والے احکام باقیات الصالحات تیرے رب کے نزدیک ثواب و امید کے لحاظ سے بہتر ہیں (سورہ ۱۸ آیت ۴۶)

"بیوی اور بیٹے، سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور اچھی نسل کے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی یہ ہیں دنیاوی زندگی کا سامان اور اللہ کے پاس انجام کی خوبی ہے" (سورہ ۳ آیت ۱۴)

"اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہارے جوڑے اور تمہارے رشتہ دار اور تمہاری تجارت جس کے مندے پڑ جانے کا تمہیں ڈر رہتا ہے اور تمہارے مکانات جن سے تمہیں خوشی ہوتی ہے تمہیں تمہارے خدا سے اور اس کے رسول اور اسکی راہ میں لڑنے سے زیادہ عزیز ہیں تو اس وقت کا انتظار کرو جب تک خدا حکم نازل کرے اور خدا حدود سے تجاوز کر جانے والے لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا (سورہ ۹ آیت ۲۴)

اس پرامن تبلیغ اور ترغیب کا وہی نتیجہ تھا جو بالشوزم نے روس میں بہت زیادہ قوت کے استعمال کے بعد اور لوگوں کو بہت تکلیف اور مصیبت میں مبتلا کر کے حاصل کیا۔

ابتدائی مسلمانوں میں ملکیت اور دولت کا جادو ختم ہو گیا تھا اور لوگوں کے دلوں سے ملکیت ذاتی کی محبت کم ہو گئی تھی، دولت سے نہ طاقت ملتی تھی نہ وقار اور نہ آرام کیونکہ سب لوگ سادہ اور سخت زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ مدینہ میں رسول اللہ کی زندگی میں ہی مسلمانوں کا ایک گروہ تھا جن کے پاس کسی قسم کی کوئی ملکیت نہیں تھی۔ یہ لوگ اصحاب صفہ کے نام سے موسوم کئے جاتے تھے اور تعلیم یا دوسرے کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ یہ باری باری سے دوسرے مسلمانوں کے مہمان رہتے تھے اور لوگ ان کیلئے غذا اور لباس فراہم کرنا اپنی عزت اور سعادت سمجھتے تھے۔ ملک کے نہایت متمول اور دولتمند لوگ ان کی توقیر اور عظمت کرتے تھے۔

مسلمانوں میں دولت پر قبضہ کرنے یا جمع کرنے سے نہ کسی کو عزت ملتی تھی، نہ مرتبہ، نہ

استحقاق بلکہ اس کے برعکس ان سے یہ کہا جاتا تھا کہ :-

جو لوگ اپنے مال کو رات اور دن کھلے طور پر اور پوشیدہ طور پر صرف کرتے ہیں انہیں ان کی خدا کی طرف سے اس کا انعام ملیگا اور انہیں کسی قسم کا خوف نہ ہوگا اور نہ انہیں کسی قسم کا رنج ہوگا" (سورہ ۲ آیت ۲۷۴)

جن لوگوں کے پاس مال تھا انہیں حکم دیا گیا تھا کہ " اپنا مال باوجود اسکی محبت کے اپنے رشتہ داروں کو، یتیموں کو، ضرورتمند لوگوں کو، مسافروں کو اور ان لوگوں کو جو مانگیں اور قیدیوں کو رہا کرنے کیلئے دیدو (سورہ ۲ آیت ۱۷۷)

رسول اللہ صلعم کی یہ تعلیمات بے اثر ثابت نہیں ہوئیں۔ ان کے پیرؤں کے دل پر ان کا پورا اثر ہوا اور وہ لوگ ان کی ہدایت اور احکامات کی لفظاً اور معناً پیروی کرتے تھے۔

رسول اللہ صلعم کے چچازاد بھائی اور داماد حضرت علیؓ نے اپنا سب مال عوام کے فائدہ کیلئے دے دیا۔ کچھ اور صحابی تھے جنھوں نے اپنا نصف مال اسیطرح دیدیا یہاں تک کہ اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو دوسرے مسلمان کی خاطر طلاق دیدی۔

اور ایسے آدمی بہت کم تھے جو ایسی حالت میں جب انکے ساتھیوں کی زندگی کی احتیاجات پوری نہ ہوتی ہوں دولت پر قبضہ کرتے ہیں نہ شرماتے ہوں۔ دولت اور ملکیت وسیلہ اور ذریعہ تھا۔ قرآن نے نہایت شدومد کیسا تھ ان لوگوں کی مذمت کی جو دولت کو جمع کرتے ہیں اور پھر تالے میں بند کر کے رکھتے ہیں (سورہ ۱۰۴ آیت ۲)

اس نے ان لوگوں کو برکت دی جن کے مال کا ایک مناسب حصہ ان لوگوں کیلئے ہوتا ہے جو سوال کرتے ہیں یا جو محروم ہوتے ہیں (سورہ ۷۰ آیت ۲۴ اور ۲۵)

رسول اللہ صلعم نے اس بات کا پورا خیال رکھا کہ وہ خود اور ان کے قریبی اور عزیز رشتہ دار سب سے پہلے ان باتوں کی پیروی کریں جن کی وہ تلقین کرتے تھے جو احکامات

ان کو جاری کرنا ہوتے تھے سب سے پہلے وہ ان سے اپنے خاندان کے افراد کو مطلع فرماتے
رسول اللہ صلعم جو کچھ ان کے پاس دن میں ہوتا تھا شام کو اسے بانٹ ڈالتے تھے۔ یہاں
تک کہ شام کے کھانے تک کیلئے ان کے پاس کچھ باقی نہیں بچتا تھا۔

اسلام میں ہر چیز خدا کی ملکیت ہے۔

آج سے تیرہ سو صدی قبل اس لاثانی مصلح نے صاف اور واضح طور پر بتا دیا تھا کہ
"انسان کی اولاد کو اس سے زیادہ کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے رہنے کیلئے گھر
اپنی برہنگی کو چھپانے کیلئے ایک کپڑے کا ٹکڑا اور کھانے کیلئے روٹی کا ٹکڑا اور
تھوڑا سا پانی مل جائے" (ترمذی میں بروایت عثمانؓ)

تقسیم دولت تقسیم دولت کے بارے میں رسول اللہ صلعم نے حسب ذیل قاعدہ بنا دیا
"جس شخص کے پاس لادنے والے جانور زیادہ ہوں اسے انہیں ان
لوگوں کو دے دینا چاہیئے جن کے پاس بالکل نہ ہوں اور جس کے پاس کھانے کا سامان
زیادہ ہو اسے اس کو دیدینا چاہیے جس کے پاس بالکل نہ ہو۔"

رسول اللہ صلعم نے اور کئی دوسری چیزوں کا ذکر کیا جس کی بنا پر ہم لوگوں
(جو وہاں موجود تھے) یہ محسوس کیا کہ ہم میں سے کسی شخص کو کسی زاید چیز کے رکھنے کا
حق ہی نہیں ہے"۔ (مسلم اور ابوداؤد میں ابو سعیدؓ کی روایت سے)

زاید سے کیا مراد ہے اس کا تعین اس حدیث سے ہو جاتا ہے جسکے اوپر بحث
کیا جا چکا ہے اور جس کے ذریعہ سے نجی اور ذاتی ملکیت کو رہنے کے مکان، پہننے کیلئے
کچھ کپڑے اور روزانہ کھانے کیلئے کچھ خوراک تک محدود کر دیا گیا ہے۔ اس طرح مال کی ملکیت
کو نہ صرف نظری طور پر بلکہ عملی طور پر بھی ختم کر دیا گیا تھا۔ اسلام میں انفرادی ملکیت
کی گنجائش اس سے بھی کم تھی جتنی بالشویکوں کے یہاں ہے۔

وراثت ملکیت کو محدود کرنے کیلئے اسلام نے اپنے وراثت کے منصفانہ

قوانین کی رو سے نہ صرف بڑی بڑی جاگیروں یا کروڑ پتیوں کی نسل کو جاری رہنے سے روکا
بلکہ ایک ہی خاندان کے لوگوں میں تقسیم دولت کو نہایت صحیح بنیادوں پر قائم
کر دیا۔ اسلام کی ایک اور امتیازی خصوصیت اس کا وقف علی الاولاد قانون
ہے جس کے ذریعہ اپنی اولاد کے وراثت کے حق پر بھی پابندی لگائی جا سکتی ہے
اس کی صورت یہ ہے کہ والدین جس جائداد کو منفعت عامہ یا خیرات کیلئے وقف
کر دیتے ہیں، اسکی مکمل ملکیت سے انکی اولاد محروم ہو جاتی ہے اگرچہ ان کیلئے انتی
کافی آمدنی باقی رہتی ہے جس سے وہ وصیت یا املاس کا شکار نہیں ہو سکتے۔ وہ اس جائداد
کو محض متولی کی حیثیت سے استعمال کر سکتے ہیں اور اسکو تعیشات میں ضائع نہیں کر سکتے
اسی طرح اسلام نے ملکیت ذاتی پر اور بھی گوناگوں پابندیاں لگا دی ہیں۔

جب ابوذر غفاریؓ نے قرآن کی آیتوں کی تفسیر اس طرح پر کی کہ اس سے ملکیت ذاتی کی
تنسیخ ہوتی تھی تو یہ سوال اٹھا تھا اور آج بھی علما اس سوال کو اٹھاتے ہیں کہ اگر اسلام
ملکیت ذاتی کو ختم کرنا چاہتا تھا تو اس نے وراثت اور زکوٰۃ کے قوانین اور سرمایہ داری
کے خلاف دوسرے تعدیل اور پابندیوں کو کیوں بنایا۔

جو لوگ اس انسانی مصلح کے ذہن اور طریقوں کو جانتے ہیں ان کے لئے اس
سوال کا جواب دینا کچھ مشکل نہیں ہے۔

ان کا مقصد تو یہ تھا کہ تمام مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کو تمام زمانوں
اور مقاموں اور معاشرتوں کیلئے چاہے وہ زندگی کی کسی منزل پر کیوں نہ ہوں ختم کر دیں
انہیں رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا گیا تھا۔ انکی یہ خواہش تھی کہ قدرت نے انسان کے اندر
جو نیکی رکھی ہے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ معاشرت کی بہبودی کیلئے حاصل کریں۔

ہم جانتے ہیں کہ فطرت نے دنیا کا کارخانہ کچھ اس نہج پر بنایا ہے کہ اس نے انسان
اندر جسمانی آرام، دولت، ملکیت اور اضافہ نسل کی محبت کو پیدا کر دیا ہے چنانچہ یہی

وجہ ہے کہ دولت اور ملکیت کے ساتھ آرام و عافیت کی زندگی، انسانوں کے کاموں
اور ان کی محنتوں کیلئے آج ایک بہت بڑی محرک بن گئی ہے۔ انسانی نسل کی توسیع
کیلئے قدرت نے عورت اور مرد کے اندر اولاد کی محبت کو رکھ دیا ہے۔ جانوروں میں بھی
نہ صرف اپنے بلکہ غیروں کے چھوٹے بچوں کے ساتھ اُنس اور الفت کو دیکھا جا سکتا ہے
لیکن انسان کے جذبات اس لحاظ سے بھی دوسری مخلوقات سے منفرد نظر آتے ہیں۔ جانوروں
میں تو محبت اور الفت بچوں کے بڑے ہو جانے کے بعد ختم ہو جاتی ہے لیکن انسان
کی محبت اپنی اولاد کے ساتھ زندگی بھر قائم رہتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ جب
وہ موجود نہ ہو اور مر جائے جب بھی ان کے آرام و آسائش کیلئے کچھ انتظام باقی رہے

اسلام کی جامعیت ان حقائق کی موجودگی میں اسلام نے یہ چاہا کہ ایک طرف تو کام
کے ان ارادی اور قدرتی محرکات کو بھی ختم نہ کیا جائے جیسا کہ بالشویک اور ان کے ہم نوا
جبلت اور قدرتی جذبات کے خلاف ختم کرنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف اس نے چاہا کہ
معاشرت اور ریاست کو ان جبلی خواہشات کے خراب اثرات سے محفوظ رکھا جائے۔

ہمیں اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام کا یہ نقطہ نظر نہیں ہے کہ انسان فطرتاً
بدی کی طرف رجحان لے کر پیدا ہوتا ہے۔ انسان کو جس ذات نے پیدا کیا اور ترقی
دی ہے وہ برائی سے پاک ہے۔ اس نے نوع انسان میں بھی برائی کو پیدا نہیں
کیا۔ آدمی اپنی قوتوں، اہلیتوں اور جبلتوں کا غلط استعمال کر کے اپنے لئے بدی
کو خود پیدا کرتا ہے۔ چونکہ خدا نے انسان کو ایک ذات آزاد پیدا کیا اسلئے صحیح
راستہ پر چلانے کیلئے بھی خدا اپنی مرضی کو انسان پر ہمیشہ عاید نہیں کرتا۔ اس کا مطلب
یہ ہوا کہ خدا نے انسان کو اس حق سے محروم نہیں کیا کہ وہ اپنی اچھی صفات کو بھی
اگر وہ چاہے تو غلط طریقہ پر استعمال کر سکتا ہے۔ انسان کو ایک مشین کا پرزہ
نہیں بنایا گیا ہے۔

وہ خدا نے تمہیں اپنی خواہشات کو استعمال کرنے کی تلقین کی ہے۔
انسان کے اندر بہت سے جذبات ہیں۔ اگر ان کا استعمال مناسب طور پر کیا جائے تو یہ فائدہ مند ہوتے ہیں نہیں تو ان سے جماعت کو بلکہ بعض وقت خود افراد کو نقصان پہنچتا ہے بعض وقت اسکی عقل بھی اسے گمراہ کرتی ہے۔
انسان اپنی خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اگر اسے دولت سے محبت ہوتی ہے تو وہ اپنی تمام دماغی قوتوں اور تمام جسمانی قوتوں کو اس کے حاصل کرنے کیلئے صرف کرتا ہے۔ وہ جس پیشہ کو بھی اختیار کرتا ہے اس میں دوسروں سے سبقت لیجانے کیلئے اپنی پوری دماغی قوت کو صرف کرتا ہے۔ وہ خطرے برداشت کرنے کیلئے قربانیاں کرنے کیلئے بھی تیار رہتا ہے۔ فرض کیجئے حالات ناسازگار نہیں ہیں اور وہ اپنے کام اور پیشہ میں کامیاب ہوتا ہے غرضیکہ وہ اپنے پیشہ میں مہارت پیدا کر لیتا ہے اور اپنے دماغ کے ذریعہ دولت پیدا کرنے لگتا ہے۔ وہ اپنے ماہرانہ مشورہ کے لئے معاوضہ طلب کرتا ہے اور آرام اور خوشی کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے اگر وہ جماعت کو نقصان نہیں پہنچاتا تو اسلام اس کو اس بات کی اجازت دے گا بالشویکوں کا نظریہ یہ ہے کہ وہ اس کو ایسا نہیں کرنے دیں گے اگرچہ وہ غیر ملکی ماہروں کو زیادہ اجرتیں اس وقت بھی دیتے ہیں۔* لیکن جب وہ اسے بند کریں گے تو نہ صرف فرد کو نقصان پہنچائیں گے بلکہ جماعت کو بھی نقصان پہنچائیں گے کیونکہ اس کے بعد لوگوں میں ماہر بننے کیلئے کوئی محرک باقی نہیں رہے گا۔
فرض کیجئے ایک آدمی کو دولت سے محبت ہے وہ اس کے لئے اپنے دماغ سے کام لیکر ایک ایسی کتاب لکھتا ہے جو جماعت کیلئے بھی مفید ہے اور بازار میں فروخت بھی خوب ہوتی ہے اسلام اسے اس وجہ سے ملامت نہیں کریگا کہ اسے اپنی کتاب کے دام اچھے

* لیکن اب تو بالشویک ملکی ماہر مزدوروں کو بھی زیادہ اجرتیں دینے لگے ہیں۔ ایڈیٹر

ملتے ہیں لیکن اسلام اس شخص کو اس بات کی تو ترغیب کریگا کہ جو روپیہ اس نے اپنے
دماغ اور قلم سے پیدا کیا ہے اس کا غلط استعمال نہ کیا جائے۔ اسلام اس شخص سے کہے گا
کہ خدا نے تمہیں صحیح دماغ دیا [illegible] اور کتنے ہی [illegible] اس کا [illegible]
کی زندگی کیلئے ہزاروں ناسازگار حالات پیدا ہو سکتے تھے اور وہ کام کی تکمیل
اور کامیابی میں مزاحم ہو سکتے تھے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس لئے اس شخص کو
خدا کا ممنون ہونا چاہیئے اور مستحقوں کو [illegible] چاہیئے کہ
[illegible] ادا کرنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ اسلام دوسرے [illegible] ذریعہ سے جو پیداوار
کے ذرائع ہیں اسے سرمایہ دار نہیں بننے دیگا۔ ایسا شخص ہر ایک سے بلکل [illegible]
یہ کہہ سکتا ہے کہ اپنی پیدا کی ہوئی دولت کا مالک وہ خود ہے لیکن خدا سے وہ ایسا
نہیں کہہ سکتا کیونکہ خدا نے اس کو اعلیٰ دماغ عطا کیا اور خدا نے ہی اس کے لئے حالات
کو سازگار رکھا۔

یا فرض کیجئے کہ ایک آدمی کو اپنے خاندان یا اولاد سے جو محبت ہے وہ اس کے کام
یا پیشہ کو بہترین طریقہ پر کرنے کی محرک ہے۔ اسلام اس محرک کو ختم نہیں کریگا۔ اس نے
وراثت کے منصفانہ قوانین بنا دیئے ہیں جن کے ذریعہ سے اس کا خاندان اور اس کی
اولاد ان چیزوں سے فائدہ اٹھا سکے گی جو وہ ان کے لئے ترکہ میں چھوڑ جائیگا اور اس
طرح وہ افلاس اور محرومی سے بچ سکیں گے اور اس کے نام کو اس کے بعد جاری رکھ سکیں گے۔

پابندی کی حد۔ اسلام کی بہترین سعی اس بات کی طرف رہی ہے کہ ایک شخص کی
آزادی پر صرف اتنی ہی پابندی لگائی جائے جو جماعت کے مفاد کیلئے اور خود اس کے مفاد
کیلئے قطعی طور پر ناگزیر ہے اور انسان کیلئے بہترین کوشش کرنے کی جو ترغیبات ہیں
وہ باقی رہیں۔ اسی بنا پر اسلام کے قوانین غیر تغیر پذیر نہیں ہیں۔ جبر کے استعمال
کرنے سے جہاں تک ہو سکا اسلام نے پرہیز کیا ہے اس نے کوشش کی کہ ہر شخص اچھے

کام اپنی مرضی، عادت کی قوت یا طبعی رجحان کی وجہ سے کرے۔ اسی لئے اس نے اچھے
کاموں کے لئے ہمیں محرکات کو ختم نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ چند اچھی پابندیوں کے بعد ترکہ
اور وراثت کی اجازت دی گئی۔ اور مرنے کے بعد ایک شخص کی جائداد کو جبراً
ضبط نہیں کیا جاتا۔ اسلام نے ایسے قاعدے اور قانون بنائے جن سے ایمانداری اور جائز
طور پر دولت حاصل کی جائے اور جب اس دولت کو ترکہ میں چھوڑا جائے تو بھی اس
سے جماعت کو فائدہ پہنچتا رہے۔ وقف علی الاولاد کے ذریعہ باپ کی محنت کی
کمائی ہوئی دولت کو اس کے بیٹے بھی ضائع نہیں کر سکتے۔ وہ پابند ہو جاتے ہیں
کہ اسے اپنی مرضی یا موج یا ذاتی تعیش کیلئے خرچ نہ کریں بلکہ عام بہبود کیلئے صرف
کریں اور اسی کے ساتھ ساتھ خاندانی نام یا شہرت کے باقی رہنے کا بھی اسکے
ذریعہ بندوبست ہو جاتا ہے۔

اسلام کا خاص مقصد یہ رہا ہے کہ ایسے قوانین بنائے جائیں جو سرمایہ داری کے
خلاف ہوں جس سے دولت تقسیم ہو سکے اور سب کو مساوی مواقع مل سکیں اور ایک غیر طبقہ
وارانہ جماعت وجود میں آ سکے اور تمام دنیا میں ایک واحد برادری قائم ہو سکے۔

مربوط اصول واحکام اگر اسلام کے تمام قوانین کی لفظاً اور معناً پیروی کی جائے
تو ملکیت ذاتی کی تمام خرابیاں رفع ہو جائیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ایک شخص
اپنی دولت کو خدا کی امانت سمجھے تو ذاتی ملکیت بجائے خدا کی راہ میں صرف کرنے کی
پوری آزادی جماعت کیلئے نقصان رساں ہونے کی جگہ ایک نعمت اور برکت
ثابت ہوگی۔ اگر آدمی اپنی دولت کو ایک وقف سمجھ کر استعمال کرے اور یہ خیال
رکھے ایک سمیع وبصیر اور رحمان ورحیم خدا نے اسے یہ دولت عطا کی ہے تو یہ بات
جماعت کیلئے اس سے زیادہ مفید ثابت ہوگی کہ ایک آدمی بالکل غریب ہے
اور صرف اتنا ہی جمع کرے جو صرف اسکو ذاتی طور پر زندہ رکھنے کیلئے کافی ہو سکے

بالشوک جانتے ہیں کہ ان کے خلاف سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ وہ افراد کو بالکل آزادی نہیں دیتے یہ ایک مطلق العنان آمریت قائم کر دیتے ہیں چاہے یہ آمریت مزدوروں کے طبقہ کی ہی کیوں نہ ہو یہ کہا جاتا ہے کہ بالشوزم افراد کو غلام بنا دیتا ہے چاہے یہ غلامی جماعت ہی کی کیوں نہ ہو۔ بالشوزم میں ہر موقع پر ایک شخص کو دوسرے اشخاص کے سخت احکام کی اطاعت کرنا پڑتی ہے یہ کرو یہ نہ کرو اس حکم دینے والی اور حکومت کرنیوالی جماعت کا اگر تجزیہ کیا جائے تو صرف چند افسروں اور عاملوں تک محدود ہوکر رہ جاتی ہے۔ جہاں تک عملی زندگی کا تعلق ہے یہ چند اشخاص کی حکومت ہو جاتی ہے۔ بلکہ چند افراد کی بھی نہیں صرف ایک فرد واحد یعنی آمر مطلق کی حکومت ہوکر رہ جاتی ہے۔

اسلام [illegible] نہیں کرتا [illegible] کسی شخص یا کسی گروہ یا طبقہ کی آمریت نہیں رکھی گئی ہے۔ کوئی مسلم کسی دوسرے شخص یا کسی گروہ اور طبقہ کا غلام نہیں ہے وہ ایک اور صرف ایک آمر مطلق کا غلام ہے لیکن وہ انسان نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسا وجود ہے جو عقل و فہم سے بالاتر ہے ہر شخص چاہے وہ کتنا ہی طاقتور اور ذی اقتدار کیوں نہ ہو حتیٰ کہ رسولوں میں برگزیدہ ترین رسول بھی سب اس کے غلام ہیں لیکن اس غلامی اور دوسری غلامیوں میں فرق ہے یہ غلامی اسکی ہے جو بے نظیر اور بےمثال ہے جو ایک لامحدود و ابدی اور ازلی وجود کا مالک ہے جس کی نہ کوئی شکل ہے نہ جگہ جس کے نہ اولاد ہے نہ اسکے مشابہ کوئی چیز ہے۔ جو ہمارے نہایت پوشیدہ خیالات کا رازدار ہے جو علیم و بصیر ہے جو اپنی قدرت کے لزوم کی وجہ سے موجود رہتا ہے اور اپنی ذات میں سے اپنی تمام خلاقی اور دماغی قوتوں کو حاصل کرتا ہے اسلام میں صرف اسی وجود کو حکم دینے کا حق حاصل ہے وہی صرف انسان سے اعلیٰ اور برتر ہے لا غالب الا اللہ وہی خطا اور قصور سے پاک اور منزہ ہے انسانوں کی

اکثریت بھی ہمیشہ صحیح راستہ پر نہیں ہوتی بعض وقت صرف ایک آدمی مدد راہ پر ہوتا ہے ایسے مواقع لیکن کہ زندگا ہیں بھی پیدا ہو۔ اسی لیے ایک آدمی کسی ایسے بڑے آدمی کی اطاعت کیوں قبول کرے جس کے متعلق امکان ہے کہ وہ غلطی پر ہو؟ آدمی کیوں آخر وجود کے احکام کی اطاعت کرے جس کے متعلق یقین ہے کہ وہ کبھی غلطی نہیں کرتا یہ جائے سے بعد کرے ۔۔۔۔ انسان یا انسان کا گروہ یا انکی اکثریت یا ان کی پوری تعداد غلطی سے مبرا اور منزہ نہیں ہے کون ایسا شخص ہے جو خدا کے سامنے سر نہیں جھکائیگا؟ کون ایسا شخص ہے جو دوسروں کا فرماں بردار غلام بننے کی جگہ نہ چاہے گا کہ اپنے ضمیر خیال اور عمل کی آزادی کو قایم رکھے؟

انہی مصلحتوں کے پیش نظر اسلام نے نجی ملکیت میں کچھ لچک رکھی ہے تاکہ آدمی کی آزادی اور اس کا اختیار نیز باقی رہے نیز یہ کہ کام کیے جو اس کے قدرتی محرکات ہیں جہاں تک وہ پسندیدہ اور فطری ہیں وہ باقی رہیں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر اسلام ملکیت ذاتی کی تنسیخ کا قائل ہوتا تو قرآن میں وراثت کے قوانین درج نہ کیے جاتے ان کی توجہ میں اس بات کی طرف مبذول کراؤں گا کہ خدا کا ایک نام الوارث بھی ہے اور قرآن نے یہ اعلان کیا ہے کہ انت خیر الوارثین کہ تو بہترین وارث ہے اور وہ سوال کرتا ہے کہ تمہارے پاس اسکی کیا دلیل ہے کہ تم خدا کی راہ میں نہ خرچ کرو؟ درآنحالیکہ اللہ ہی تو آسمان اور زمین کا وارث ہے (سورہ ۷ آیت ۱۰)

اس سے ثابت ہوا کہ قانون وراثت کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اس سے نجی اور ذاتی ملکیت کی تنسیخ نہیں ہوتی۔ ہر سچا مسلمان اس بات کو زیادہ پسند کریگا کہ وراثت کے قوانین کو نظر انداز

ھ ذاتی ملکیت کو حق لغائی کی ہے۔ بندوں کی ملکیت سے مراد اضافی اور عارضی ملکیت ہے اس ملکیت کا مطلب تمتع کے حقوق ہیں جو حدود اور ذمہ داریوں سے محدود کیے جاتے ہیں قرآن میں دنیا کو متاع الی حین کہتے ہیں یعنی نفع اٹھانیکی چیز جو ایک خاص مدت کیلئے دیجاتی ہے (مولف)

کپڑے اور اپنے مال اور "دولت" کو خیرالوارثین کی وراثت میں دیدے۔

یہ سمجھنا غلطی ہے کہ بالشوکوں نے تمام نجی (وذاتی ملکیت کو ختم کردیا ہے ... نجی ملکیت سے بالشو کا خاص مطلب "ذرائع پیدائش دولت" سے ہے" اشترکیوں کے اعلان حقوق میں یہ لکھا گیا ہے کہ کمیونزم جماعت کی پیداوار پر قبضہ کرنیکی طاقت سے کسی شخص کو محروم نہیں کرتا" جس کا مفہوم یہ ہے کہ نجی ملکیت کی بعض شکلوں کو جائز طور پر حاصل کیا جاسکتا ہے مثلاً کپڑے، مکان، باغ، چھوٹا کھیت لیکن صرف ذاتی استعمال کیلئے تجارت یا نفع کیلئے نہیں۔

بالشوزم درمیانی طبقہ کے ان لوگوں کا جو جایداد کے مالک ہوتے ہیں دشمن ہے بلکہ لینن نے خود لکھا ہے کہ "درمیانی طبقہ کے جایداد کے مالکوں کو بلاشبہ ارض سے صاف کردینا ہے"

ہمیں اسبات کا علم ہے کہ ہر قسم کا ترکہ روس میں ختم نہیں کیا گیا ہے پابندیاں لگا دیگئی ہیں جیسی اسلامی قانون کے بانٹنے لگا دی گئی ہیں اگرچہ پیمانہ اور طریقہ مختلف ہے روس میں وہ دوسرے ... کے مرنیکے بعد حکومت کی طرف سے محاصل ترکہ یا "محاصل ترکہ" لگائے جاتے ہیں

بہرحال موجودہ زمانہ میں روس میں تجربہ ہورہا ہے اور یہ بجا طور پر کہا گیا ہے کہ موجودہ جنگ شروع ہوگئی ہے اگر بالشوکوں کو فتح ہوئی تو اشتمالیت تمام دنیا پر چھا جائیگی اور ملکیت ذاتی آج جس طرح آمدنی کا ذریعہ بنی ہوئی ہے اس حیثیت سے غائب ہوجائیگی۔ اگر انہیں ناکامی ہوئی تو کسی نہ کسی شکل میں ملکیت ذاتی کا رواج روس میں بھی ہوجائے گی

ہم نے حالات سے جو کچھ اندازہ کیا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالشوک خود اس سمجھوتہ کو اختیار کریں گے جسے اسلام نے پیش کیا ہے۔ نصب العین تو یہ باقی رہیگا کہ ملکیت ذاتی کو قطعی طور پر ختم کردیا جائے لیکن ایسے ذرایع بھی اختیار کئے جائینگے جن سے ذاتی محرکات اور بچوں اور خاندان کی محبت کے طبعی میلانات وغیرہ کو اظہار کا موقع مل سکیگا۔

قطع ید اور اسلامی معاشیات

از

جناب حافظ سراج الدین محمود صاحب بی۔اے۔بی۔ٹی

قطع ید اور اسلامی معاشیات

(از جناب حافظ سراج الدین محمود صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ٹی)

ایک صحبت میں میرے ایک دوست نے جو ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی اور صالح نوجوان ہیں دریافت فرمایا:

"کیا چور کا ہاتھ کاٹ ڈالنے کی سزا بہت زیادہ سخت نہیں ہے؟ بھوک در فاقہ کشی سے مجبور ہو کر ایک آدمی

اگر پیٹ بھرنے کے لئے اپنی خوراک کے قابل کچھ چرا لے تو کیا اس کا ہات کاٹ ڈالا جانا چاہیے؟"

رحم و کرم اور شفقت و محبت کے جذبات کا یہ اظہار اگرچہ ایک اجتہادی رنگ لئے ہوئے تھا مگر ان جذبات کی روح ہی نہیں بلکہ الفاظ تک علمائے سیاست و مصلحین فرنگ سے مستعار لئے ہوئے تھے! ایک فرانسیسی مصنف وکٹر ہیوگو نے انہی جذبات و احساسات کو اپنی مشہور عالم تصنیف

مصیبت زدہ میں ایسے غمناک پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ قارئین کا اس سے متاثر ہوئے بغیر رہنا ناممکنات میں سے ہے! اس میں شک نہیں کہ علمائے فرنگ کا ایک طبقہ نیک نیتی سے یورپ کے ان قوانین کی جو دور تاریک کی یادگار تھے سختی و شدت کم کرنے میں ساعی رہا ہے لیکن سیاسیئن مغرب کا ایک ایسا گروہ بھی وہاں ہمیشہ موجود رہا ہے جو کسی دیانتداری کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی استعمار پرستانہ اغراض کے حصول کی خاطر ہر اسلامی نظریہ و قانون کے خلاف پروپیگنڈا کرنا ہی اپنی زندگی کا مقصد سمجھے ہوئے ہے۔ کوئی موقع اور محل ایسا نہیں جہاں اس طبقہ کے افراد اپنی زہر چکانی سے باز رہتے ہوں تاریخ کا مضمون ہو یا جغرافیہ کا علم معیشت کا مسئلہ ہو یا معاشرت کا، نہایت ہی صفائی اور خوبصورتی کے ساتھ اسلام کی مخالفت کر جانا اور تریاق میں زہر ملا کر دنیا کے سامنے پیش کرنا، تاکہ اس جام زہر کو آسانی سے نوش کیا جا سکے، ان کا شیوہ ہوتا ہے۔

دشمنانِ اسلام تو اپنی فوقیت و برتری اور قوتِ استبداد کو قائم رکھنے کے لئے دانستہ دُنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنے پر آمادہ و مستعد رہتے ہی ہیں لیکن افسوس تو فرزندانِ اسلام پر ہے جو حقیقت حال کو سمجھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ وہ اس قسم کے الفاظ زبان سے ادا کرتے وقت اپنے اعتراض کی اہمیت کو بھی قطعاً نہیں سمجھتے بلکہ "ہز ماسٹرز وائس" کی طرح جو سنا ہے بس وہی بول دیا کرتے ہیں۔ اگر اس قسم کے شکوک و شبہات خارجی اور فاسد اثرات کی پیداوار نہ ہوتے بلکہ ہماری اپنی ذہنی بلندی اور اُپج کا ہی نتیجہ ہوتے تو بھی بسا غنیمت تھا کہ اس صورت میں کم از کم یہ تو امید کی جا سکتی تھی کہ جب شئی لطیف موجود ہے تو جس طرح وہ شبہات پیدا کرتی ہے اسی طرح تھوڑی محنت اٹھا کر شبہات کا حل بھی نکال لے گی۔

اس قسم کے معترضین کبھی یہ خیال نہیں کرتے کہ اسلام ایک نظام ہے جو ایک خاص قسم کا تمدن اور مخصوص قسم کی تہذیب پیدا کرتا ہے اس نظام کی تمام کڑیاں مسلسل اور باہم مربوط ہیں۔ کسی ایک کڑی کو اس پورے نظام یا سلسلہ سے الگ کر کے مطالعہ کرنا حقیقت حال سے بے خبری اور جہالت کی دلیل ہے۔ ایسا کرنا صرف اسی صورت میں جائز ہو سکتا تھا کہ اسلام بھی بعض دوسرے مذاہب کی طرح چند غیر مربوط اخلاقی اصولوں کا مجموعہ ہوتا یا صرف موعظہ حسنہ کا ایک دفتر جو عملی زندگی میں ہندوستان کے عقیدۂ اہنسا اور عیسائیت کے عقیدۂ مسکنت کی طرح ناممکن العمل ہوتا مگر جب کہ اسلام ایک مرتب اور غیر مربوط نظام ہے تو اس کے اجزا کو الگ الگ نہیں بلکہ پورے مجموعہ کے ساتھ دیکھنا ہی مشاہدہ حقیقت کا صحیح طریقہ ہو سکتا ہے۔ قطع ید ہو یا کوئی اور حکم، آپ اس کو اس کے صحیح ماحول میں مطالعہ کیجیے آپ کے شکوک و شبہات خود دور ہو جائیں گے۔

قبل اس کے کہ اس سلسلہ میں اسلامی نقطۂ خیال کی وضاحت کی جائے اس سوال کی تحقیق کر لینی چاہئے۔ اور یہ ایک اہم سوال ہے کہ انسانی سوسائٹی میں آخر چوری ہوتی کیوں ہے؟ اس کے متعدد اسباب و وجوہ ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ مگر ان سب کو دو بڑی اقسام پر منقسم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی قسم کی چوری وہ ہے جو حاجت اصلیہ کے بغیر محض حرص، حسد، آسان طلبی یا انتقام کی جذبات کے ماتحت کی جاتی ہے۔ اور دوسری قسم کی چوری وہ ہے جس محرک حقیقی حاجت مندی ہوتی ہے۔ ان میں سے پہلی قسم کو

ری کے متعلق تو ہم سمجھتے ہیں کہ کوئی صاحب عقل آدمی بھی ایسا نہ ہوگا جو اس کے مرتکب کو کسی قسم کے رحم کا مستحق سمجھتا ہو
ں کے ساتھ نرم برتاؤ کی سفارش کرنا پسند کرے کیونکہ اگر اس باب میں نرمی کی جائیگی اور اسے پھولنے پھلنے کا موقع دیا
ئیگا تو ملک میں ظالم اور مظلوم دو ایسے طبقے پیدا ہو جائیں گے جن میں سے ایک طبقہ اپنے ظلم و جور اور طغیان و سرکشی سے دوسرے
قہ کیلئے زندگی تنگ کر دیگا، اور جب دوسرا طبقہ اس ظلم سے تنگ آکر جواب میں ہاتھ اٹھائے گا تو فساد، بدامنی اور خونریزی سے
راکی زمین بھر جائیگی۔ ہاتھ کٹنے کی صورت میں تو دو چار کے ہاتھ کٹنے پر فتنہ فرو ہو سکتا تھا لیکن اب دو چار نہیں بلکہ سینکڑوں ہزاروں کی
زنیں کٹنے پر بھی شر اور فساد کا سرچشمہ مشکل ہی سے بند ہو سکیگا لہذا ایسی چوری کی تو یقیناً کوئی شخص رحم اور نرمی کا مشورہ نہیں دے سکتا۔

اب صرف دوسری صورت باقی رہ جاتی ہے کہ افلاس و ناداری یعنی بھوک اور فاقہ کشی سے مجبور ہوکر جب محنت و مشقت کے باوجود
بھی انسان اپنے اور بال بچوں کے سر چھپانے کو جگہ، تن ڈھانکنے کو کپڑا اور پیٹ بھرنے کو روٹی نہ پا سکے تو لامحالہ اسے چوری
جیسی ذلیل اور قبیح عادت کا سہارا لینا پڑے خصوصاً جب وہ دیکھتا ہے کہ وہ اور اس کے بال بچے تو فاقہ کشی میں مبتلا ہیں، اور
اسی کے مانند دوسرے انسان جو کسی طرح بھی اس سے بہتر و برتر نہیں، اسکی بہ نسبت کم محنت کر کے یا بالکل محنت نہ کر کے
بھی عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہے ہیں، بلکہ خداوندی نعمتوں کو اسراف بےجا اور عیاشی میں اڑا رہے ہیں تو اس کا دل
بہی لیے نتیجہ غرق ریزی اور جفا کشی سے بھر جاتا ہے! اور وہ کہتا ہے کہ جب میں سیدھے طریقے سے اس غیر منصفانہ نظام کو بدل
نہیں سکتا تو کیوں نہ چوری کے ذریعے تقسیم دولت کے اس فاسد نظام کو توڑ ڈالوں، جب دولت کا یہ دریا سمٹ کر ایک ہی طبقہ میں بہے
جا رہا ہے اور مجھ جیسے پیاسوں کو اسکے قریب بھی بھٹکنے نہیں دیا جاتا تو کیوں نہ خفیہ طریقہ سے مار زبردستی اس کے اندر سے ایک نالی
اپنے لئے بھی نکال لاؤں؟

جو شخص اس ضرورت کی بنا پر مجبوراً چوری کرتا ہے، اس کا معاملہ یقیناً ہمدردانہ غور کا مستحق ہے مگر اسلام
نظام سرمایہ داری کی طرح تقسیم دولت کے اس ظالمانہ طریق کو باقی رکھتا ہے اور پھر ضرورت سے مجبور ہوکر چوری
کرنے والوں کے ساتھ اس نرمی کا سلوک بھی نہیں کرتا جسے نظام سرمایہ داری نے اختیار کیا ہے تو بلاشبہ اسے ظلم سے
تعبیر کیا جانا چاہیئے کیونکہ حاجتمندوں کی حاجت پوری کرنے کا سامان بھی نہ کرو اور جب وہ حاجت سے مجبور ہوکر

چوری کریں تو اُن کے ہاتھ بھی کاٹ دو اسے کون نہ ظلم کہے گا۔ لیکن اگر اسلام انسان کی حاجاتِ اصلیہ کا سوال پہلے حل کرتا ہے اور پھر اس حل کو عملاً قائم کرنے کے بعد ان مفسدوں کے ہاتھ بیکار کر دینا چاہتا ہے جو اپنی حرص و حسد یا آسان طلبی یا انتقام کی خاطر تقسیم دولت کے عادلانہ نظام کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں، تو اس پر اعتراض کرنے والے کو زبان کھولنے سے پہلے سوچ لینا چاہئیے کہ وہ انسانیت کی دوستی میں زبان کھول رہا ہے یا دشمنی میں۔

اب قبل اس کے کہ ہم اسلام کے اس تجویز کردہ عمل سے بحث کریں، ہمیں ایک نظریہ بھی دیکھ لینا چاہئیے کہ سوسائٹی میں یہ غیر مساوی حالت اور غیر منصفانہ تقسیم کن وجوہ سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ ان وجوہ کے معلوم ہو جانے کے بعد ہمارے لئے اس حل کو سمجھ لینا نسبتاً زیادہ آسان ہو جائے گا۔

انسانی سوسائٹی میں غیر مساوی حالت پیدا ہونے کی صرف تین ہی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ قلبی، ذہنی اور جسمانی۔ ہم ان کی مزید تشریح کرتے ہیں:۔

قلبی وجہ:۔ یہ کہ عقیدۃً انسان ایسے طبقوں میں تقسیم ہو جائے جن میں سے بعض اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز اور اعلیٰ تصور کرتے ہوں اور بعض اپنے آپ کو حقیر اور ادنیٰ خیال کرتے ہوں۔ اس کی مثالیں ہندوستان میں خاص کر پائی جاتی ہیں۔ دیگر غیر اسلامی ممالک میں بھی دولت کی وجہ سے انسان کو اعلیٰ اور ادنیٰ طبقات میں تقسیم کر دیا گیا ہے موجودہ زمانہ میں حقیقی اسلامی روح کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے عملاً اسلامی طبقات بھی اس مصیبت میں مبتلا ہو چکے ہیں، اگرچہ عقیدۃً وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ذہنی وجہ:۔ پیدائشی طور پر انسان اپنی قابلیتوں کے اعتبار سے بعض انسانوں کے مقابلہ میں فائق تر ہوں اور اس بنا پر ان کے معاشرتی درجے اور مادی حالات میں بھی تفاوت پایا جائے۔

جسمانی وجہ:۔ زیادہ اثر و رسوخ اور زیادہ طاقت رکھنے والے لوگ دولت عامہ کی تقسیم اس طرح کرانے میں کامیاب ہو جائیں کہ ان کو دوسروں سے بہت زیادہ حصہ ملے اور خاص حد کے اندر عادلانہ تقسیم نہ ہونے پائے جس کی وجہ سے محروم و مفلس یعنی مزدور، اور دولتمند

سرمایہ دار طبقوں میں، یا وراثتی طور پر حاکم و محکوم طبقوں میں سوسائٹی تقسیم ہو جائے۔

اسلام نے ان مصائب کا جو علاج تجویز کیا وہ حسب ذیل ہے:۔

(۱) سب سے اول اسلام نے انسان کو اس کی اصلیت یاد دلائی اس کی زندگی کی غرض وغایت اور مقصد کو کھول کر بیان کر دیا اسے بتلایا کہ تم سب آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے یعنی تم میں نہ کوئی افضل و اعلیٰ ہے اور نہ کوئی ادنیٰ اور حقیر تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو، اگر افضل ہو تو سب کے سب ہی افضل ہیں، کیونکہ خداوند قدوس نے نوعِ انسانی کو نہ صرف اشرف المخلوقات ہی بنایا ہے بلکہ اس کو دنیا میں اپنا خلیفہ اور نائب بھی بنا کر بھیجا ہے وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً۔ اس لئے تم میں کوئی بھی ذلیل نہیں۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ اور لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ۔

اسلامی سوسائٹی اسی بنیادی فکر کی اساس پر اٹھائی گئی ہے اور مسلمان جو اس فکر پر ایمان لائے ہیں ان سے کہہ دیا گیا ہے کہ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ تم سب برابر کے بھائی ہو تمہارے درمیان سے اونچ نیچ چھوت چھات، بندگی و گندگی اور پاکی و ناپاکی کے سارے فرق و امتیازات اٹھا دیئے گئے تم میں سے کوئی نیچ نہیں سب اونچے ہیں۔ کوئی ناپاک نہیں سب پاک ہیں۔ کوئی ادنیٰ اور حقیر نہیں سب عزت والے اور شریف ہیں تمہارے درمیان اگر کوئی فرق ہے تو صرف اخلاق اور عمل صالح کے اعتبار سے ہے إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ اس اعتبار سے جو بڑھا ہوا ہے وہ بلاشبہ افضل ہے اور جو گھٹا ہوا ہے اس کا درجہ پست ہے، مگر یہ بلندی اور پستی اس غرض کے لئے نہیں ہے کہ جو اس معنی میں بلند ہو وہ زیادہ زمین گھیرے یا دولت میں سے زیادہ حصہ پائے، بلکہ اس کی غرض یہ ہے کہ انسان کی نظر میں عزت اور بزرگی کا معیار مال یا نسب نہ ہو بلکہ حسن اخلاق اور حسن عمل ہو۔

یہاں مزید تفصیلات کی گنجائش نہیں صرف اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ اسلام نے اس طرح ان تمام تخیلات کی جڑ کاٹ دی جن پر انسانی سوسائٹی میں اونچے اور نیچے طبقات کا امتیاز قائم ہوتا ہے اور جن کی وجہ سے ایک طبقہ پیدائشی حق کے طور پر دوسرے طبقہ کو اپنی اغراض کا غلام بناتا ہے قرنِ اول کی یہی وہ سب سے

بڑی کامیابی تھی جس کی مثال تاریخ عالم آج تک پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اسی تربیت سے وہ قوم پیدا ہوئی تھی جس کے ایک عام فرد کو جب رستم سپہ سالار ایران نے دربارِ ایران کی شان و شوکت، دولت و ثروت اور عزت و عظمت کے ہوش رُبا نظارے دکھلا کر مرعوب و مبہوت کرنا چاہا تو اس پیوند لگے لباس میں ملبوس اور پھٹے ہوئے نیام میں تلوار رکھنے والے سپاہی کے پائے استقلال میں ذرا سی لغزش بھی نہ آسکی۔ وہ سپہ سالار ایران کے جواہرات سے مرصع تخت پر اس کے پاس اس طرح بے تکلف جا بیٹھا جیسے کہ اس کی ساری عمر شاہی درباروں میں ہی گذری تھی! اُسے بازو سے پکڑ کر تخت سے نیچے اتارنے میں عجمیوں نے حماقت کی لیکن اب وہ فرش خداوندی پر بھی اسی بے تکلفی اور آن بان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ گویا مجمع کا سردار وہی ہے اور جب اس کی زبان سے یہ جملے ادا ہوئے:-

"ہم میں یہ دستور نہیں کہ کوئی ایک ہم میں سے خدا بن کر بیٹھ جائے اور باقی اس کے سامنے اس کے بندوں کی طرح بن کر ہاتھ باندھے کھڑے رہیں ہمارا جو امیر ہے وہ ہمارے برابر ہی فرش زمین پر بیٹھتا ہے۔ اگر اسے ایک لمحہ کیلئے بھی ایسا خیال آئے تو ہم اسے فوراً معزول کر دیں ہم سب بھائی بھائی ہیں آقا و غلام نہیں ہیں۔"

تو اس انقلابی آواز کو سن کر ایرانیوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور طبقاتی امتیازات سے کچلا ہوا ایران اسلامی جمہوریت کے اس مظاہرہ سے دہشت زدہ ہو کر رہ گیا! اس طرح اسلام نے طبقاتی فرق و امتیاز کے عقائد باطلہ کا بُت عملی طور پر پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ پھر جب ذہنی اور فکری قوتوں کو اس فتنہ سے نجات مل گئی اور انسان انسانیت کے رُتبہ پر پھر سے فائز ہو گیا تو اسلام نے اس فکری آزادی کے حفظ و بقا اور انسان کی طبقاتی تقسیم کی قطعی بیخ کنی کے لئے دوسرا قدم بڑھایا۔

(۲) دولتِ عامہ کی عادلانہ و منصفانہ تقسیم

قائم رکھنے کے لئے ایسے تمام کاروبار کی قطعی ممانعت کر دی جس سے بلا زحمت دوسرے کی کمائی پر گھر بیٹھے قبضہ ہو سکے اور ہاتھ پاؤں تک بھی ہلانے نہ پڑیں۔ سود خواری، اجارہ، احتکار اور اکتناز اموال کا حرام قرار دیا جانا انسانیت کے لئے نعمتِ عظمیٰ سے کم نہ تھا۔ وہ تمام ظالمانہ اور حریصانہ افعال

یکدم بند کر دئے گئے جو صدیوں سے انسانوں کا خون چوس رہے تھے۔ اس سوسائٹی میں کوئی ہوشیار و چالاک انسان دھوکہ فریب سے بغیر کسی محنت و مشقت کے، دوسروں کی کمائی پر قبضہ نہیں کر سکتا تھا۔ اور دولت عامہ کی غیر منصفانہ تقسیم اس سوسائٹی میں ایسا ممکن نہ تھی۔

(۳) اس حکم سے ناجائز ذرائع آمدنی کو تو قطعاً بند کر دیا گیا۔ جائز ذرائع اور مناسب محنت و مشقت سے حاصل کردہ آمدنی کو مستحسن قرار دیا گیا۔ مگر دولت کا چند افراد یا گروہوں کے پاس جمع ہو جانا پھر بھی سوسائٹی میں مفاسد اور فتن کے پیدا ہو جانے کا باعث ہو سکتا تھا۔ ہر جائز سے جائز اور ضروری سے ضروری چیز کا جب غلط استعمال کیا جائے تو اسی چیز سے پھر مفاسد پیدا پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔ اس لئے حد سے زیادہ دولت کا کسی ایک جگہ جمع ہو جانا اسلام نے گوارا نہیں کیا اسی کے تدارک کے لئے زکوٰۃ فرض کی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ جائز محنت سے کمائی ہوئی دولت بظاہر انسان کی انفرادی محنت کا پھل ہوتی ہے اس لئے بادی النظر میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ جس نے اپنی محنت سے اس دولت کو کمایا ہے وہی اس سے فائدہ اٹھانے کا حق دار ہے لیکن اسلام اس نظریہ کو قبول نہیں کرتا کہ کسی شخص کی کمائی ہوئی دولت محض اس کی انفرادی محنت کا ہی ثمر ہوتی ہے۔ برعکس اس کے کہ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ ہر شخص کی محنت کا بارآور ہونا ان تمام لوگوں کی مشترک محنتوں کا نتیجہ ہوتا ہے جن کے ساتھ ان کا معاشرتی اور تمدنی رابطہ ہے۔ لہذا جن لوگوں کی محنتیں زیادہ بارآور ہوئی ہیں ان سے وہ ان لوگوں کا حق رکھوا لیتا ہے جن کی محنتیں کم بارآور ہوئیں یا بارآور نہ ہو سکیں اس حق کو وہ سوسائٹی کے مشترک خزانہ یعنی بیت المال میں جمع کراتا ہے اور خزانہ کے ناظموں پر یہ فرض عائد کرتا ہے کہ وہ ان طبقوں تک اسے پہنچائیں جو تقسیم دولت میں اپنا مناسب حصہ پانے سے محروم رہ گئے ہیں۔ اس طریق تقسیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ صاحب نصاب   اور نادار میں اتنا بعد المشرقین باقی نہ رہا جس سے اس میں کسی تصادم کا خطرہ پیدا ہو سکے یہی وجہ ہے کہ سرمایہ

محنت کی جنگ سے اسلامی ممالک آج تک کبھی آشنا ہی نہیں ہوئے۔ چونکہ جائز حدود کے اندر انفرادی جدّوجہد کو کلیتہً مسدود کرنا بھی خلافِ فطرت ہے اور ساتھ ہی کسی ایک جگہ دولت کے انبار لگ جانا بھی فطری نظامِ تمدن کو خراب کر دینے کا موجب ہے۔ اس لئے اسلام نے نہایت حکمت و دانائی کے ساتھ اس خطرے کا سدِّباب بھی کر دیا اور انفرادی آزادی بھی باقی رکھی۔ یہ حل فطرت سے اس قدر مطابق اور حکمتوں سے اس قدر پُر ہے کہ بے ساختہ زبان سے سبحان اللہ العلی العظیم نکل جاتا ہے۔

(۳) وراثت کے باب میں دنیا کا عام نظریہ یہ تھا کہ جو دولت ایک مرتبہ ایک جگہ اکٹھی ہو چکی ہے وہ جمع کرنے والے کی وفات کے بعد بھی اکٹھی رہے۔ اسی غرض کے لئے اولادِ اکبر کے حق کا اصول وضع کیا گیا اور بعض جگہ اس میں یہاں تک غلو کیا گیا کہ اگر مرنے والا اولاد نہیں رکھتا تو وہ کسی کو متبنیٰ کر لے تاکہ اس کی جمع کی ہوئی دولت اور فراہم کی ہوئی جائداد ایک ہی جگہ بندھی کی بندھی رہے۔ اسی طرح سوسائٹی کے بعض طبقوں کو مستقل طور پر وراثت کے حق سے محروم بھی کر دیا گیا، مثلاً عورتیں۔ یہ بھی دولت کی غیر عادلانہ تقسیم کو برقرار رکھنے کا ایک بڑا ذریعہ تھا اسلام نے اس حالت کو کلیتہً تبدیل کر کے رکھ دیا۔ نہ صرف تمام اولادِ ذکور میں ہی باپ کے ترکہ کو تقسیم کئے جانے کا حکم صادر فرمایا بلکہ طبقۂ اناث میں صرف بیٹیوں ہی کو نہیں بلکہ بیویوں تک کو بھی محروم نہ رکھا اور بہت سی صورتوں میں قریب و بعید عزیز و اقارب سب ذی القربیٰ کو بہرہ ور فرمایا۔ کمانے والے کو اپنی زندگی میں اپنی جائز کمائی سے، بعد ازادائے زکوٰۃ و صدقات و مبرات، جائز حد تک ہر طرح مستفید ہونے کا حق ضرور دیا لیکن اس کی موت پر باقی ماندہ دولت سے استفادہ کرنے والوں کا حلقہ زیادہ سے زیادہ وسیع کر دیا۔

(۴) اسلام نے اس سوسائٹی کے افراد کو زراعت، تجارت، صنعت و حرفت اور ملازمت سب ہی کی اجازت دے دی لیکن ان سب کے لئے ایسے حدود مقرر کر دئیے کہ کوئی شخص دوسروں کو نقصان پہنچا کر یا

اپنی مناسب حد سے تجاوز کرکے کچھ حاصل نہ کرسکے۔ ملازموں نے اپنی پوزیشن کو دیکھتے ہوئے ہدیہ تک کو لینے سے احتراز کیا اور قبول ہدیہ کو بھی رشوت میں شمار کیا۔ قارض نے مقروض کی دیوار کے سایہ میں بیٹھنے تک کو سود لینے کا ارتکاب تصور کیا۔ تجارت پیشہ نے اپنے مال کے نقائص خریدار کو دکھلائے بغیر مال فروخت کرنا ناجائز اور حرام خیال کیا۔ زراعت پیشہ نے دوسرے بھائی کے کھیت سے بلا اس کی اجازت گھاس تک کے کاٹنے کو چوری سے تعبیر کیا۔ پھر انصاف کے حصول میں بڑے سے بڑے اور اہم سے اہم مقدمات کے لئے بھی ایک پیسہ کا خرچ نہ تھا۔ کورٹ فیس، رشوت، بے جا رعب و داب، حاجت دربان کی منتوں اور وکلاء کی قانون تراشیوں کا دروازہ بند تھا۔ اگر حکمران وقت کے خلاف بھی چارہ جوئی کی ضرورت پیش آتی تھی تو غریب سے غریب مزدور کے لئے بھی کوئی رکاوٹ یا موانع موجود نہ تھے! امامت، نکاح خوانی، غمی یا خوشی کی تمام تقریبات انجام دینے کا ہر مسلمان اہل تھا اور ان کاموں کے لئے بھی نہ کسی خاص طبقہ کے مخصوص حقوق تھے اور نہ ان کی انجام دہی کے سلسلہ میں کسی کی جیب پر کوئی بار پڑتا تھا۔ مرنے والوں کو قبر کے لئے زمین بھی مفت ملتی تھی اور اگر میت کے ورثہ کفن فراہم کرنے کے قابل نہ ہوتے تو کفن بھی بیت المال سے بلا قیمت مل جاتا تھا۔

(۵) اسی پر بس نہیں کی گئی بلکہ حقوق ہمسایہ کو اسقدر وسعت دی گئی کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہمسایہ کے اتنے اتنے حقوق بتائے گئے کہ مجھے شبہ ہونے لگا کہ کہیں اس کو ترکہ اور وراثت میں شریک نہ کر دیا جائے"۔ مسلمان سے کہا گیا کہ "تیرے لئے اس صورت میں کھانا حرام ہے جب کہ تیرا پڑوسی بھوکا ہو" اس باب میں مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بھی کوئی تمیز نہ کی گئی۔ قرآن کا حکم عام تھا کہ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ۔ نیک سلوک کرو اپنے ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ، پڑوسی کے ساتھ خواہ وہ قرابت دار ہو یا غیر، پاس بیٹھنے اٹھنے والوں کے ساتھ، مسافر کے ساتھ

اور ان لوگوں کے ساتھ جن کو خدا نے تمہارے بس میں کر دیا ہے۔

فلسفیانہ اور اخلاقی مجموعۂ قوانین کے لئے تو کسی قوتِ نافذہ کی ضرورت نہیں ہوا کرتی کیونکہ اس قسم کے اختیاری فرائض کسی سوسائٹی کے تمام افراد کی عملی زندگی پر حاوی ہونے کے لئے وضع ہی نہیں کئے جاتے۔ ان کی حیثیت اختیاری امور کی سی ہوتی ہے جو اشخاص انہیں پسند کریں ان پر عمل پیرا ہوں دیکھیں ورنہ بصورتِ دیگر ان پر کوئی الزام نہیں لیکن اسلامی قوانین کی یہ حیثیت نہ تھی وہ اس دنیاوی زندگی میں ایک بہتر و اعلیٰ سوسائٹی کی تخلیق و تنظیم کے لئے انسان پر فرض کئے گئے تھے اس لئے ضروری تھا کہ ان کی پشت پر ایک ایسی قوت ہو جو راستے سے تمام موانعات کو دور کر دینے اور احکام کو جاری کرنے کی طاقت و صلاحیت اپنے اندر رکھتی ہو۔ چنانچہ حقوق العباد یعنی انفرادی اور اجتماعی انسانی حقوق کو صحیح حدود کے اندر قائم رکھنے کے لئے اسلام نے نہ صرف قوانین دیوانی و فوجداری مرتب کئے بلکہ ان قوانین کے اجرا و عملدرآمد کے لئے ایک قوتِ نافذہ یا ہیئتِ حاکمہ بھی تشکیل کی جسے عرفِ عام میں حکومت اور اسلام کی زبان میں خلافت الٰہیہ سے تعبیر کیا گیا ہے اس امارت اسلامیہ اور عام دنیاوی حکومتوں میں اتنا ہی فرق و امتیاز ہے جتنا کہ خدائی اور انسانی کاموں میں ہوا کرتا ہے۔ یہ خلافت اسلامیہ اگرچہ ہر عاقل و بالغ کے ووٹ پر منحصر نہیں تھی لیکن پھر بھی اس میں کسی ایک فرد واحد کے حقوق کو خواہ وہ کتنا ہی غریب اور دور افتادہ کیوں نہ ہو، پامال کرنے کی قوت باقی نہیں رہنے دی گئی تھی۔ یہ حکومت اگرچہ موجودہ دور کی سی جمہوری حکومتوں کی مانند بھی نہ تھی لیکن اس میں عوام الناس کے بالمقابل کسی ایک انسان کو بھی اپنی ذات کے لئے تفوق و امتیاز کے خاص حقوق حاصل نہ تھے۔ خلیفۃ اللہ یا امیر المومنین اپنی رائے و منشاء سے اپنے ہر اک اس فعل میں جو وہ ملت کی بہبودی کے لئے سرانجام دینا چاہتا تھا مطلقاً آزاد و خود مختار تھا لیکن حدود اللہ سے —— جو نہایت ہی واضح اور بین طور پر بیان کر دی گئی تھیں اور جن میں وہ ایک ذرّہ بھر بھی کمی بیشی نہیں کر سکتا تھا۔ بال بھر بھی ادھر اُدھر ہونا اس کے لئے محال تھا۔ تمام اسلامی افواج کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں ہوتی تھی

بیت المال کے تمام اموال و خزائن اس کے قبضہ و اختیار میں ہوتے تھے۔ ملتِ اسلامیہ کا ہر فرد اس کے حکام پر ہی نہیں اشارہ تک پر تسلیم خم کرنے کو اس حد تک تیار و آمادہ پایا جاتا تھا کہ دنیا بھر میں ایسی تسلیم و رضا، اور فدائیت کی مثالیں نہ پہلے کبھی تھیں اور نہ ہی بعد میں پائی گئیں لیکن یہ سب کچھ اسی وقت تک تھا جبتک کہ وہ خود احکام خداوندی اور فرامین نبوی کی اطاعت میں سب سے آگے ہوتا تھا۔

قیصر و کسریٰ کے تمام خزائن بیت المال میں جمع ہیں لیکن یہ مختار مطلق دوا کے لئے بھی شہد کی ایک معمولی مقدار قوم کی اجازت کے بغیر اس میں سے حاصل نہیں کر سکتا۔ اُن قہار افواج کے مالک کے سامنے جن سے شرق و غرب کانپ رہا تھا، جن کی ایک ضرب کے سامنے قیصر ہرقل گھبرا کر "الوداع اے شام" کہنے پر مجبور ہو گیا تھا، ایک بڑھیا کھڑی ہو کر کہہ دیتی ہے کہ مہر کی مقدار مقرر کرنے کے لئے آپ کا فتویٰ غلط ہے، اور وہ اپنا فتویٰ واپس لے لیتا ہے۔

یہ تو اس نظام حکومت میں مسلمانوں کی حیثیت تھی لیکن رحمۃ للعالمین کے طفیل سے جو سوسائٹی عالم وجود میں آئی تھی اس میں غیر مسلم رعایا یعنی ذمیوں کو بھی وہ حقوق حاصل تھے جن کے متعلق دشمنوں کی شہادت موجود ہے کہ "غیر مسلم رعایا کو وہ تمام حقوق حاصل تھے جو ان کو اپنی حکومت میں بھی حاصل ہونے ممکن نہیں تھے لیکن وہ صرف خلیفہ نہیں بن سکتے تھے"۔ ایک بوڑھے اور ضعیف ذمی کا اس لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دیا جاتا ہے کہ بوڑھاپے میں اس کو دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے کی ذلت سے بچایا جائے۔ ایک عیسائی نے جب ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو ان الفاظ میں اپنے متعلق یاددہانی کرائی کہ "میں وہی عیسائی ہوں جو آج سے قبل فلاں وقت حاضر ہوا تھا" تو حضرت فاروق اعظمؓ نے فوراً جواب میں فرمایا "میں وہی مسلمان ہوں جس نے تمہارے حسب منشا اسی وقت احکام نافذ کر دیئے تھے"۔ ان سب سے بڑھ کر وہ واقعہ ہے کہ جب ایک بدبخت آتش پرست غلام نے حضرت فاروقِ اعظمؓ کو شہید کر دیا اور ابن عمرؓ نے شدتِ رنج و الم سے مغلوب ہو کر اس مجوسی کو قتل کر ڈالا، تو صحابۂ کرامؓ نے ایسے سخت و غیر معمولی

جوشِ قومی کے موقع پر بھی عدل کو فراموش نہ کیا، اور نئے خلیفہ کے سامنے سب سے پہلا سوال یہی پیش کیا کہ خلیفہ شہید کے بیٹے نے چونکہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر باپ کے قاتل سے خود انتقام لیا ہے اس لئے اس سے قصاص لیا جانا چاہئے اگرچہ حضرت عثمانؓ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور وہ حق پر بھی تھے لیکن پھر بھی ان کو بیت المال سے مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرنی ہی پڑی۔ غور تو کیجئے اس بیسویں صدی میں بھی حاکم قوم کے ایک معمولی فرد کو قتل کر دینے پر پوری قوم آپے سے باہر ہو جاتی ہے اور قاتل کی پوری قوم پر عذاب نازل کر دیا جاتا ہے۔ مگر اسلام کی شانِ عدل دیکھئے کہ خلیفۂ وقت اور ملت اسلامی کا نامور ترین ہیرو مار ڈالا جاتا ہے اور پھر بھی پیروانِ اسلام عدل و انصاف کو نہیں بھولتے۔ قاتل کی قوم تو رہی درکنار، خود قاتل سے بھی غیر قانونی انتقام لینے کو جائز نہیں رکھتے۔

عرب کے مفلس و قلاش بدو شاہانِ ایران کے محلات میں داخل ہوتے ہیں اور آلِ ساسان کے صدیوں کے جمع شدہ اموال و خزائن، زر و جواہرات دولت کے انبار اُن کے ہاتھوں میں آجاتے ہیں مگر ایک سوئی سے لیکر زر و جواہر سے مرصع اونٹنی تک صحنِ محل میں بجنسہٖ لاکر جمع کر دی جاتی ہے۔

اب اس تمام بیان کو ایک بار پھر پڑھو! ایک ایسی سوسائٹی جس میں جوا، سٹہ، اجارہ، احتکار[۵۱]، بیع غرر، سود اور دوسرے تمام دھوکہ فریب سے کئے جانے والے کاروبار حرام کر دئیے گئے ہوں[۵۲] جس میں عزیز و اقارب، رشتہ دار و ہمسایہ اور قریب و بعید ہر ایک کے حقوق کی حفاظت کر دی گئی ہو جس میں دولت عامّہ کی تقسیم کو صحیح اور مناسب حدود کے اندر رکھ کر کسی ایک جگہ دولت کے انبار جمع ہو جانے کے امکان کا بھی سدِباب کر دیا گیا ہو جس میں حکومت سَیِّدُ القَومِ خَادِمُهُم کے اصول پر اس حد تک عمل پیرا ہو کہ لباس، خوراک، رہائش اور آسائش سبھی چیزوں کے لحاظ سے حکمرانِ وقت کی نسبت عام رعایا کو

زیادہ خوشحالی، فارغ البالی اور سہولتیں نصیب ہوں، جس میں انصاف مفت، تعلیم مفت، نکاح وطلاق مفت تجہیز وتکفین مفت، غرض خدمتِ عمومی کے تمام کام مفت ہوں، جس میں حاجتمند کی ہر حاجت کا کفیل بیت المال ہو جس میں عامۃ الناس کی اخلاقی تربیت اتنے بلند پیمانہ پر کی گئی ہو جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کیا ایسی سوسائٹی میں چوروں اور سارقوں کے لئے کوئی جگہ باقی رہ گئی تھی؟ آپ مذکورہ صدر حالات پر قطعاً خالی الذہن ہو کر غور فرمائیں اور اگر پوری دیانتداری سے غور وخوض کے بعد بھی آپ اس نتیجہ پر پہنچیں کہ اس سوسائٹی میں بھی کسی ایک انسان کے چوری پر حقیقۃً مجبور ہونے کا کوئی امکان تھا تو پھر ہم اپنی رائے پر اصرار نہ کریں گے لیکن اگر اس کا جواب نفی میں ہے، اور حقیقۃً اس کا جواب ہے ہی نفی میں تو پھر آپ خود ہی فرمائیے کہ کیا ایسی سوسائٹی میں سرقہ یا چوری جیسے فعل قبیح کا ارتکاب کرنیوالوں کے ساتھ کوئی نرمی برتی جاسکتی تھی؟ کیا وہ لوگ بدترین قسم کے مفسد نہ ہوں گے جو ایسے عادلانہ نظام اجتماعی میں رہ کر بھی چوری سے باز نہ آئیں؟ ایسی سوسائٹی میں چوری کرنے والا خود اس بات کا ثبوت بہم نہیں پہنچاتا کہ وہ حاجت سے مجبور ہو کر چور نہیں بنا ہے بلکہ بچھو کی طرح اس کی طینت ہی ناپاک ہے؟ پھر اگر بچھو کے لئے سر کچلنے کی سزا سخت نہیں تو اس بڑے اور زیادہ خطرناک اجتماعی بچھو کے لئے قطع ید کی سزا کیوں سخت ہو؟

علم النفس کا یہ ایک مسلم مسئلہ ہے کہ فطرت کی سختی وشدت کو انسان گھٹا نہیں سکتا۔ البتہ اسے متعدد جگہ تقسیم کر دے سکتا ہے، اسلامی تعزیری قوانین کو غلطی سے انسان نے آج کل سخت تصور کر لیا ہے مگر وہ ان کی مزعومہ شدت کو کم تو نہیں کر سکا البتہ اپنی حماقت سے اس کو متعدد جگہ تقسیم کر کے بنی نوع انسان کو عام طور پر مبتلائے آلام ومصائب ضرور کر رہا ہے۔ اگرچہ ظاہر میں ہر ایک کی تکلیف کی مقدار کم نظر آتی ہے لیکن مجموعی حیثیت سے انسانیت کی روح اس شدت کو یقیناً بہت بری طرح محسوس کر رہی ہے جہالت جدیدہ نے اسلامی تعزیرات کو سخت تصور کیا اور جرائم کے لئے ہلکی سزائیں تجویز کیں لیکن ان

ہلکی سزاؤں کا نتیجہ کیا ہوا؟ یہی کہ شرارت پسند عناصر نے ان کو درخور اعتنا بھی نہ سمجھا اور جرائم و مجرموں کی تعداد روزافزوں ہوتی چلی گئی کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بعض پیشہ ور مجرم اور شدید ترین قسم کے سارق جیل سے رہا ہوتے وقت حکام جیل سے کہہ آتے ہیں کہ ہمارا پیالہ اور کمبل سنبھال کر رکھنا، ہم عنقریب واپس آئیں گے!

قطع ید کی سزا اگر محض معدودے چند آدمیوں کو دے دی جاتی تو بہت سے انسان چوری کے جرم اور اس کے مادی و اخلاقی نقصانات، اور جیل کی بدترین زندگی سے بچ جاتے اور ہماری معاشرت میں اس بدترین ادارہ کو زیادہ نشوونما کا موقع نہ ملتا جسے "جیل خانہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس میں بہت سے مختلف قسم کے مجرم مل کر مجرمانہ زندگی کے لئے ایک دوسرے کی تربیت کرتے ہیں۔ چند مجرموں کو اس طرح سختی سے بچا لیا گیا مگر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے لاتعداد انسانوں کو جرائم کی ترغیب ہوئی اور نرالے جرائم کا ارتکاب کرنے کی تدبیریں بھی وہ ایک دوسرے سے سیکھ گئے، اور جیل کی زندگی سے مانوس بھی ہوتے گئے! اس پر مزید یہ کہ سوسائٹی کو جرائم کے مدرسہ کا خرچ بھی برداشت کرنا پڑا! دارو گیر اور پکڑ دھکڑ کے لئے زاید پولیس۔ عدل و انصاف کے لئے مزید عدالتیں، مجرموں کے قیام و طعام اور ان کی نگرانی کے لئے بہت بڑے اسٹاف کے مصارف اور ان سب کے ساتھ کثرت جرائم کی وجہ سے جو ذہنی پریشانی قوم کو لاحق رہی اس کا نہ کوئی حساب لگایا جا سکتا ہے اور نہ اس کی کوئی قیمت مشخص کی جا سکتی ہے۔

پھر کیا تہذیب جدید کی پیدا کردہ سوسائٹی آج کل شدید سزاؤں سے ہر معاملہ میں اجتناب کر رہی ہے؟ قطعاً نہیں جرمنی اور بعض دوسرے ممالک میں تہذیب اور قوم کے نام پر موروثی امراض کے مریضوں اور ناکارہ افراد کے لئے آج جو قانون نافذ ہے کیا وہ قطع ید کی سزا سے کم سخت ہے؟ اس کا نام "تولید نسل صالح" رکھ دیجئے اور اس مہذب نام سے لوگوں کے صنفی اعضا کی کاٹ چھانٹ کیجئے تو کوئی عیب نہیں لیکن تولید جماعت صالحہ کے لئے یہی قطع اعضا کا طریقہ اختیار کیا جائے تو یہ عیب ہے اور اس کو وحشت و بربریت سے تعبیر کیا جاتا ہے! یہ اگر بوالعجبی نہیں تو اور کیا ہے؟

اس سلسلہ میں ایک اور سوال باقی رہ جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس تہذیب کے دور میں سزا سے انتقام مقصود نہیں ہے بلکہ اصلاح اور تبدیلی قلب مقصود ہے، لہذا مہذب ممالک کے جیل خانوں میں سخت سزاؤں کی بہ نسبت مجرم کی اصلاح پر زیادہ زور دیا جاتا ہے تاکہ مجرم ان جیل خانوں سے بہتر شہری اور زیادہ دیانت دار انسان بن کر نکلیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ مغرب اور مغرب زدہ انسانوں کی فطرت الٹی واقع ہوئی ہے۔ وہ دُکھ درد کی پکار پر اس وقت تک کان نہیں دھرتے جب تک کہ انسان اپنے ساتھ خود ان کو بھی لے مرنے کی نہ ٹھان لے جب علاج کا وقت ہوتا ہے تو یہ مجرمانہ غفلت اور بے پروائی سے کام لیتے ہیں اور جب پانی سر سے گذر جاتا ہے تو پھر علاج کی فکر کرتے ہیں۔ ان کی یہ حالت صرف سیاست ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اسی پر اُن کا عمل ہے مجرموں کی اصلاح کی کوشش اسلام سے زیادہ کون کریگا؟ لیکن صحیح اصلاح کا وقت وہ نہیں ہوتا جب مجرم جُرم کا ارتکاب کرکے سزا کا مستحق ہو چکا ہو بلکہ اس کا صحیح وقت بطنِ مادر سے نکلنے کے بعد اور جیل میں داخل ہونے سے پہلے ہے۔ افراد قوم کی اخلاقی اور ذہنی تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام کیا جائے کہ ان کی بُرائیاں دب جائیں اور بھلائیاں چمک اٹھیں۔ سوسائٹی کا نظام ایسا بنایا جائے کہ اس میں کسی کو اپنی حقیقی ضروریات کے لئے جُرم کرنا ہی نہ پڑے یہی طریقہ اسلام نے اختیار کیا ہے۔ وہ اس وقت سے مجرم کی اصلاح کا طالب ہوتا ہے جب کہ اس نے ابھی آغوشِ مادر میں آنکھیں ہی کھولی ہوں وہ قرآن اور سنتِ رسول کے ذریعہ سے اس کو بہترین اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور اس کے ساتھ اجتماعی زندگی میں خرابی کے تمام اسباب و علل کی چھان بین کرکے ایسی فضا پیدا کر دینا چاہتا ہے کہ اس میں جرائم کا نشو و نما ہی نہ ہو سکے اس طرح ارتکاب جُرم اور گرفتاری سے پہلے [illegible] اصلاح کی تمام تدبیریں پوری کر لیتا ہے۔ پھر جب اس کے باوجود جرم کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو اس صورت میں [illegible] فرد کی اصلاح کی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی ان دوسرے بہت سے افراد کو جنہوں نے ابھی جُرم نہیں کیا ہے ارتکاب جُرم سے بچانے کی فکر ہوتی ہے

اسلام اور اشتراکیت

از

علامہ اقبالؒ

ایسا سیاسی ادارہ جو متوسط طبقہ کے مسلمانوں کی قسمتوں کو سنوار لے سکا ہو ممکن نہیں ہے تو میرا شخصی ایقان ہے کہ وہ مسلم عوام کے لیے جاذب توجہ نہیں ہو سکتا دستور جدید کے تحت بڑے بڑے عہدے اعلیٰ طبقہ کے افراد کو اور چھوٹی چھوٹی ملازمتیں وزراء کے احباب اور اعزہ کو ملیں گی۔ دوسرے امور میں بھی ہمارے سیاسی اداروں نے عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا خیال تک نہیں کیا۔ روٹی کا مسئلہ روز بروز نازک ہوتا جا رہا ہے مسلمانوں نے محسوس کرنا شروع کیا ہے کہ گزشتہ دو سو سال سے وہ انحطاط پذیر ہیں ویسے تو انہیں یقین ہے کہ ان کی غربت ہندو سرمایہ داری کا نتیجہ ہے مگر یہ ادراک کہ غیر ملکی حکومت بھی اس میں برابر کی شریک ہے۔ انکے ذہن میں پوری طرح پیدا نہیں ہوا۔ لیکن آئندہ اس خیال کا پیدا ہونا ناگزیر ہے جواہر لال کی ملحدانہ اشتراکیت کی طرف مسلمانوں کے مائل ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اسلیئے اب سوال صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کی غربت کے مسئلہ کا حل کیسے ممکن ہے لیگ کے سارے مستقبل کا دارومدار ان مساعی پر ہے جو اس مسئلہ کو حل کرنے میں وہ اختیار کریگی۔ اگر لیگ اس قسم کی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتی ہے تو یقین ہے کہ مسلم عوام پہلے کی طرح اس سے بے تعلق رہیں گے۔ خوش قسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ اور جدید تصورات کی روشنی میں اسکو وسیع تر کرنے میں اس مسئلہ کا حل نکل آتا ہے اسلامی قانون کے طویل اور گہرے مطالعہ کے بعد میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر اس نظام قانون کو اچھی طرح سمجھ کر عملی جامہ پہنایا جائے تو کم از کم ہر فرد کے معاشی حقوق کا تحفظ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس ملک میں شریعت اسلامی کا نفاذ اور اسکی توسیع ایک آزاد مسلم مملکت یا چند

مملکتوں کے بغیر ناممکن ہے۔ کئی سال سے یہ میرا ایقان رہا ہے اور اب بھی ہے کہ مسلمانوں کے معاشی مسئلہ کے حل اور پُر امن ہندوستان کے حصول کا یہی واحد طریقہ ہو سکتا ہے اگر ہندوستان میں یہ ممکن نہیں ہے تو دوسری صورت صرف خانہ جنگی کی ہے جو فی الحقیقت ہندو مسلم فسادات کی صورت میں کچھ عرصہ سے جاری ہے مجھے اندیشہ ہے کہ ملک کے بعض حصوں مثلاً شمال مغربی سرحدی صوبہ میں فلسطین کے حالات کا اعادہ ہو جائے۔ ہندو سوسائٹی میں جواہر لال کی اشتراکیت کا شمول بھی شاید خود ہندوؤں میں خونریزی کا موجب ثابت ہو اشتراکی جمہوریت اور برہمنیت کے مابین جو امر تنقیح طلب ہے وہ اس امر سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے جو کبھی برہمنیت اور بدھ مت کے درمیان پیدا ہو گیا تھا۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ ہندوستان میں اشتراکیت کا وہی انجام ہو گا جو بدھ مت کا ہوا تھا۔ لیکن اتنا تو بالکل واضح ہے کہ اگر ہندو مت نے اشتراکی جمہوریت قبول کر لی تو پھر وہ ہندو باقی نہیں رہے گا جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اگر وہ اشتراکی جمہوریت کو اپنے قانونی اصول کے مطابق اشتراکیت کی بعض موزوں و مناسب شکلوں کو قبول کرے تو کوئی انقلاب نہیں بلکہ اصل اور خالص اسلام کی طرف رجوع کرنے کے مترادف ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ جدید مسائل کا حل ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کیلئے آسان تر ہے لیکن جیسا کہ میں نے اوپر ظاہر کیا ہے مسلم ہندوستان کیلئے ان مسائل کے حل کو ممکن بنانے کی خاطر ملک کی دوبارہ تقسیم کے ذریعہ بڑی مسلم اکثریت کے واسطے ایک یا زیادہ مسلم مملکتوں کی فراہمی ضروری ہے۔ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ اس قسم کے مطالبہ کا وقت آ گیا ہے۔ جواہر لال کی ملحدانہ اشتراکیت شاید یہی بہترین جواب ہے جو آپ اس کو دے سکتے ہیں۔

حوالہ خطوط اقبال بنام جناح۔

چند بنیادی معاشی مسائل اور اسکا اسلامی حل

از

حمید اللہ ام۔ اے

مترجمہ

عبدالرحمٰن سعید بی۔ اے
یوسف الدین ام۔ اے

چند بنیادی معاشی مسائل اور اس کا اسلامی حل

عدم مداخلت کی معاشیات (LAISSEX-FAIRE ECONOMIC) میں بنفسہ ایک طرح کا تضاد پایا جاتا ہے جو اکثر صورتوں میں معاشرتی ترقی اور شخصی ترقی میں ایک قسم کی کشمکش پر مشتمل ہے۔ کیونکہ یہ افراد آزادی کے ساتھ خالص معاشی ترغیبات کی بنا پر اپنے ذاتی مفاد کے لیے کام کرتے ہوں یہ فرض نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنے ذاتی مفاد کو عام ترقی کی خاطر قربان کر دیں گے جس کی اکثر صورتوں میں ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ماسوا اس کے عدم مداخلت کی معاشیات عوامل پیدائش کے بارے میں مساوی یا حسب ضرورت قوت مسابقت کی تعین میں بھی غلطی کرتی ہے "منظم طریقہ پیدائش" کے تحت مزدور طبقہ "مقررہ پیدائش" کے برابر اجرت طلب کرنے کی اپنے میں قوت نہیں رکھتا محنت کی رسد کو بین طور پر کسی عرصہ مدت کے لیے بھی روکا نہیں جا سکتا۔ پیدائش کے ان ہر دو عاملین میں مسابقت کی غیر متوازن قوت پائی جاتی ہے۔ معاشی آزادی بہت جلد عدم مداخلت کے مفروضات کا خاتمہ کر دے گی ابتدائی حالات خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ ان مفروضات کی عدم تکمیل خاص طور پر مزدور طبقوں کے حق میں جن کی کثرت ہے غیر فائدہ بخش ہوتی ہے جوں جوں حالات ان کے ناموافق ہوتے جائیں ان کے حالات بہت بدتر ہو جائیں گے [illegible] کا نتیجہ ہمہ گیر ہے ایک طرف تو محنت کرنے والوں پر غربت و افلاس طاری ہو جائے گا اور دوسری طرف متمول بالجبر اپنے وسائل آمدنی حد سے زیادہ دولتمند بن جائیں گے۔ [illegible] صدیوں سے اصول عدم مداخلت دنیا میں کارفرما رہا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ زمانہ دراز سے ان قوتوں نے انسان کو

دردناک عسرت و فلاکت کا شکار رہیں اور اس کے برخلاف چند خوش باش دولت میں مگن ہیں۔ اس نظام کی آزادانہ ترویج کے باعث انسانوں کا ایک گروہ "تو کہیں کا بھی نہیں" رہتا اور دوسرے کا دولت کے پیچھے پڑے رہنے کے "سوا کسی اور چیز میں دل نہیں لگتا"۔ وقتاً فوقتاً مذہب اور آئین حکومت نے ایسی حالت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے۔ اسلامی قانون بھی اس انقلاب کی تلقین کرتا ہے۔ اور یہی وہ پہلا نقطہ ہے جہاں سے مذہب کا علم المعیشت کے ساتھ رابطہ قائم ہوتا ہے۔ قبل اس کے کہ لوگ مذہب کی طرف راغب ہوں مذہب کو اپنے پیروؤں اور مجاطبین سے ان کی ضرورت سے کچھ زیادہ ہی معاش فراہم کرنے کا نہ صرف وعدہ بلکہ اس کا تحفظ بھی ضروری ہے۔ اس مقصد کے حصول کی غرض سے اسلام نے ایک جدید معاشی نظام کی داغ بیل ڈالی ہے۔ وہ یہ دعوی کرتا ہے کہ معاشرت میں افلاس و غربت کا کوئی تصور نہیں۔ ہمارے رسول صلعم نے غریب کی یہ تعریف کی ہے کہ "جو ایسے وسائل نہیں رکھتا جس کے ذریعہ سے وہ معاشی نقطۂ نظر سے اپنے آپ کو فارغ البال بنا سکے اور اسلامی حکومت اس طبقہ کی روزی کی ذمہ داری لیتی ہے" اور اس طرح محنت کی لاینفک نقص کو دور کر دیتی ہے۔ اس مسئلہ پر تو بعد میں بحث کی جائے گی۔ لیکن انتہائی اور عام غربت ہمیشہ دولت کے لاانتہاہی اکتناز کے باعث معرض وجود میں آتی ہے کیونکہ، جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، شخصی مفاد کو (خالص معاشی نقطۂ نظر سے) بسا اوقات معاشرت کی بیش از بیش فلاح و بہبود سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی اور وہ طریقہ کار جو شخصی مفاد کو زیادہ سے زیادہ وسعت دیتا ہے یعنی عائلی معاشی جدوجہد، سماجی ترقی کو جدا یا سعتیہ پیداوار یعنی مساوی تقسیم دولت سے پیدا ہوتی ہے ناممکن سا بنا دیتی ہے۔ معاشی تخیل سے اس پر کسی نہ کسی طریقے سے بہم زور دیا ہے۔

جامع نظام:۔ معاشیات میں اسلام کا جو حصہ ہے اس کی نرالی شان یہ ہے کہ اس نے

اشتراکیت اور آزاد معیشت (معاشیات عدم مداخلت) کو اس طرح ہم آہنگ کیا ہے کہ ا
دونوں کے نقائص کا نہ صرف ازالہ ہوا ہے بلکہ ان کے محاسن ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ الغر
اسلام ایک ایسا معاشی نظام پیش کرتا ہے جو (۱) اپنے اسباب و لوازم اور نتائج کے ساتھ اس
مربوط ہے کہ اس کے تمام اجزاء ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں اور یہ خصوصیت خالص سادا
یا اشتراکی نظام میں مفقود ہے۔ (۲) اس کا رجحان مساوی تقسیم کی جانب ہے جو اصول عد
مداخلت میں پایا نہیں جاتا (۳) پیدائش کے ایسے طریقے فراہم کرتا ہے کہ کم سے کم مدد افاد
زیادہ پیداوار پر منتج ہوتے ہیں اور یہ صورت مساواتی نظامات میں نہیں پائی جاتی (۴) کار
اور صنعتی ماحول کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرتا ہے اور یہ بات عدم مداخلت کی معاشیات کے بس
نہیں (۵) قومی منافع اور معاشرہ کی خوشحالی میں اس درجہ اضافہ کرتا ہے کہ اس معیار تک
معاشیات کے دونوں نظام آزاد معیشت اور اشتراکیت کی رسائی نہیں ہو سکتی اس نظام م
خانگی جدوجہد بڑھتی ہوئی مساوی تقسیم میں عارج نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک دوسرے
تقویت کا باعث ہوتے ہیں۔

چند خد و خال:۔ اب ہم اس نظام کے چند خد و خال پر غور کریں گے جس کے ذریعہ اس
اصلی نوعیت بے نقاب ہوتی ہے اور جن کا ہمارے بنیادی معاشی مسائل سے راست تعلق
سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلامی نظام غریبوں کے لئے فارغ البالی بہم پہنچانے کی ذمہ دار
لیتا ہے۔ مذہب اپنے لئے کمل فضا اور ماحول تیار نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ معاشی پریشانی
نجات دلا کر دوسری چیزوں کے لئے فرصت فراہم نہ کر دے اسلامی تعلیمات کے مطابق
ہر جاندار کی روزی کا مدار خدا کے رازق پر ہے اور یہی وجہ ہے کہ قانون زکوٰۃ میں اس مقصد
کے لئے معین طور پر گنجائش مہیا کی گئی ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ :۔

...تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن ... اپنے بچوں کو تنگدستی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم
...ھم وایاکم۔ قرآن پارہ ۱۵ بنی اسرائیل ۴ ع ... ان کو اور تم کو روزی دیتے ہیں۔

...یہ کہ

...ن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ ... ہم نے ان میں ان کی دنیاوی زندگی کیلئے
...دنیا۔ پارہ ۲۵ الزخرف ۳ ع ... روزی تقسیم کی۔

...د مکنا کم فی الارض وجعلنا لکم فیھا ... اور ہم نے تمہیں زمین بسایا اور اس میں
...ایش قلیلا ما تشکرون۔ ... تمہاری روزی مہیا کی تم تھوڑا شکر
قرآن پارہ ۸ الاعراف ۷ ع ... کرتے ہو۔

...بیت کی ترجمانی: ۔ چنانچہ اسلامی معاشیات میں حکومت خداوند تعالیٰ کی جانب سے
...زکوٰۃ یا ٹیکس کے ذریعہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوتی ہے۔ یہ محصول ہر جائداد پر
...مقررہ سے زائد ہو عائد کیا جاتا ہے اور جیسا کہ خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے
...اس کی علت غائی یہ ہے کہ

...ذ من اغنیائھم وترد فی فقرائھم ... مالداروں سے لیا جائے گا اور ناداروں کو
بخاری، کتاب الزکوٰۃ ... دیا جائے گا۔

زکوٰۃ کے لفظی معنی "اضافہ" اور "نشو و نما" کے ہیں اور ... کے ہاں اس کو تزکیہ نفس
...ہا جاتا ہے۔ پہلے معنی کے لحاظ سے اس محصول کو زکوٰۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس
...یں خوشحالی کو بڑھاتا ہے اور آخرت میں بھی دینی مرتبہ میں اضافہ کرتا ہے

MOHAMMADEN THEORIES OF FINANCE BY. PAGE. 20

زکوٰۃ یعنی مونی محصول کی دو اہم قسمیں ہیں صدقہ اور عشر۔ ان سے بمجد ایک پیداس المالی پر حاصل ہونے والے امکانی (بالقوۃ) یا حقیقی منافع کا ایک بڑا حصہ لے لیا جاتا ہے اور دوسرے ذریعہ زراعتی فاضل پیداوار حاصل کرلی جاتی ہے۔ مال نامی (نصاب الی پیداآور جائداد کی کامل ملکیت سے صدقہ واجب الادا ہوجاتا ہے اور اس کی شرح اراضی کے استثنیٰ کے ساتھ جو بھی جائداد ہو اس پر ۲½ فی صدی کے حساب سے عائد کی جاتی ہے۔ عشر ایک مونی محصول ہے جو زمین کی پیداوار پر لگایا جاتا ہے اور یہ معاشی لگان پر عائد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیت ہے:

وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ — اور اس میں جو حق واجب ہے فصل کاٹنے کے دن ادا کرو۔

پارہ ۸ الانعام ع ۱۶

اور یہ کہ

أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ۔ پارہ ۳ البقرہ ع ۳۶ — اپنی کمائی میں سے عمدہ چیز کو خدا کی راہ میں خرچ کرو اور اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا۔

اس کی شرح کا تعین رسول اللہ صلعم کی حدیث کے ذریعہ کیا گیا ہے کہ

جس چیز کو آسمان (کا پانی) پہنچے اس میں عشر واجب ہے اور جس کو خرخ یا ڈول کے ذریعہ سینچا جائے اس میں نصف عشر ہے۔ (مشکوٰۃ)

زکوٰۃ حکومت کے دیگر مالیاتی محاصل سے بالکل جدا ہے جو بلا شرکت غیرے غرباء کو اس طرح دی جاتی ہے کہ اس کے ادا کرنے والے راست کوئی تمتع حاصل نہیں کرسکتے (مجمع البحرین کا ص ۲ ۱۳۲ ملاحظہ فرمائیے) یہی وجہ ہے کہ مستحقین زکوٰۃ کو قرآن میں تفصیل کے ساتھ معین کردیا گیا ہے کہ

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ — زکوٰۃ تو صرف فقیروں اور محتاجوں اور

وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ	زکوٰۃ وصول کرنے والوں اور جن کا دل
وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ	پرچایا ہو اور قیدیوں کے چھڑانے میں
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ	اور مقروضوں کے قرض ادا کرنے اور
پارہ ۱۰۔ التوبہ ۹ ع ۸	جہاد کے لئے ہے۔

اس ادارہ کا راست مقصد غرباء کی نیابت اور امداد ہے تاکہ مدافعت اور مسابقت کی قوت بخش کر ان کی خوشحالی میں اضافہ کیا جائے۔ یہ محصول جنس کی شکل میں وصول کیا جاتا ہے اور مقامی طور پر تقسیم کردیا جاتا ہے کیونکہ یہ اصول کفایت شعاری کے مطابق ہے اور اس کے ذریعہ غریبوں کو بہترقسم کی امداد ملتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکم دیتا ہے کہ

اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا	اپنی کمائی میں عمدہ چیز کو خدا کی راہ میں
اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ	خرچ کرو اور اس میں سے جو کہ ہم نے
پارہ ۳۔ بقرہ ۲ ع ۳۶	زمین سے پیدا۔

ان دو طریقوں کے ذریعہ یہ بھی محنت کرنے والے طبقہ کے پیدا آور کارکردگی میں اضافہ کرتا ہے جو بالآخر قوم وملت کی خوشحالی کا باعث ہوتا ہے۔ مزدور طبقہ کے لئے یہ ایک قسم کی حفاظت وکفالت ہے اور انہیں اپنے حالات کو درست کرنے کا موقع دیتا ہے۔ اس محصول کی غرض وغایت کفالت قبول کرنا (سوشل سکورٹی) اور اس طرح معاشیات عدم مداخلت کی ایک ایسی کمزوری کا ازالہ کرتا ہے جو اس کا جزو لاینفک ہے۔ مزدوروں کو اس قابل بنا کر کہ وہ مقررہ پیداوار (SPECIFIC. PRODUCTION) کے تناسب سے اپنے معاوضہ کا مطالبہ کریں اس نظام میں بڑی اہم ترمیم کریں کیونکہ اگر مزدوروں سے استحصال کیا جائے تو وہ ہڑتال کرسکتے ہیں اور آجروں کو بالآخر یہی ماننی پڑے گی۔ ادارہ مذکور ان کی قوت مقابلہ کا خاتمہ کردیتا ہے یہ اس کے لئے

غیر منفعت بخش ہو گا کہ تمام کارخانے بند کر کے مزدوروں کو شکست دیں۔ لازمی طور پر حکومت ان پر ٹیکس عائد کرے گی اگر وہ کارخانہ بند کر کے مزدوروں کو شکست دینے کی کوشش کریں کیونکہ ملوکہ جائداد پر ٹیکس عائد ہوتا ہے۔ اور ان کی جائداد پر بھی ٹیکس عائد ہو گا اور وہ منقسم ہوتی جائے گی۔ اس لئے علاوہ فوراً مزدوروں کو اتنی اجرت دے دیں گے جتنی کہ انہوں نے پیدائش دولت میں مدد دی یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ پیدا آور اغراض کے لئے دولت کے استعمال پر محصول کس حد تک اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ فاضل دولت کو پیدا آور قرار دیتا ہے اور وہ ایسی دولت پر محصول عائد کرتا ہے خواہ وہ کاروبار میں لگی ہوئی ہو خواہ بیکار پڑی ہوئی ہو اور اس طرح یہ اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ اسے استعمال کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ

الا من ولی یتیما له مال فلتجر فیه و لا یترکه حتی تاکله الصدقة	آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں سے جو کوئی یتیم کا متولی ہے اور اس کے پاس مال و دولت ہو تو وہ اس سے تجارت کرے اور یوں ہی ڈال نہ رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ زکوٰۃ اسے ختم نہ کر ڈالے
ترمذی۔ ابواب الزکوٰۃ	

سماجی تحفظ کی اہمیت :- آخر میں اس امر کی وضاحت مقصود ہے کہ یہ اسلام کا کتنا بڑا بنیادی اداره ہے یہ اسلام کے ایک اہم سماجی مسئلہ کا حل اور مذہب کا روح رواں ہے یہ وجود باری تعالیٰ کے یقین اور نماز کے بعد سب سے اہم رکن ہے۔ بار بار قرآن مجید اس کا اعادہ کرتا ہے کہ "نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو" کوئی دولت مند نہ تو مسلمان ہو سکتا ہے اور نہ مسلمان ہی رہ سکتا ہے جب تک کہ وہ زکوٰۃ (مذہبی محصول) ادا نہ کرے کیونکہ یہ فرض ہے۔ سماجی تحفظ اور معاشی کفالت کی فرضیت اور ذمہ داری تسلیم کئے بغیر وہ دائرۂ اسلام میں داخل نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن وسائل معیشت میں زکوٰۃ کا تانوی درجہ ہے یہ انسانی عزت و وقار کے منافی ہے کہ وہ حکومت کی بھی مدد

حاصل کرے اس کے علاوہ اسلام کسب معیشت پر جو زور دیتا ہے اس میں حکومتی اعانت کے مسلسل حصول کی ناپسندیدگی مضمر ہے۔ نیز اسلام جیسا کہ آگے اس کی وضاحت ہوگی پیدائش دولت کا وہ طریق سمجھا جاتا ہے کہ اگر اس کو اختیار کیا جائے تو دولت میں اس قدر اضافہ ہوگا اور اس خوش اسلوبی کے ساتھ اس کی تقسیم عمل میں آئے گی کہ بجز ایک عارضی مدت کے زکوٰۃ حاصل کرنے کے لئے مستحقین مفقود ہو جائیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "کہ صدقہ دو کیونکہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ لوگ صدقہ کو لئے لئے پھریں گے اور کوئی لینے والا نہ ہوگا"[1]

الغرض اس ادارے کی مستقل اہمیت یہ ہے کہ جب تک لوگوں کے پاس فاضل دولت موجود ہے وہ ایک امکانی ذریعہ تنظیم کی حیثیت سے مفلوک الحال طبقہ کو ایک خاص معاشی سطح سے نیچے گرنے سے روکتا ہے۔

خطرناک اثرات کا ازالہ:۔ اسلامی معاشیات کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ گو یہ شخصی جدوجہد اور جائداد، عائلی دستور و رواج وراثت اور اعلیٰ معیار زندگی کو تسلیم کر کے پیدائش دولت کے لئے بنیاد فراہم کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ایسی تدابیر بھی اختیار کرتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے خطرناک اثرات کا ازالہ ہو جائے اس طرح یہ ان معاشی مسائل کا حل پیش کرتا ہے جو ان اداروں سے متعلق ہیں۔

دخل نہ دینے والی حکمت عملی (LET. ALONE. POLICY) کے تحت شخصی جدوجہد ہر ایسی راہ کو جس کے ذریعہ دولت کی مساوی تقسیم کی جائے ناممکن سا بنا دیتی ہے۔ اور خاندان کی محبت جس کی قانون وراثت حمایت کرتا ہے۔ لوگوں کو دوسرے امور پر توجہ کرنے سے روک دیتی ہے

[1] مشکوٰۃ۔

اور دوسرے محنت و مجموعاً عاملین پیدائش کے ذریعہ محنت کے بالجبر استحصال پر منتج ہوتی ہے

اشتراکی معاشیات پیدائش دولت کا نقصان اشتمالی معاشیات نے اسی وجہ سے اخلاقی اور نفسیاتی احساسات کا تنزل ہے۔ ان ادارہ جات کے خلاف اس الزام کے ساتھ کہ ان اداروں کے باعث دولت چند لوگوں کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے اور بیشمار لوگ اس سے محروم کر دئے جاتے ہیں علم بغاوت بلند کیا ہے لیکن ان ادارہ جات کے انسداد سے انفرادی انعام کا خاتمہ ہو جائے گا جس سے ملتی دباؤ کے تحت نیز شخصی ملکیت سے معین مقدار دولت کی پیدائش کی حکومتی تدابیر کی عدم افادیت بہت زیادہ ہو جائے گی۔ معاشی فلاح و بہبود کو زیادہ سے زیادہ ترقی دینے کے لئے جس مقدار پیداوار کی ضرورت ہے غیر اصولی طریق پر اس کی مساویانہ اسکیم پیدائش دولت کے محرکات کو کچل دے گی اور اس طرح مجموعی پیداوار کی مقدار میں کمی واقع ہو جائے گی۔ لہذا اس امر کا کوئی یقین نہیں ہے کہ ان ادارہ جات کی مسدودی سے معاشرتی ترقی میں اضافہ ہوگا۔ البتہ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ مقررہ مقدار کی عدم افادیت میں حد سے زیادہ اضافہ ہوتا جائے گا۔ ان کے علاوہ بہت سی مفہوم سے تعین زندگی کی دلفریبیاں اور رحمدلی کے جذبات کی تعلیم عائلی اداروں کے ساتھ رخصت ہو جائے گی اس کے دوش بدوش جبری مساوی اور بڑی سے بڑی انسانی قربانیوں کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔ خانگی ملکیت کے خاتمہ کے ساتھ اس اخلاقی ترقی پذیری کا بھی خاتمہ ہو جائے گا جس کے وجود کو شخصی جائداد کے سلسلہ میں ذاتی پسند کا استعمال ممکن بنا دیتا ہے یہ تمام امور انسان کی نفسیات پر اور اس کے توسط سے اس کی پیداواری کارکردگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اشتمالی نظام صرف تقسیم پر زور دیتا ہے اور پیدائش سے اغماض برتتا ہے۔ اسلامی معاشیات ان دونوں امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان ادارہ جات کو نظر انداز کرنا نہیں چاہتا

چند قیود کے ساتھ ان کی توثیق کرتا ہے۔

اسلام اور خاندانی نظم:۔ اسلام میں خدا ہی کے ارشاد کے بموجب عائلی نظام کا وجود پایا جاتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا۔ پارہ ۱۹۔ الفرقان ۲۵ ع ۵

اور وہ خدا ہی ہے جس نے آدمی کو پانی سے پیدا کیا اور اس کا ددھیال اور سسرال ٹھیرایا۔

اور خداوند تعالیٰ اس کو انسان کے لیئے فائدہ مند قرار کرتا ہے کہ

نُمِدُّهُم مِن مَالٍ وَبَنِينَ۔

ہم نے ان کو مال اور اولاد سے مدد دی۔

پارہ ۱۸۔ المومنون ۲۳ ع ۴

اور وہ اس پر حقوق بھی رکھتے ہیں کہ

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ

اور ناتے والے کو اس کا حق دے۔

پارہ ۱۵۔ بنی اسرائیل ۱۷ ع ۳

اور ان کے حقوق مقدم ہیں۔

وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ۔ پارہ ۱۰۔ الانفال ۸ ع ۱۰

اور ناتے والے آپس میں بحکم خدا زیادہ حقدار ہیں ایک دوسرے کے۔

تاہم عائلی وابستگی جزوی قدر اور ثانوی حیثیت کی مالک ہے۔ خاندان پرستی میں انسانیت کے اساسی اقتدار سے قطع نظر نہیں کرنی پڑا ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر اس کا مطالعہ کریں گے اس کے نہایت قوی مدود ہیں۔ خانگی جائداد سے متعلق رسول اکرمؐ نے اعلان فرمایا ہے کہ "تمہارا خون اور تمہارا مال اور تمہارے جائداد قابل احترام اور قابل حرمت ہے" لیکن اس کو زیادہ تر ایک ذریعہ کی حیثیت سے اہمیت حاصل ہے نیز اسلام کاروبار میں

خانگی مساعی کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اس کے صلہ کو قرآن "عطیہ الٰہی" سے موسوم کرتا ہے اور واضح طور پر اجازت دیتا ہے۔

اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا — خدا نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

پارہ ۳۔ البقرہ ع ۳۸

تاہم معاملات میں ایمانداری برتنے کے لئے بہت سی اہم تاکیدیں کی گئی ہیں۔

اَوْفُوا الْکَیْلَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِیْنَ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ — پورا ناپ بھر کر دیا کرو۔ اور نہ تو کم دینے والے اور ترازو سیدھی تولو اور لوگوں کو انکی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو۔

پارہ ۱۹۔ الشعراء ۲۶ ع ۱

اس سلسلہ میں مزید تفصیلات سورۂ "تغابن" میں مل سکتی ہیں۔

احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی مزید توضیحات دستیاب ہو سکتی ہیں جن سے مسلم فقہا نے خرید و فروخت کے بہت سے قوانین مستنبط کئے ہیں۔

اسلام نے وراثت کو بھی معین کیا ہے کہ

وَلِکُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ۔ — اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار چھوڑ مریں ہم نے وارث مقرر کر دئے ہیں۔

پارہ ۵۔ نساء ۴ ع ۵

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ۔ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا — مردوں کو بھی حصہ ہے اور اس میں سے جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ مریں اسی طرح عورتوں کو بھی حصہ ہے جو ماں باپ اور

قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيْباً مَّفْرُوْضًا — قرابت دار چھوڑ مریں۔ خواہ قلیل ہو یا کثیر

پارہ ۴۔ النساء ع ۱ — یہ ایک مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔

وراثت تقسیم سرمایہ کا ایک نظام ہے:۔ تاہم وراثت کے اتنے حصہ دار ہیں کہ ایک ہی جگہ کثیر دولت کو اکٹھا کرنے کے بجائے ان کے ذریعہ دولت تقسیم ہو جاتی ہے۔ سرمایہ زیادہ سے زیادہ پھیلتا ہے اور دوسروں کو اس سے انتفاع کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ حقوق جائداد رکھتے ہوئے بھی کوئی صاحب جائداد اس کے ایک ثلث سے زیادہ حصہ حکومت کے یا فی سبیل اللہ اغراض کے سوا وصیت کے ذریعہ کسی کے نام ہبہ نہیں کر سکتا مذہب نے بہتر معیار زندگی قائم کرنے کی جو تاکید کی ہے اس سے پیدا آور محرکات کو تقویت حاصل ہوتی ہے اسلام نے دیگر ہم عصر مذاہب میں رہبانیت کی مخالفت کی ہے اور بڑی شدت کے ساتھ اس دنیا سے بھی انتفاع کا ادعا کیا ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِىْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ — تو کہہ کہ کس نے منع کیا ہے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اور کھانے کی صاف ستھری چیزیں۔

پارہ ۸۔ الاعراف ع ۔

نیز

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ — اے ایمان والو خدا نے جو عمدہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں تم انہیں حرام مت کرو۔

صرف دولت یا اعلیٰ معیار زندگی کے حدود:۔ لیکن اعلیٰ معیار زندگی کے بھی حدود ہوتے ہیں چنانچہ فضول خرچی کی مذمت کی گئی ہے۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ — بے شک وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں

نہیں کرتا۔

زکوٰۃ کی مد اور معاشی خوشحالی:۔ اس طرح ان ادارہ جات میں اعتدال پیدا کر کے ان کو باقی رکھا گیا ہے اور معاشی خوشحالی میں اضافہ کرنے کے لئے بطور اعانت زکوٰۃ کا محصول عائد کیا گیا ہے۔

خانگی شخصی جدوجہد کی آزادی اور قیود:۔ مذکورہ بالا حدود کے اندر رہ کر اسلام شخصی جدوجہد میں کامل آزادی عطا کرتا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اسلام صنعتی تغیرات کے فنی مسئلہ کو کس طرح حل کرتا ہے جو انیسویں اور بیسویں صدی میں شخصی جدوجہد کے نتیجہ کے طور پر رونما ہوئے۔ اور جن سے بہت سی اقوام کی فلاح وبہبود متاثر ہوتی ہے۔

اسلامی معاشیات، صنعتی تغیرات کا انسداد:۔ اسلامی معاشیات کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد ان تغیرات کا سرے سے خاتمہ ہو جاتا ہے جیسا کہ بہت سے مصنفین نے لکھا ہے کہ ان کا بنیادی سبب یہ ہے کہ قیمتوں کا معیار بہت بلند کر دیا گیا ہے اور ان کو اس تناسب کے ساتھ گرنے سے روک دیا جاتا ہے جس تناسب سے بڑھتی ہوئی رسد کو ضرورت ہوتی ہے۔ بشرطیکہ رسد تمام و کمال صرف ہو جائے۔ قیمتوں کے بڑھنے کے ابتدائی اسباب بذات خود خلل اندازی کا باعث نہیں ہوتے حتیٰ کہ بیرونی اسباب مثلاً فلکی، موسمی اور طبعی اسباب بھی زیادہ خلل انداز نہیں ہوتے وہ جزوی طور پر ایک دوسرے کی تنسیخ کی جانب مائل ہوتے ہیں۔ اور معاشی سٹہ بازی کے ساتھ ذخیرہ اندوزی اور خصوصاً مالی بازار کی ترقی کے ساتھ اگر دیگر عوامل صورت حال کو نازک نہ بنادیں تو ان کا وجود ہی باقی نہ رہ گیا۔ قیمتوں کے بڑھنے کا ابتدائی سبب خواہ کچھ ہی ہو لیکن حسب ذیل عوامل سے صورت حال نازک اور بدتر ہو جاتی ہے۔

(۱) سرمایہ کو سود پر چلانا۔

(۲) حد سے زیادہ پیدائش اور ضرورت سے کم خرچ۔

(۳) ترقی پذیر عدم مساوات۔

(۴) حد سے زیادہ ذخیرہ اندوزی۔

سود اور اس کے چند معاشی مفاسد: ان میں سے زیادہ اہم سودی کاروبار کا ادارہ ہے اچھی فصل کے ساتھ یا کوئی ابتدائی سبب مثلاً سونے کی رسد لی فراوانی یا حکومت کی جانب سے افراط زر (INFLA) کے باعث صنعتی قیمتیں بڑھتی ہیں اور آجرین کو زیادہ سے زیادہ نفع حاصل ہوتا ہے لوگ ادھار روپیہ کے ذریعہ بڑی سے بڑی پیداوار حاصل کرتے ہیں اور ادھار روپیہ سے جدید کاروبار آغاز کرتے ہیں۔ کچھ زمانہ تک کے لئے خوب نفع حاصل ہوتا ہے رجائیت (خوش امیدی) کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے۔ قرض دینے والے اداروں کا ضرورت سے زیادہ اعتماد پیدا ہو جاتا ہے۔ اور سٹہ بازوں کو زیادہ سے زیادہ قرض دیتے ہیں۔ اور اس طرح کہ اہل آجرین کو کاروبار کا موقع مل جاتا ہے اور بہت جلد قرض کا میدان اپنی انتہائی حدود تک وسیع ہو جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ روپیہ پیداوار میں لگ جاتا ہے اور صارفین کے پاس اس کے مقابلہ میں بہت کم باقی رہ جاتا ہے اور یوں قوت خرید گھٹتی اور قیمتیں گرنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد آگے چل کر یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ حالت ایک حد تک دیگر عوامل کے سبب سے بھی پیدا ہوتی ہے جو ہمیشہ تغیرات (FLUCTUATIONS) کا باعث بنجاتے ہیں لیکن یہ تغیرات اسی وقت زیادہ شدید ہوتے ہیں جب کہ آجرین یا تاجرین اپنے کاروبار کو ایسے ادھار روپیہ سے چلاتے ہیں جو سود کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہو اب وہ اپنے کو جکڑا ہوا سا پاتے ہیں رسد کو وہ روک تو نہیں سکتے کیونکہ انہیں اپنے قرضہ سے بیباق کرنے ہیں زیادہ سے زیادہ فروخت کرنے کے لئے وہ قیمتوں کو بھی گھٹا نہیں سکتے کیونکہ قیمتوں میں فرق اسی بھی

تخفیف عمل میں آئے تو سود کی شرح اور اسباب کی شکل میں اصل کی مقدار میں اضافہ ہوجاتا ہے جیسا کہ پروفیسر فشر نے کہا ہے کہ قرض ادا کرنے کی کوشش ہی قرضوں میں اضافہ پیدا کر دیتی ہے علاوہ بریں اس وقت مقابلتاً وہ بہت کم اسباب فروخت کر سکتے ہیں کیونکہ محنت تو بیکار پڑی نہیں رہتی اور یہ صورت حال صارفین کی قوت خرید کو گھٹا دیتی ہے۔

سود سے پیدا ہونے والی معاشی پیچیدگیاں:- زیادہ سے زیادہ فروخت کرنے کے لئے قیمتوں میں قابل لحاظ تخفیف کرنی پڑتی ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ قرض کی اصل قیمت میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ آجرین اپنے معاہدات کی تکمیل کر سکنے کے قابل نہیں ہوتے اب یہاں لازمی طور پر سود خوار اور پیداوار اغراض کے لئے ادھار لینے والوں کے مابین ان کے مفادات کی دوئی اور غیریت علانیہ ایک دوسرے سے متصادم ہونے لگتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ صنعت وحرفت کا فطری نقص جس کا ایسے ادارے پر مدار ہوا کرتا ہے نمایاں ہوجاتی ہے جوں ہی آجروں کا اہم مفاد پیدا شدہ صورتِ حال سے نبٹنے کے لئے مالی وسائل کی فراہمی کا مطالبہ کرتا ہے تو قرض دینے والے طبقہ کا مفاد نہ صرف ادائی قرض کا مطالبہ کرتا ہے بلکہ تجدید قرضہ کا بھی مخالف ہوجاتا ہے۔ نتیجتاً آجرین اپنی قوت مزاحمت سے بھی محروم ہوجاتے ہیں۔ وہ رسد کو روک نہیں سکتے جوکھم میں اگر جو چیز فروخت کی جائے اس کا لازمی طور سے دیوالیہ اور بنکوں کی ناکامی کے دوگونہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ سودی قرض دینے والا ادارہ ہی ان تمام مشکلات کا باعث ہے یہ قیمتوں کو حد سے زیادہ نقصان دہ حالت تک گرا دیتا ہے۔ اور رسد کی روک تھام کو ناممکن بنا دیتا ہے غرض یہی ادارہ بیشمار طریقوں سے معاشی تغیرات کا باعث ہے۔ اگر ایک طرف یہ غیر ضروری سرمایہ کو صنعتی کاروبار میں استعمال کرنے کی سہولتیں فراہم کرتا ہے تو دوسری طرف یہی جیسا کہ مارشل کا خیال ہے قرضدار کا یہ خطرہ کہ وہ بوقت ضرورت قرض کی تجدید نہیں کر سکتا۔ اس کو ناموافق

صورت حال سے دو چار کر دیتا ہے۔ بہر حال قرضدار کو اس شخص کی بہ نسبت زیادہ نقصان ہوتا جو صرف اپنے سرمایہ کو استعمال کرتا ہے۔ نتیجہ یہ قرضہ بینکاری جیسا کہ مارشل کہتا ہے۔ اسکو بری طرح مغلوب کر لیتی ہے۔ حالانکہ اگر وہ ذاتی سرمایہ استعمال کرتا ہو تو بینکاری اس کیلئے موثر ثابت نہ ہوتی۔

منو: معاشی بحران کسی ایسی صنعت کی قیمتوں میں خفیف سا اضافہ کا باعث اجرا و بازاری ہوتا ہے اور اس پیداوار کی طلب بڑھ جاتی ہے جسکی تعمیر صنعتوں میں خاص ضرورت ہوتی ہے اس طرح خاص صنعتوں کے تغیرات کو تعمیری صنعتوں سے ربط پیدا ہوتا ہے اور وہ پیداوار کی نوعیت کی بناء پر زیادہ تیزی سے تغیر پذیر ہوتی ہے اور بالخصوص بنکاروں کی ناکامی کے باعث اس ایک صنعت کی تباہی دیگر تمام صنعتوں کی بربادی کا موجب ہوتی ہے اور دوسرے بازار مواقع پر مکمل تباہی کا سامان پیدا کرتی ہے۔ بغرض تجارتی کساد بازاری کے بحران اور اس سے پیدا ہونے والے مشکلات کا باعث یہی ادارہ ہے اور اشتراکیوں نے غلط طور پر سرمایہ داری کو اس کی علت قرار دیا ہے مثلاً مسٹر جواہر لال نہرو نے Whither India میں کہا ہے کہ "سرمایہ داری کا بحران ہے اور یہی عارضہ ہے یہ سرمایہ داری کی روح پیدا معلوم ہوتا ہے" اس مرض کا حقیقی باعث صرف سود پر قرض دینے والا ادارہ ہے اسلامی سرمایہ دار معاشیات سودی قرض ہی کو نکال پھینکتی ہے۔ ایسی سرمایہ کو برقرار رکھتی ہے اور یوں تمام معاشی بحرانات سے نجات پا جاتی ہے۔

سود، سٹہ بازی، قوت خرید کی بے ترتیبی اس ادارہ کے وجود سے ہنگامی خوشحالی، قابو سے باہر تباہ حالی ہی یہی ہیں کہ کاروبار میں سود سے مقابلہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ صنعت و حرفت کی لاینفک کمزوری کا باعث ہے۔ یہ نہ صرف صنعت و حرفت کی کامل تباہی لاتا ہے جبکہ قوت خرید

بے ترتیب نقطہ پر پہنچ جاتی ہے یہی صنعت حرفت کو اس نقطہ پر پہونچانے
میں بنیادی طور پر ممد ہوتا ہے بلکہ یہی صرف ایک ایسا آلہ ہے جو کہ حد سے
زیادہ سٹہ بازی کو ممکن بنا دیتا ہے۔ جیسے یہ خوشحالی کو تیزی سے لے
آتا ہے اور اس طرح یہ خوشحالی تیزی سے مفقود بھی ہو جاتی ہے۔ اسلام اس
خوش حالی کو نقلی قرار دیتا ہے اور اس کے خلاف تنبیہ کرتا ہے چنانچہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "گو سود کی وجہ سے ابتداً بیشی ہوتی ہے
لیکن بالآخر قلت کا باعث ہوتا ہے[1] اور قرآن کہتا ہے کہ:

وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ

پ۲۱ الروم ۳۰ ع۴

اور جو سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے یہاں نہیں بڑھتا اور تم خدا کی خوشنودی چاہ کر جو دیتے ہیں تو یہ وہی ہیں جو اپنے مال میں اضافہ کر رہے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صریحی طور پر فرمایا ہے کہ یہ تباہ کن ہے
چنانچہ آپ نے فرمایا کہ "سات تباہ کن چیزوں سے بچو اور تیسری چیز آپ نے سود
کو بتایا (بخاری، مسلم اور ابوداؤد) اس ادارہ کی وجہ سے جو عظیم الشان صنعتی
تغیرات وقوع میں آتے ہیں۔ پیگو، فشر اور چند
دیگر معاشیین بھی ان تغیرات کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ تاہم اسکی معقولیت
کو فی الحال تسلیم کیا جا چکا ہے۔

کچھ سود کی بابت

سود کس کا معاوضہ ہے عام طور پر ایک رجحان یہ پایا جاتا ہے کہ سود بھی مثل
مغالطہ آمیز تصورات دیگر عاملین پیدائش کے حصص ہی کی طرح سے یعنے

---

[1] ابن ماجہ

خدمت انجام دینے کا معاوضہ ہے لیکن کبھی یہ دیکھا نہیں جاتا کہ یہ خدمت کس قدر مشکل کی ہے

قالوا انما البیع مثل الربوا ۔ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی مثل سود ہی کے

احل اللہ البیع وحرم الربوا ۔ ہے درآں حالیکہ اللہ نے تجارت کو

قرآن پ ۳ البقرہ ۲ ع ۳۸ ۔ حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

شراکتی تجارت و زراعت ۔ اسلام مشترکہ سرمایہ دار کمپنیوں کا بہت زیادہ حامی ہے اور فراہمی سرمایہ ۔ صرف Debenture holders حاملین تمسکات اور تجارتی قرضے مشترکہ سرمایہ ۔ سود کی بنا پر ناجائز قرار دیئے گئے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شراکتی کاروبار بہت مقبول تھے حتیٰ کہ زراعت تک بھی یہ کاروبار رواج پا چکے تھے۔ اگر تم فاضل روپیہ رکھتے ہو تو تم کسی کاروبار میں شریک ہو سکتے ہو یا ایک حصہ خرید کر نفع اور نقصان میں شریک ہو سکتے ہو لیکن تمہیں اسکی اجازت نہیں کہ اجیر کی قوت مدافعت کی بربادی کرو یا تم اجیر کو برے وقت میں دھکا پہنچاؤ اور اسکی مدافعت کی قوت کو برباد کرو۔ اور نہ صرف اسکو تباہ کرو بلکہ معاشرتی خرابی پیدا کرو۔ سودی کاروبار میں حد سے زیادہ ناانصافی ہے اور ایک شخص میلان لئے ہوئے ہو گا جو ہونیکا پایا جاتا ہے

سود اور نفع کا فرق ۔ حقیقت یہ ہے کہ سود کی تائید میں کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔ اگر تم سود کمانے والے **دلیل دعویٰ** کہیں کہ ہم معاوضہ اس وجہ سے طلب کرتے ہیں کہ روپیہ اسکے ذریعے سے نفع کماتا ہے تو تمہیں صرف جب ہی اس سے معاوضہ طلب کرنا چاہئے جبکہ قرض لینے والا اس سے نفع کماتا ہو۔ اگر اسکی کامیابی حد سے زیادہ حقیر ہو یا اسکے ترقی کے مواقع کم ہوں تو سود کی شرح میں بھی کمی ہونی چاہئے۔ جدید معاشیات کے خلاف خطرات کے لحاظ سے سود کی شرح بہ تناسب معکوس تغیر پذیر ہونی چاہئے۔ پیدائش کی جو دلیل ہے وہ کاروباری اصول کے خلاف میں رہنمائی کرتی ہے

ناانصافی ہے۔ **اصل نکتہ ۔ قرض** ۔ اصل نکتہ یہ ہے کہ یا تو تم قرض لینے والے کے نفع و نقصان سے اس کا رشتہ لے کے مقصد سے سمجھ کر کاروبار رکھو

اس میں حصہ رکھو تم اس کے نفع میں شریک ہو کر اسکی حیثیت کبوقت اس کو
نہیں چھوڑ سکتے۔ سود کا معاملہ تمام تر ناانصافی ہے۔ اور ہم نے اس کی ضرر رسانی
دیکھی ہے۔ اسلامی تعلیم کی رو سے تم صرف اس کے شریک کار بن سکتے ہو۔

پائدار ترقی۔ مضبوط بنیاد اسلام سرمایہ دار آجر کو برقرار رکھتا ہے اور
اسلام سود خوار ساہوکار کو خاص سرمایہ دار جس کو ہم ساہوکار سے تعبیر
معاشی نظام سے نکال دیتا ہے کر سکتے ہیں، کو نکال پھینکتا ہے اور یوں
صنعت و حرفت کے لئے مضبوط بنیاد فراہم کرتا ہے اس کی ترقی ابتداء گو کچھ کم
ہوتی ہے لیکن بعد میں نہایت تیز ہو جاتی ہے اور پھر ہمیشہ متعین اور پائدار رہتی ہے

نفع کے متعلقات و لوازم سود کی اہمیت دکھانے کے لئے پروفیسر مارشل نے
سود نفع کے مفہوم میں بہت اچھے طریقہ سے بیان کرنا شروع کیا ہے کہ
پس اندازی کی عادت مستقبل کو ذہن نشین کر لینے اور اس کے لئے انتظام کرنے
سے ہوتی ہے اور صحیح طور پر اس بات کو نمایاں کیا کہ "لوگ اپنے بال بچوں کے
لئے محنت اور پس انداز کرتے ہیں گو بعض اوقات اکتسابی عادت کی وجہ سے
بھی بچاتے ہیں" فرق یہ ہے کہ اسلام پس اندازی، انتظار کشی اور خطرہ مول لینے
کے عناصر و لوازم کو ایک دوسرے سے منفک کرنا نہیں چاہتا۔ وہ منافع یا سود
کے کسی ایسے تصور یا انتظام کو روا نہیں رکھتا جس میں اس کے متعلقات و
لوازم سے قطع نظر کر لیا گیا ہو۔ دراصل یہ کہا جا سکتا ہے کہ "روپیہ لگانے کا
نفع یہ سود" ہے۔ کاروبار میں روپیہ لگانے سے جو آمدنی ہوتی ہے اس
مفہوم میں سود لازمی بھی ہے اور حق بجانب بھی۔ اس مفہوم میں یہ سرمایہ کو
یکجا جمع کرنے کیلئے ایک معقول ترغیب ہے جس پر ساری ترقی کا دارومدار ہے۔
اس مفہوم میں کہ وہ محض شے پر قرض دینے کا معاوضہ ہے تو تب یہ ایک
باطل اور ناگوار شئے ہے۔ اس قسم کے سود کو خارج کر دینے سے سرمایہ کے حاصل

جمع ہونے میں کچھ بھی رکاوٹ پیدا نہ ہوگی بلکہ اس صورت میں تو وہ کاروباری پائیداری سادگی اور اخلاق میں ممد و معاون ہوگا۔ کیونکہ جیسا کہ کلارک نے کہا ہے کہ لوگ مستقبل میں متعین آمدنی کے لئے پس اندازی کرتے ہیں اس معاملہ میں معیار زندگی کے قیام و بقا کا خیال سب سے زیادہ اہم عنصر ہے۔ سودی کاروبار کی ممانعت سے لوگ اس امر پر مجبور ہوں گے کہ اپنے مستقبل کی آمدنی کیلئے بالراست کاروبار میں روپیہ لگائیں یعنی بلا واسطہ شغل اصل کو اختیار کریں۔

زراعت سے بحث باز زراعت کے باب میں

سود علاج نہیں مرض ہے بظاہر زراعت میں سودی کاروبار کو ممنوع قرار دینا اس درجہ

ممانعت سود کے فوائد سودمند نہیں معلوم ہوتا کیونکہ کاشتکاروں کے ذرائع محدود ہوتے

زراعت میں ہیں ان کے کاروبار کو منفعت بخش ثابت ہونے کے لئے ایک طویل عرصہ درکار ہوتا ہے ان میں بہت سے تو بغیر قرض کے پیدائش دولت کر ہی نہیں سکتے۔ لیکن درحقیقت سود کو ممنوع قرار دینے سے زیادہ تر فوائد زراعت ہی میں حاصل ہونگے۔ کیونکہ سود جس مرض کی دوا تصور کیا جاتا ہے خود ہی اس مرض کا اصلی سبب ہے۔ اگر یہ نام نہ ہوتا تو لوگ ایسے چھوٹے چھوٹے قطعات زمین پر محنت نہ کرتے جس پر انہیں اپنی محنت کے مقابلہ میں اتنے سے بہت کم معاوضہ ملتا ہے اگر یہ نہ ہوتا تو زراعت میں پیدائش کا طریقہ بڑے وسیع پیمانہ پر ہی شکل اختیار کرتا کاروبار میں ناکافی سرمایہ کی بنا پر زراعت میں مشترکہ سرمایہ دار کمپنیوں کا طریقہ نشوونما پاتا۔

زراعت میں۔ زراعت میں مشترکہ سرمایہ دار کمپنیوں سے زیادہ سادہ دار لسانیت اشتراکی کاروبار پر [illegible] حل نہیں ہے۔

زمین اور حصص کا تعین ۔ ان میں حصص نہ صرف زمین کے قطعات کی شکل میں لگائے جاسکتے ہیں بلکہ رقم کی صورت میں بھی لگائے جاسکتے ہیں زمین کی نوعیت کے لحاظ سے حصوں کی قدر و قیمت کا تعین ہو سکتا ہے (مثلاً کہ [illegible] نے حصے [illegible] [illegible]

عارضی کارروائی میں ہوگی) جس کو کسی آئندہ مضمون میں تفصیل سے بیان کرنے کا خیال ہے

اس قسم کی کمپنیوں کے فوائد بے شمار ہوں گے جن پر ہم آئندہ کسی علحدہ مضمون میں بحث کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے ہر کیف یہاں سرسری طور پر چند نقاط کا تذکرہ کر دیا جاتا ہے۔

(۱) کاشتکار زیادہ عرصہ تک زمین کے ساتھ وابستہ نہ رہیگا اور محنت کی بہتر نقل پذیری حاصل ہو سکے گی۔

(۲) "ماحولات زمین" کی ترقی سے زمینیات کی مکمل منتقلی ہو سکے گی۔ زمین کا عالمی بازار وجود میں آئے گا۔ اور قیمتوں کی مساوات حاصل ہو سکے گی۔

(۳) زمین کے سارے خزانے کو جن سے انفراداً استفادہ نہیں کیا جا سکتا مشینی ناگزیر کے تحت لایا جائیگا۔ لہذا اور خام اشیاء سستی قیمتوں پر ملنے لگیں گی۔

(۴) زراعت پیشہ لوگوں کو مالیہ اور بازار کی جو عالمگیر رکاوٹیں پیش آتی ہیں وہ آسانی سے دور ہو جائیں گی

(۵) طاقتور مشینوں اور حسب ضرورت کافی کیمیائی کھاد کا استعمال قدرت کی بہترت کا تقاضا پر غالب آجائینگے اور قانون تقلیل حاصل کو غیر معین عرصہ تک کیلئے پیچھے ہٹایا جا سکیگا۔

(۶) زراعت میں مشترکہ سرمایہ دار کمپنیاں موجودہ طریقہ کاشت اور "فیکٹری مزرعہ" یا کیمیائی طریقہ پر غذا کی تیاری کے درمیان گمشدہ کڑیاں ثابت ہوں گے اور مسئلہ آبادی ایک امید افزا پہلو اختیار کریگا

(۷) لوگوں کی ایک بڑی تعداد غیر یقینی اور بے قاعدہ مزدوری سے آزاد ہو جائے گی۔ اور دیگر صنعتوں میں مزدور بن کر مصنوعات میں تین گھنٹے کی مزدوری بدل ہوگی" کو ممکن بنا دیں گی جس کو ماہرین روسماجی "فاضل مقدار" سے موسوم کرتا ہے۔ اور یہ ہمارے مجوزہ صورت میں بہت زیادہ ہوگی کیونکہ کسی قسم کو

بھی سود کے لئے منہا کرنے کی ضرورت نہ رہیگی اور اس کی مدد سے مزدوروں کو زیادہ سے زیادہ فرصت دلائی جا سکے گی اور زیادہ سے زیادہ مزدوروں کو کم سے کم وقت کے لئے مناسب جرتوں پر رکھا جائے گا

(۸) صحیح تعلیم و تربیت سے اس فرصت کو زندہ دلی اور حیات بخشی میں متبدل کیا جا سکے گا۔ اور صرف اسی طریقہ سے انسان مشینوں کا آقا بن سکتا ہے اور صرف اسی طریقہ سے موجودہ بے حسی اور مردہ دلی کی حالت سے شائستہ تمدن کے لئے راستہ کھل سکتا ہے۔ آسانی سے یہ محسوس ہو سکتا ہے کہ اس طریقہ کار کے فوائد زرعی مسائل کے سلسلہ میں پیش کئے جانے والے کثیر جزئی حل کے مقابلہ میں کس قدر زیادہ ہیں۔ ایسی زرعی ترقی فطرت کے تغیرات پر غالب آ سکے گی اور بہت آسانی سے اچھی اور بری فصلوں میں ایک توازن قائم رکھ سکے گی۔ یوں کاروباری تغیرات کے ایک بنیادی سبب کو جڑ سے دور کر دے گی۔ علم حیاتیات سے انسان کا قابو بیج اور موسم پر بڑھ رہا ہے۔ کیمیائی کھادیں بینڈل (ماہر حیاتیات) کا قانون اور (Vernalization) کے سب ذرائع زراعت ہی کو ترقی دینے حاصل ہی ہیں۔ طبیعیات بھی بعض ایجادات مثلاً ( ) سے مدد دے رہی ہے۔ ایک صنعتی تکمیلی جز کی ضرورت ہے۔ اور ہمیں اس کا زیادہ عرصہ تک انتظار کرنا نہ پڑے گا۔

کلوں کے ذریعہ زراعت کو مذکورہ بالا اور اسی قسم کے دیگر ایجادات کی مدد سے ممکن ہے کہ زمین کی زرخیزی میں جو فرق ہے وہ فرق دور ہو جائیگا۔ اور آبادی کو منقسم کر دینے یہ بھی ممکن ہے کہ لگان بھی مسدود ہو جائے۔ (اس نقطہ کو بھی کسی علحدہ مضمون میں واضح کیا جائے گا۔) قومی منافع کے حصہ دار صرف دو عاملین ہی رہ جائیں گے۔ محنت اور اصل

سود کا خاتمہ اور خطرناک اثرات کا خاتمہ ۔ حد سے زیادہ سرمایہ لگانا، بڑھتی ہوئی عدم مساوات زر کی قیمت میں تبدیلی اور ایجادات یہ چند دیگر عوامل ہیں جو سودی قرض دینے والے ادارہ کے ساتھ ملکر اس غیر متوازن کلیہ و مروجہ طریقہ پر بحران پیدا کرتے ہیں۔ اس ادارہ کے خاتمہ کے ساتھ ہی اس کے خطرناک اثرات بھی بہت بڑی حد تک گھٹ جائینگے۔ ممکن ہے کہ تب بھی ان میں توازن کو بدلنے کی کچھ استعداد باقی ہو لیکن اسلامی معاشیات اس کو دور کر دیتی ہے۔ حد سے زیادہ سرمایہ لگانا حد سے زیادہ بچت کرنا یا حد سے زیادہ پیدا کرنا بھی اسی نوع کے عناصر ہیں۔ اس کو حالیہ بحران سے متعلق ہونے کی بنا پر یو[illegible] ادارہ کے علماء فوسٹر اور کیچنگ یوں بیان کرتے ہیں۔ حد سے زیادہ رقم کو پیدائیشی سرمایہ میں لگانے سے قوت خرید گھٹتی ہے اور معاشرہ پر اپنی رقم خرچ کرنے کیلئے بہت کم رقم رہ جاتی ہے۔ یہ حالت یا کافی طور سے اشیاء صرف کو خرچ نہ کر سکنے سے پیدا ہوتی ہے یا مناسب اجرتیں نہ دینے سے اس ہیجان کا دور ہونا غیر ممکن ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ واجبی قلیل اجرتوں کو ناممکن بنا دیتی ہے اسلام معقول اور فوری اجرتوں پر زور دیتا ہے نیز زکوٰۃ کا ٹیکس قائم کیا ہے جس سے مزدوروں کی حالت مستحکم ہو جاتی ہے۔ یہ انہیں اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ مناسب معاوضہ کا مطالبہ کر سکیں۔ نا واجبی قلیل اجرتوں کو قریب قریب ناممکن سا بنا دیتا ہے اور قوت خرید نہ ہونے کی ایک بنیادی سبب کو دور کر دیتا ہے

دوسرا یہ کہ اسلام نے صاف طور سے جب یہ دیکھا کہ بنی نوع انسان کے روزانہ کاروبار کی کارکردگی کا انحصار اس کے روزانہ کی عادت پر ہے تو اس نے خرچ کرنے پر زور دیا ہے ۔

بخل اور اکتناز کی ممانعت ۔ مذہب نے اسی کے پیش نظر بخل اور اکتناز کو ممنوع

قرار دیا ہے۔ یہ پیدا ہونے والی اس نازک صورت حال کا انسداد کرتا ہے جو پیداوار پر زیادہ زور دینے کی وجہ سے وقوع میں آتی ہے جو دولت بخل کے ذریعہ اکٹھا کی جاتی ہے وہ یا تو ذخیرہ بنا کر رکھی جاتی ہے جس کا مفہوم ہی پیداوار و وسائل کو ضائع کرنے کے مترادف ہوتا ہے اس لئے اسلام نے اس پر بھاری محصول عاید کر دیا ہے یا خرچ کی طرف سے تغافل برت کر کل کی کل دولت پیدائشی اغراض کیلئے وقف کر دی جاتی ہے تو قوت خرید میں بے ترتیبی پیدا ہو جائے گی جو با لآخر شدید بحران پر منتج ہو گی۔ اسلام نے صرف کرنے پر زور دے کر اس خطرہ کا کلیۃً استیصال کر دیا ہے۔ اسلام میں خرچ کی حسب ذیل دو وسیع تقسیمیں ہیں۔

(۱) ذاتی اغراض (۲) صدقات

موجودہ مسئلہ کیلئے یہ دونوں تقسیمیں یکساں مفید ہیں وہ صنعتی پیداوار کی طلب کو بڑھانے میں مدد دیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ قوت خرید کی بے ترتیبی کا ازالہ کرتے ہیں۔ قرآن تنبیہ کرتا ہے کہ

(۱) وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ پ۲ البقرۃ ع۲۴ — اور خدا کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپکو اپنے ہی ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو

بخل اور اندوختگی کی بار بار توبیخ کی گئی ہے

(۲) ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسورا پ۱۵ بنو اسرائیل ع۱۷ — اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن تک بندھا نہ رکھو (یعنے بخل نہ کرو) اور نہ اسکو بالکل کھولا ہی دو ورنہ تو الزام کھایا ہوا ہارا بیٹھا رہیگا

پیدائش دولت اور حصول روزگار کے ساتھ اندوختہ کرنیکی ہوس کے بر خلاف خرچ کرنے پر جو زور دیا گیا ہے اسکی بدولت عام طور پر قوت خرید کی معاشی تقسیم کے ایسے وسائل فراہم ہوتے ہیں جن کے ذریعہ اس قوت کو مستحکم بنیاد پر برقرار رکھا جا سکتا ہے اس سے دوسرے عنصر کا سدباب ہو جاتا ہے۔

ایک تیسرا عنصر جو تغیرات کا باعث ہو سکتا ہے وہ دولت کی تقسیم میں عدم مساوات کو ترقی دینے کا رجحان ہے۔ یہ واضح کیا جا چکا ہے کہ معاشیات کے اصول عدم مداخلت میں اس رجحان کا وجود ہے۔ کیونکہ اس اصول کے تحت مزدور کی حیثیت اکثر کمزور ہوا کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ ارباب اقتدار ندریجاً قومی منافع کا بہت بڑا حصہ حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ حقیقت موجودہ معاشی بحران خصوصاً امریکہ کا اس کے اسباب علل کا مطالعہ کرنے سے اور زیادہ مسلمہ ہو جاتی ہے چنانچہ پروفیسر تھامسن اس کو ایک بہت اہم سبب قرار دیتے ہیں۔ اسلامی معاشیات خاص طور پر اس میلان کو قانون وراثت میں اعتدال پیدا کر کے نیز بعض دیگر تدابیر کے ذریعہ جن کی ابھی وضاحت کی جائیگی انسداد کر دیا ہے۔ یہ میلان تین طرح سے مضر ہے (۱) جو لوگ دولت مند بنتے جاتے ہیں ان میں روپیہ کی حرص و ہوس بڑھتی جاتی ہے۔ وہ اپنی دولت کو خرچ نہیں کرتے وہ اس میں مسلسل اضافہ کرنا چاہتے ہیں اس لئے وہ حد سے زیادہ پیدا کرتے ہیں (۲) جو لوگ بڑی جائداد ورثہ میں پاتے ہیں ان کو اکثر تعیشات میں خرچ کرتے ہیں اور قومی وسائل دولت کا رخ کم پائیدار صنعتوں کی جانب پھیر دیتے ہیں (۳) وہ لوگ جو یہ جانتے ہیں کہ انہیں ورثہ میں بڑی جائداد ملنے والی ہے تو اکثر ان میں محنت و مشقت کا فقدان پایا جاتا ہے۔ اور ان میں صلاحیت کبھی پیدا نہیں ہوتی جب کاروبار ان کے ہاتھ میں آتا ہے تو عموماً ناکام ہو جاتا ہے اور یہ صورت حال معاشی استحکام میں خلل انداز ہوتی ہے۔

جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ اسلام نے خرچ کرنے پر زور دیکر اور مزدوروں میں مسابقت کی قوت پیدا کر کے پہلے خطرہ کا ازالہ کرتا ہے اور ایسے نقطہ نظر کی تحقیر کرتا ہے جو حد سے زیادہ پیدائش پر منتج ہوتا ہے معاشرہ کے دو آخری حدود (ایک دوسرے سے قریب تر کرنے کے لئے

اسلام میں تین ذرائع ہیں۔ پہلا تو زکواۃ کا ادارہ کا قیام یعنے معاشی لگان اور اشیاء سرمایہ کے منافع کا ایک حصہ (حقیقی ہو یا امرکانی) بالکلیہ غریبوں کیلئے مختص کر دیا گیا ہے۔ یہ طریقہ کاران کی حالت کو بہتر بناتا ہے اور اس میں مزید ترقی کر دینے میں مدد ومعاون ہوتا ہے تاکہ وہ بہتر معیار زندگی کی طرف قدم بڑھا سکیں چونکہ غریب طبقوں میں زر کی گردش بہت زیادہ ہوتی ہے اس لئے اس کا اثر بہت قابل لحاظ ہوتا ہے رکاۃ اور خراج بھی اس قسم کے محاصل ہیں، معاشیات کا اصول، عدم مداخلت، مالک زمین کو اجارہ اور حد سے زیادہ تمتع کا موقع دیتا ہے۔ تمام معاشی لگان امرا کو اس سے بھی زیادہ فائدہ اسی کو حاصل ہوتا ہے

زمین ایک مشترکہ عطیہ ہے اسلامی تعلیم کے مطابق زمین تمام انسانوں کے لئے قدرت کا ایک مشترک عطیہ ہے۔ تاہم تمام کے تمام اس کے مالک نہیں ہو سکتے۔ اس کی ملکیت تو آزادانہ مسابقت کے لئے چھوڑ دی جاتی ہے لیکن اس سے جو لگان پیدا ہوتا ہے وہ تمام باشندوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے گو زمین کو تو نہیں البتہ لگان کو مشترک طور پر تقسیم کیا گیا۔ زکواۃ (نموئی محصول) رکاز اور خراج یہ سب لگان کو اشتراکیت کے سانچہ میں ڈھالتے ہیں۔ رکاز معدنوں کی $\frac{1}{5}$ پیداوار کو غریبوں کے لئے مختص کرتا ہے۔ خراج میں زمین کی پیداوار کا $2\frac{1}{2}$ فی صد لگان وصول کیا جاتا ہے۔ یہ ٹیکس خواہ مالک زمین کاشت کرے یا نہ کرے واجب الادا قرار پاتا ہے۔ اور عام تعمیری اغراض کیلئے مختص کیا گیا ہے اور اس طرح تمام لوگ زمین کے مالک نہیں ہوتے تاہم اس کو استعمال کرنے کا ہر ایک حق رکھتا ہے۔ غرض یہ بھی مزدور طبقہ کی کمزوری دور کر دیتا ہے اور ان کی حالت کو سنوارتا ہے۔

اسلامی قانون وراثت تیسرا ذریعہ جس سے اسلام بڑھتی عدم مساوات کا

انسداد کرتا ہے وہ اس کا قانون وراثت ہے۔ جو بڑی سے بڑی دولت کو بے شمار قریبی حتیٰ کہ دور کے رشتہ داروں کے مابین تقسیم کرتا ہے[1]۔ اسی طرح وہ ان کی اترج کو ابھرنے کا موقع دیتا ہے۔ اس طریقہ عمل کے ذریعہ اسلام نہ صرف معاشرہ کے بلند طبقہ کو ادنیٰ طبقہ سے قریب کرتا ہے بلکہ بڑے بڑے کاروبار کو ترقی دینے کا شوق پیدا کرتا ہے اور خوشحالی میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ اس طرح کاروبار کے بہت سے حصہ دار ہوتے ہیں اور پھر عدم صلاحیت اور نااہلی کی وجہ سے دولت تباہ و برباد ہونے کا بہت کم خطرہ باقی رہ جاتا ہے۔

اس جدید نظام و ترکیب کی توضیح سے نتیجتہً جو مرفع الحالی حاصل ہوتی ہے اس کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس کا بہت ہی دوررس اثر پیدا ہونے لگتا ہے چوتھا عنصر جو تغیرات کے انتفاع سے اس کو ساری قربت لگتی ہے۔ نئی نئی ایجادات کی ترویج بھی تغیرات کا ایک سبب ہے جن پر جدید ارتقا کا انحصار ہے جیسا کہ پروفیسر پیگو نے اشارہ کیا ہے کہ ایجادات کو عملاً مکمل کرنے کیلئے سرمایہ کی ضرورت ہے۔ اس کا استدلال ہے کہ ایجادات سے اسی وقت استفادہ کیا جا سکتا ہے جبکہ سرمایہ قابل حصول ہو یعنے قرضہ کے کاروبار میں وسعت پیدا ہو رہی ہو۔ لہٰذا وہ تصور کرتا ہے کہ ایجادات نہ صرف تغیرات کا سبب بنتی ہیں بلکہ صورت حال کو نہایت نازک بنا دیتی ہیں۔ اسلامی معاشیات میں سودی قرضہ کے کاروبار کی ہی کوئی شئے نہیں۔ پس ایجادات کے معرض وجود میں آنے کا اسی وقت امکان ہے جبکہ مرفع الحالی میں بھی اضافہ ہو رہا ہو اور جبکہ انکی ترویج کے باعث جو خفیف سا اختلال پیدا ہوتا ہے۔ معاشرہ اس کو برداشت کی صلاحیت رکھتا ہو۔

بحران کا انسداد دوسرا عنصر جو بحران کا سبب بنتا ہے وہ تغیرات ہیں جو زندگی

---

[1] قرآن مجید۔ سورہ ۴ آیت ۷، ۸، ۱۱، ۱۲ اور ۱۷۶

ہمت میں رونما ہوتے ہیں ان تغیرات کو سودی قرض کے تعلق کی بنا پر سماج میں
اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسلام اس قسم کے قرضہ جات کو ممنوع قرار دیتا ہے
اور اس طرح وہ اپنی اہمیت کھو بیٹھتے ہیں۔ غرض اس طریقہ کے ذریعہ اسلام
معاشی تغیرات کا انسداد کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مزدوروں کی
اس فکر و تردد کا بھی ازالہ کرتا ہے جو ان کو اپنے روزگار کے عدم استقلال کے
باعث لاحق ہوتا ہے۔

انسداد بیروزگاری علاوہ ازیں اور طریقہ سے اسلام بیروزگاری کو دور کر دیتا
ہے کیونکہ بیروزگاری کسی حد تک اوقات فرصت کی غیر مساوی تقسیم کا نتیجہ ہے اسلام
نے معمولی کاروبار کی پابندی کی محدود مقدار و قیمت مقرر کی ہے۔ لوگوں کو مرفہ الحال بنا کر
اور مادی فلاح و بہبودی کی خاطر حرکات کلی کے مفہوم پر زور دیکر اسلام کے بیکار اوقات
فرصت یعنی حصول علم، عبادت، خلق خدا کی جانب، انسان کی توجہ منعطف کرتا ہے۔
اس طرح اس کو اوقات فرصت کا متلاشی بنا دیا ہے

اس اہمیت سے متعلق قرآنی آیات کا حوالہ دینے سے کچھ فائدہ نہیں ہے صرف
یہ ہی بتا دینا کافی ہے کہ اسلام کوئی معاشی تنظیم نہیں بلکہ ایک مذہب ہے۔ اسلامی
معاشیات جس میں ہمارا اول کا حل مضمر ہے اسکی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اصول
اور مداخلت کے بنیادی نقص کا ازالہ کرتی ہے یعنی وہ ان تمام معاشی طریقوں کا
عمل کو ناجائز قرار دیتی ہے جن کے ذریعہ خالص معاشی پیداوار کی بدولت
غیر خالص خانگی پیداوار حاصل ہو۔ مثال کے طور پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے کہ گانے والی کنیزوں کو نہ صرف فروخت کرو اور نہ خریدو۔[1] نیز آپ نے ارشاد
فرمایا ہے کہ وہ جو کوئی حد سے زیادہ قیمتوں پر فروخت کرنے کیلئے مال کو اٹھا رکھتا ہے
گنہگار ہے۔"[2] ہمیں اس کا بھی علم ہے کہ اسلام کس طرح غلط ناپ تول۔

---

[1]۔ مشکوٰۃ ۔ ۔ ۔ انصار ۔

ذخیرہ اندوزی اور سود کو ممنوع قرار دیا ہے۔ نیز یہ دیگر معاشرتی مضر رساں اعمال مثلاً گداگری، چوری اور آرام طلبی کو بھی روکتا ہے وہ ایسا عام اصول بھی مرتب کرتا ہے جس کی بنا پر متذکرہ صدر اعمال سے قریب تر اور مشابہ امور کا عدم جواز بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

پیدائش دولت کی اسلامی معاشیات، اشتراکیت اور عدم مداخلت کے بین بین معین راہ اختیار کرتی ہے اس طرح ان سے متعلق اکثر و بیشتر مسائل اسلامی معاشیات میں پیدا ہی نہیں ہوتے، ایک آخری قابل توجہ خصوصیت یہ ہے کہ اسلام بہت بڑی بین الاقوامی تحریک ہے۔ طبقہ واری۔ لونی اور ملکی وحدت کے مقابلہ میں مذہبی وحدت کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے ساری دنیا کے مسلمانوں میں ایک ہی مملکت قائم کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ قومی خود اکتفائی کا یہاں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا صنعتوں کی مکمل رقبہ جاتی تقسیم ممکن العمل ہے۔ پیدائش دولت میں اس سے زیادہ اضافہ کی کوئی اور صورت ممکن نہیں ہو سکتی۔

تقسیم دولت کی معاشیات

جیسا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے اسلامی تقسیم دولت کی معاشیات سے مجموعی پیداوار کے طور پر خوشحالی حاصل ہوتی ہے۔ دولت کی زیادہ مساوی تقسیم کے ذریعہ اس میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرتی ہے۔ پیشہ ور قرض دہندگان کا خاتمہ کر دیا گیا ہے زرگان کو مشترکہ ملک قرار دیا گیا ہے صرف آجر اور مزدور ہی قومی منافع کے حقدار تصور کئے گئے ہیں۔ اسلامی تقسیم دولت کے طریقہ کو اس وجہ سے بھی نمایاں امتیاز حاصل ہو جاتا ہے کہ اس میں "درمیانی طبقوں" کا وجود پایا نہیں جاتا لیکن عام فلاح و بہبود میں اضافہ کرنے کے لئے صرف مکمل مساوات کی واحد ذریعہ نہیں ہے۔ مقررہ مجموعی ماحصل یا پیداوار کی بدولت جو مرفہ الحالی نصیب ہوتی ہے

تو نظری حیثیت سے اس میں اضافہ تو ہوتا ہے لیکن عموماً تخفیف پیداوار کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اگر نااہل مزدوروں کو اہلیت رکھنے والے مزدوروں کے برابر معاوضہ دیا جائے تو اولذکر کی اپج کو ابھرنے کا موقع نہیں ملتا اس کے برخلاف اگر با مہارت محنت کا معیار پست کر دیا تو ہنرمند مزدوروں کی کارکردگی متاثر ہو جاتی ہے۔ اس طرح مکمل مساوات کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائیگا اور نتیجہ معاشرتی فلاح و بہبود کی توسیع میں ناکامی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ صحیح طریقہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مساوات کی جانب صرف اس قدر قدم بڑھایا جائے جتنی کہ معاشرتی فلاح و بہبود میں اضافہ کی مناسبت سے اسکی ضرورت پائی جائے اور عدم مساوات کو صرف ایک خاص حد تک برقرار رکھا جائے تاکہ اس کے ذریعہ زیادہ بڑی خدمات کا صلہ حریت کی قیمت ادا کرنے کا موقع حاصل ہے۔ اسلام میں بالکل یہ ہی صورت پائی جاتی ہے۔ چونکہ زکواۃ کے ذریعہ حاجات کے مطابق دولت کی تقسیم عمل میں آتی ہے اس لئے خلفائے راشدین کے عہد میں بڑے پیمانہ پر زکواۃ کا جو نظام قائم ہوا تھا اس سے بعض لوگوں میں غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے جس کی بناء پر اسلامی تقسیم دولت کے اصول کو وہ اشتمالیت سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ اسی بناء پر خان کویمر نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ حضرت عمر کی سیاست کا اشتمالی الطبع نظام تاریخ کا ایک نہایت ہی انوکھا واقعہ ہے ... تمام مسلمانوں کو مکمل طور پر مساوی حقوق حاصل تھے۔ حکومت کی کل آمدنی نیز تمام مفتوحہ اراضی ملت اسلامیہ کی مشترکہ جائداد سمجھی جاتی تھی اور اسلامی برادری کا ہر فرد حکومت کے خزانہ سے ایک مقررہ سالیانہ پاتا تھا" اور خدا بخش صاحب نے "ابتدائی اسلام" کو قطعی طور پر جمہوری اور اشتراکی تصور قرار دیا ہے۔

Contribution to the history of Islamic Civilisatio

لہ تاہم اسلامی نظام نہ تو اشتراکی ہے نہ اشتمالی۔ تقسیم دولت کا اسلامی اصول یہ معلوم ہوتا ہے کہ غریب کو کم از کم اسکی بنیادی ضروریات کے موافق دیا جائے۔ (اگرچہ کہ محنت کے لحاظ سے اجرت کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو) اور امیر کو اسکی خدمات کے مطابق دیا جائے۔ مفید ترین معاشی ہنر و کمال کو ممتاز درجہ اور بہتر صلہ عطا کیا گیا ہے خود خدا نے یہ انتظام فرمایا ہے اور معاشی نقطہ نظر سے درجہ بندی کی اجازت دی ہے

نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضا سخریا۔

ہم نے ان کی دنیاوی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی اور بعضوں کا درجہ بعض سے بلند کیا تاکہ بعض لوگ بعضوں سے کام لیں۔

پ ۲۵ الزخرف ۴۳ ع ۳

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے

یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر

جس کی روزی چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔

پ ۱۳ رعد ۱۳ ع ۳

"تاہم معاشی مراتب اور پیشے معاشرہ میں کسی فرد کی حیثیت کو متاثر نہیں کرتے۔

انما المؤمنون اخوۃ

پ ۲۶ ۴۹ ع

بے شک تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں

Orient under the Caliph

یہ مراتب تو صرف معاشی تقسیم عمل کے لئے ہیں۔ انسان کی قدر و قیمت کا معیار نہیں ہے اسلام نے دولت کے فریب کو نیست و نابود کر کے اس کے بجائے امتیاز اور قدر و قیمت کا ایک جداگانہ معیار مقرر کیا ہے۔ اس سے ہم کو اسلام کی اس بنیادی خصوصیت کی طرف رہنمائی ہوتی ہے جس کو "معمولی کاروبار زندگی" پر قابو حاصل ہے۔ محبت اور ایثار کی اہمیت کے مقابلہ میں اس کی قدر و قیمت کو تابع اور محدود قرار دے کر اسلام نے اس بنیادی مسئلہ پر کاری ضرب لگائی ہے جو تمام معاشی مشکلات کا سرچشمہ ہے نظریۂ اسلام کے مطابق

قد جعل اللہ لکل شئ قدرا۔ — خدا نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔

پ ۲۸۔ الطلاق ۶۵ ع ۱

شخصی اور انفرادی ترقی کا راز اسی اصول کی پابندی میں مضمر ہے۔ ان اقدار کے منجملہ کسی ایک کے ساتھ غیر متناسب محویت کا اظہار انفرادی ترقی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ معاشی مسائل سے قریب تعلق رکھنے والے اقدار کے معیار کا قرآن کی روشنی میں مطالعہ کریں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر معیار کی پابندی کی جائے تو چند بنیادی معاشی مسائل باسانی حل کئے جا سکتے ہیں۔

خانگی زندگی اور دولت کی تعریف میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کے باوجود وہ دنیا کی قدر و قیمت کا ایک جزو ہیں اور بذات خود ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

فما متاع الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل۔ پ ۱۰۔ التوبہ ۹ ع ۶ — دنیاوی زندگی کی متاع آخرت کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔

ان کو تو صرف واسطہ کی حیثیت سے نہ کہ بجائے خود مقصد کے لحاظ سے کوئی اہمیت حاصل ہے قدر و قیمت کی قطعی تعیین میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی — اس دن مال اور اولاد کچھ کام نہ آئے گی۔

الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔ پ ۱۹۔ الشعراء ۲۶ ع ۵ — ہاں مگر جو خدا کے پاس پاک دل لے کر آئے

اس دنیوی زندگی میں وہ کارآمد ہو سکتے ہیں۔ وہ زندگی کے لئے مفید بھی ہو سکتے ہیں اور مضر بھی۔

چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے کہ

یا ایہا الذین آمنوا ان من ازواجکم واولادکم عدوا لکم فاحذروھم
پ ۲۸۔ الطلاق ۵ ع ۲

اے مسلمانو! تمہاری بعض بیویاں اور بچے تمہارے دشمن ہیں ان سے ہوشیار رہو۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذالک فاولئک ھم الخاسرون۔
پ ۲۸۔ المنافقون ۶۳ ع ۲

مسلمانو! تمہاری اولاد و تمہاری دولت تمہیں خدا کی یاد سے غافل نہ کردے۔ پس جو بھی ایسا کرتے ہیں تو وہ خسارہ میں ہے۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ پ ۱۰۔ التوبۃ ۵ ع ۵

جو لوگ سونا اور روپیہ اندوختہ کرتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو اے محمد! انہیں سخت عذاب کی خوشخبری سنا۔

تو ان کے یہ ارشادات اہل و عیال کی حد سے بڑھی ہوئی محبت اور دولت کی مجنونہ حرص و آز کے انسداد کے لئے کافی ہے۔

آخری اور قطعی فیصلہ کے وقت صرف اعمال ہی کو اہمیت حاصل ہے۔

کل نفس بما کسبت رھینۃ
پ ۲۹۔ المدثر ۷۴ ع ۲

ہر جان اپنے کئے میں پھنسا ہے۔

والباقيات الصالحات خير عند ربك   اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر آپکے ہاں بہتر بدلہ

ثوابا وخیر مردا۔ پ ۱۶، مریم ۲۹ ع   رکھتے ہیں اور بہتر ہے مرجان کی جگہ ہے

اسلام نے قطعی طور پر اس تصور کو مٹا دیا ہے کہ دولت ہی اصل مقصد اور حیات کا جزو لاینفک ہے یہی وجہ ہے کہ دولت کے حصول سے کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف اچھے اور مفید عمل کرنے والوں کو فضیلت دی گئی ہے۔

ان الذین امنوا وعملوا الصلحت   بے شک جو لوگ ایمان لے آئے اور اچھے کام
اولئک هم خیر البریة۔ پ ۳۰ البینة ۱۶۹۸   کئے تو وہ بہترین خلائق ہیں۔

والعمل الصالح یرفعه۔ پ ۲۲ فاطر ۳۵ ع ۲   اور اچھا کام اسی کو پہنچاتا ہے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو لوگوں کے پاس سب سے اچھا ہے"۔ (الترمذی، ابو داؤد) اس قسم کا تعمیری معیار فضیلت قائم کرنے سے جو سود اثر مرتب ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اس قسم کی تعلیم کے ذریعہ اسلام معاشیات کے مرکزی مسئلہ کو حل کرتا ہے جسکے متعلق پروفیسر کینز (PRS KEYNES) نے حسب ذیل رائے ظاہر کی ہے "بہرحال روز مجھ پر یہ ظاہر ہوتا جا رہا ہے کہ ہمارے زمانہ کا اخلاقی مسئلہ دولت کی محبت روپیہ کمانے کے اور زندگی کے کاروبار کے مقاصد میں مسلسل طور پر توجہ مبذول کرانے افراد کی معاشی کفالت کیلئے عالمگیر جدوجہد کرنے ذر کی معاشرتی پسندیدگی سے کہ وہ تعمیری کامیابی کا پیمانہ ہے اور اندوختگی کی خواہش کی طرف توجہ مبذول کرانے سے کہ بال وہ بچوں اور ناکامی کے زمانہ میں ضروری دیگر اور اس قسم کی تعلیم کے ذریعہ اسلام اس تمنا کی تکمیل کرتا ہے۔" زر سے متعلق ہمارے تصورات و احساسات میں ایک انقلاب کی تخلیق شاہد عصر حاضر کے فکری نظام کا ایک ترقی پذیر مقصد قرار پائے۔

اسلامی معاشی نظام کی یہ چند خصوصیات ہیں جن کی سادگی نے انعکاس کی
گہرائی کو مخفی رکھا۔ آج دنیا اس کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنے کے قابل ہے۔ گرانقدر
تجربات کے بعد اشتراکیت اور آزاد معیشت کی بے بسی آشکارا ہو چکی ہے آخرالذکر
معاشیات کا تو خاتمہ ہی ہو چکا ہے دوران جنگ ما بعد جنگ کے زمانہ میں یورپ کے
تمام ملکوں نے یکے بعد دیگرے اس تصور کو ترک کر دیا ہے۔ ممالک متحدہ امریکہ تو
شعبہ ہائے حیات کی مکمل تنظیم کی طرف متوجہ ہے یہی تبدیلی چین میں بھی نظر آتی ہے چنانچہ
موقتی دستور جو عبوری دور کے لئے تاریخ ۱ مئی سنہ ۱۹۳۱ء مرتب کیا گیا اسمیں
ظاہر کیا گیا ہے کہ خانگی جائداد کے حق ملکیت کے استعمال کا قانون کے ذریعہ
تحفظ کیا جائیگا۔ بشرطیکہ وہ عوام کے مفاد سے متصادم نہ ہو۔ برخلاف اس کے
فاشسٹی تحریک [illegible] اشتراکیت کو معتدل کرنیکا مطالبہ کر رہی ہے۔ ان
دونوں کی تو زندگی اور کارکردگی کی بقاء سے اس کے حدود و عمل پر منحصر ہے۔
معاشی تاریخ نے صاف طور پر واضح کر دیا کہ عدم مداخلت اور اشتراکیت
یعنی انتہا پسندی کی وجہ غیر مستحکم ہے، موزوں اور منصفانہ معاشیات کے لیے
مذکورہ بالا حد اصناف کے نقائص دور کرنے ان میں اسلامی اصولوں کے مطابق
توازن قائم کرنے کا مسئلہ یقیناً غور و فکر کی دعوت دینا ہے۔
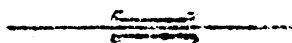
آجر اور مزدور اسلام میں

یوسف الدین ایم۔ اے (عثمانیہ) متعلم پی ایچ۔ ڈی

آجر اور مزدور اسلام میں

محنت کی عزت اور مزدور کا وقار:۔ اجرتوں کی بحث کے سلسلہ میں سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ محنت کی عزت اور مزدور کے وقار کا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج بیسویں صدی کی مہذب دنیا میں بھی سوائے ممالک متحدہ امریکہ کے باقی کم و بیش تمام ممالک میں ابھی تک مزدور پیشہ طبقہ کو چنداں وقعت اور عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ جسمانی محنت کرنے والے دستکاروں اور مزدوروں کو بالعموم کوئی وقعت حاصل نہیں۔ آج دنیا کی اس قدر ذہنی اور عقلی ترقی کے باوجود لوگوں کے دل و دماغ پر ابھی تک یہ تعصب چھایا ہوا ہے کہ جسمانی محنت حقیر چیز ہے اور اس کی وجہ سے جسمانی محنت کرنے والا مزدور بھی چنداں عزت کا مستحق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج کل کے پڑھے لکھے نوجوان بھی ان ہی کاموں کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ جن میں جسمانی محنت نہ کرنی پڑے۔ یا ہاتھ سے کام نہ کرنا پڑے خواہ اس میں اہلکاری سے زیادہ اجرت ہی کیوں نہ ملتی ہو۔ یہ ایک امر واقعہ ہے کہ موجودہ جنگ سے پہلے بھی میٹرک کامیاب اہلکار سے بڑھائی اور معمار زیادہ اجرت کماتے تھے۔ اور اب تو اور بھی زیادہ کماتے ہیں۔ نوجوان بے کاری کو تو پسند کرتے ہیں لیکن اس قسم کے پیشہ میں جانا پسند نہیں کرتے۔ یہ حال صرف ہندوستان کا نہیں بلکہ بڑی حد تک یہ مثال دنیا کے اور بھی اکثر و بیشتر ممالک پر صحیح طور پر صادق آتی ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ باوجود اس قدر ذہنی ترقی کے جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے ابھی تک ہاتھ سے کام کرنے والوں کے خلاف تعصب باقی ہے۔ آج بھی بہت سے ایسے خاندان موجود ہیں کہ اگر ان کے خاندان کا

کوئی فردِ دستکاری کا پیشہ اختیار کرلے تو خاندان بھر کے لئے باعثِ ننگ و عار سمجھتے ہیں۔ جس معاشرہ کے ایک بڑے طبقہ کے خیالات یہ ہوں تو اس میں مزدور پیشہ طبقہ کی بہتری اور بہبودی کی کیا امید قائم ہو سکتی ہے؟

اس سلسلہ میں اسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس نے ان تمام مصنوعی امتیازات کو یک قلم مٹا دیا اور صحیح معنوں میں نہ انسانی اخوت کا ثبوت دیا بلکہ عملی طور پر نہ صرف مزدور کے وقار کو بلند کیا بلکہ محنت کو نہایت باعزت بنا دیا۔ کیونکہ اسلام میں تمام پیشہ ورانہ امتیازات کو مٹا دیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل تو ہم پیدائش دولت کے باب میں محنت کے تحت کر چکے ہیں۔ البتہ اس سلسلہ میں یہاں صرف اتنا ہی کافی ہے کہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اجرت پر بکریاں چرائیں اور اجرت پر بیوپار کیا۔ اسلام نے پیشہ ور کو خدا کا دوست قرار دیا ہے۔ کہ اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ

مسئلہ اجرت کی اہمیت:۔ تقسیم دولت کے مباحث میں اجرت کے مسئلہ کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ اجرت کا تعلق خود انسان کی محنت سے ہے۔ اور اس کا اثر تمام معاشرت پر پڑتا ہے۔ مشینوں کی ایجاد۔ بڑے بڑے کارخانوں کے قیام، اور پیدائش پر پیمانۂ کبیر کی وسعت کے ساتھ ہی ساتھ اجرت کا مسئلہ روز بروز اہمیت حاصل کرتا جا رہا ہے۔

اجرت کی تعریف:۔ پروفیسر بنھام نے اجرت کی یہ تعریف کی ہے کہ:۔

A WAGE MAY BE DEFINED AS A SUM OF MONEY PAID UNDER CONTRACT BY AN EMPLOYER TO A WORKER IN EXCHANGE SEROICES RENDERED. (اجرت کی یہ تعریف کی جا سکتی ہے کہ وہ مقدار زر ہے جو معاہدہ کے تحت آجر مزدور کو اس کی خدمات کے معاوضہ میں ادا کرتا ہے[1]۔)

BENHAM'S. ECONOMICS. PAGE 231. SECOND. EDITION. 1940.

زمانہ جاہلیت میں آجر و مزدور کے تعلقات:۔ آج عام طور پر جو یہ پکار رہے ہے کہ سرمایہ دار اور آجر مزدوروں کو لوٹ رہے ہیں۔ تو یہ کچھ نئی چیز نہیں ہے۔ جاہلیت میں بھی یہ بات موجود تھی اور فتوحات اسلامی کے وقت صحابہؓ کرام کی بھی اس پر نظر پڑی چنانچہ عمرو بن العاصؓ (سپہ سالار مصر) حضرت عمرؓ کو اپنے ایک خط میں یہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

> "ایک مخلوق جس پر خدا کی مہربانی ہے اور جو شہد کی مکھیوں کی طرح
> دوسروں کے لئے محنت کرتی ہے۔ اور اپنی محنت اور گاڑھے پسینے سے
> کوئی فائدہ نہیں اٹھاتی[۱]"

الغرض جاہلیت میں بھی آجر و مزدور کا سوال موجود تھا۔ جاہلیت میں بھی بڑے پیمانہ پر خود عرب میں کاروبار ہوتے تھے۔ چنانچہ "عرب کے طبعی اور جغرافی حالات" میں میں نے واضح کیا ہے کہ جاہلیت میں بھی وہاں کان کنی ہوتی تھی اور ہزار ڈیڑھ ہزار مزدور کام کرتے تھے نیز جیسا کہ میں نے "عرب کے قدیم معاشی نظام" میں واضح کیا ہے۔ کہ قریش کے تجارتی کاروبار بڑے اعلیٰ پیمانہ پر ہوتے تھے اور خود بدر کے کاروان میں دو ہزار اونٹ تھے! ابتداء اسلام سے بعض کاروبار بڑے اعلیٰ پیمانہ پر شروع ہو گئے تھے۔ خصوصاً حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بڑی بڑے جہازی کارخانے قائم ہوئے تھے۔ اس معاملہ میں میں برسی جارڈوں اور ڈاکٹر برگیس کا ہمنوا ہوں جو انگلستان میں مختلف کاروبار کے واقعات لکھنے کے بعد قلم طراز ہیں کہ:۔

THESE EXAMPLES REFUTE THE INDIA, FORMERLY WIDELY HELD, THAT THE LARGE FACTORY BUSINESS WAS UNKNOUN BEFORE THE INDUSTRIAL REVOLUTION. (یہ مثالیں عام طور پھیلے ہوئے

---

[۱] النجوم الزاہرہ ابو المحاسن صد ۳۲

اس قدیم خیال کی تردید کرتی ہیں کہ بڑے پیمانہ پر کارخانے کے کاروبار صنعتی انقلاب سے پہلے ناپید تھے۔[1]

جاہلیت میں مزدوروں کی حالت نہایت خستہ تھی اور ان میں بالکل قلیل اجرت ملتی تھی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچپن میں اجرت پر بکریاں چرائیں اور آپ کو نہایت قلیل معاوضہ یعنی فی بکری ڈیڑھ ایک قیراط ملتے تھے۔

آجر اور مزدور کا تعلق قبل از اسلام:- ماسوا اس کے آجر کا تعلق مزدور کے ساتھ نہایت سنگدلانہ تھا۔ اس کے ثبوت میں، میں نے "عرب کے قدیم معاشی نظام" میں تفصیل سے بتایا ہے کہ کس طرح ایک قریشی آجر نے ایک معمولی وجہ کی بناء پر ایک ہاشمی مزدور کو ایک ڈنڈے سے ضرب شدید پہنچائی جس سے غریب مزدور کی موت واقع ہوئی اور بعد میں آجر کا قبیلہ کہ اکری الدم

مزدور کو کتنی اجرت ملنی چاہیئے:- معاشرہ پر مزدوروں کی اجرت کا اثر بڑا ہوتا ہے۔ مزدور کو اجرت کم ملے تو نہ صرف مزدور اور اس کے خاندان کا معیار زندگی پست ہوگا بلکہ بحیثیت مجموعی اس کا اثر پوری قوم و ملت پر ہوگا۔ کیونکہ ہر ملک میں محنت کرنے والے طبقہ ہی کی اکثریت ہوتی ہے۔ خواہ وہ دماغی کام کرنے والے ملازمین ہوں خواہ جسمانی محنت کرنے والے مزدور، مزدور کو کتنی اجرت ملنی چاہیئے؟ یا بالفاظ دیگر اجرت کا تعین کیونکر ہونا ہے؟ تو اس سے متعلق معاشیین میں اختلاف رائے ہے۔ اور ابھی وہ کسی متعلقہ نتیجہ تک نہیں پہونچے ہیں۔

اس بارے میں اسلام نے جو حکم دیا ہے اس کو ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

هُم اِخوانُکم جعلهم الله تحت — وہ تمہارے بھائی ہیں ان کو خدا نے تمہارے ماتحت

---

[1] MILTON BRIGGS AND PERCY FORDAN'S ECONOMIC HISTORY ENGLAND. CHAPT IX PAGE 123. THIRD EDITION. 1934.

[2] میرا مقالہ "اسلام کے معاشی اصول"

اِخْوَانُکُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللّٰہُ اَخَاہُ تَحْتَ یَدَیْہِ فَلْیُطْعِمْہُ مِمَّا یَاْکُلُ وَلْیُلْبِسْہُ مِمَّا یَلْبَسُ وَلَا یُکَلِّفْہُ مِنَ الْعَمَلِ مَا یَغْلِبُہٗ فَاِنْ کَلَّفَہٗ مَا یَغْلِبُہٗ فَلْیُعِنْہُ عَلَیْہِ

کیا ہے پس جس کے ماتحت خدا نے اس کے بھائی کو کیا ہو تو چاہئے جو خود کھائے وہی اس کو بھی کھلائے جو خود پہنے وہی اس کو بھی پہنائے اور جو کام اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کی اسے تکلیف نہ دے اگر جیسے بھی دے تو اس کی مدد بھی کرے۔

مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی (صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ) نے مجھ سے اس حدیث کی جو تشریح فرمائی وہ یہ ہے کہ

(۱) مزدور اور مزدوری پر جو لوگوں سے کام لیتے ہیں۔ آنحضرت صلعم کا منشا یہ ہے کہ وہ ان کو اپنا بھائی خیال کریں اور دونوں میں تعلقات کی نوعیت ایسی ہو جیسے کہ بھائی بھائی میں ہوتی ہے۔

(۲) کم از کم کھانے پینے پہننے کی حد تک دونوں کی معاشی سطح برابر ہو کہ جو خود کھائے وہ مزدور کو کھلائے اور جو خود پہنے وہ مزدور کو پہنائے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اجرت کے معاملہ میں اسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے۔ یعنی کم از کم اتنی اجرت تو بہر حال ہر مزدور کو ملنی چاہئے کہ کھانے اور پہننے کی حد تک وہ اپنے آجر کے برابر ہو جائے۔

(۳) وقت اور کام دونوں کے حساب سے مزدور پر اتنا بوجھ نہ لادا جائے جو ان کو مغلوب کر کے تھکا دے۔ ولا یکلفہ من العمل ما یغلبہ (اور جو کام اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کی اسے تکلیف نہ دے) ایسا فقرہ ہے جس سے موجودہ زمانہ میں وقت اور کام کی نوعیت کے مسئلہ کو طے کیا جا سکتا ہے۔

(۴) اگر کوئی کام ایسا پیش آجائے جس کی انجام دہی میں مزدوروں کو دشواری پیش

---

۵ بخاری کتاب الایمان۔ نیز بخاری کتاب الادب۔ ۲۵ نیز بخاری کتاب العتق۔ بخاری کے علاوہ مسلم، داؤد اور ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔

آرہی ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کام کو نہ کرایا جائے اور نہ یہ مطلب ہے کہ خواہ مزدور پر کچھ ہی گذر جائے لیکن بہر حال اس سے وہ کام لیا جائے بلکہ ایسی صورت میں یہ کرنا چاہیئے کہ مزدوروں کی مزدوری کی اعانت مزید قوت سے کی جائے فلیعنه (اس کی مدد کرے) کا یہ مطلب نہیں کہ خود اس کام میں لگ جائے بلکہ یہ بھی ہے کہ بہر حال مزید قوت سے مزدور کی اعانت کی جائے ہر شخص کو روزانہ کس مقدار میں کام کرنا چاہیئے اور کتنے گھنٹے کام کرنا چاہیئے؟ تو اس سے متعلق یہ کلیہ قاعدہ ہے کہ "رسول خدا صلعم سے یہ سوال کیا گیا کہ خدا کو کونسا عمل پسند ہے؟ فرمایا دوامی عمل اگرچہ قلیل ہو اور فرمایا جس قدر تم کام بآسانی کر سکو اتنے کا التزام کر لیا کرو[۱۵]۔

معاشین یہ بیان کرتے ہیں اور عام مشاہدہ بھی ہے کہ کسی ملک میں اس کے کسی حصہ میں مزدوروں کی تعداد کی کاروبار کی مقدار میں کثرت ہو تو اجرتیں گر جاتی ہیں۔ قرآن مجید نے اس کا تو ایک حل یہ پیش کیا ہے کہ مزدوروں کی ملک میں آزادانہ نقل و حمل ہو اور اس میں کچھ رکاوٹ نہ ہو یعنی توطن خارجی کے ذریعہ اجرتوں کے معیار کو گرنے سے روکا گیا ہے اور مزدور کو اس بات کا پورا پورا حق دیا ہے کہ اس کو جہاں اجرت زیادہ ملے وہ وہاں چلا جائے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً۔	جو کوئی خدا کی راہ میں ہجرت کرتا ہے تو روئے زمین پر مرفع الحال اور کشادگی پاتا ہے۔
قرآن پ۵۔ النساء۱۴ ع۱۴	

اس کی تفصیل تو ہم پیدائش دولت کے باب میں کر چکے ہیں۔

اگر ایک طرف ترکِ توطن کے ذریعہ اجرت کے معیار کو گرنے سے روکا گیا ہے تو دوسری طرف خود حکومت بے روزگار مزدوروں اور غریب طبقہ کے روزگار کی زکاۃ کے ادارہ کے ذریعہ

۱۵۔ بخاری کتاب الرقاق پ۲۶ نمبر ۱۴۳۸۔

ذمہ داری لیتی ہے۔ مزدوروں کی مرفہ الحالی کے لئے سر ولیم بیورج نے حال ہی میں جو تجاویز پیش کی ہیں ان کا ملک میں بہت چرچا ہے اور سے ایک بہت بڑا انقلاب سمجھا جا رہا ہے۔ گذشتہ جنگ عظیم کے بعد انگلستان ہی پہلا ملک تھا جس نے مزدوروں کی بیمہ کی تجویز منظور کی تھی اور جس کی رو سے بیکاری کے چند مہینوں میں مزدوروں کو حکومت کی جانب سے کچھ مالی امداد دی جاتی تھی۔ جو انگلستان میں (DOLE) (سرکاری امداد جو بے روزگاروں کو ملتی ہے) کے نام سے مشہور ہے دوسرے الفاظ میں گذشتہ جنگِ عظیم سے پہلے بیکار مزدوروں کے لئے ان کی روزی مہیا کرنے کا حکومت کی جانب سے کوئی انتظام نہ تھا۔ وہ بیورج اسکیم جس کا آج کل اس قدر چرچا سُنا جا رہا ہے آج سے ۱۳۶۰ سال پہلے اسلامی نظام میں عملی طور پر رائج تھی حضرت عمرؓ نے تو باقاعدہ تجربات کئے تھے کہ ہر شخص کس قدر کھا سکتا ہے اور اس کے مطابق روزینے مقرر کئے تھے اس کی تفصیل ہم آئندہ کریں گے" الغرض اسلامی نظام غریبوں کے لئے وافر روزی بہم پہنچانے کی ذمہ داری لیتا ہے اسلامی تعلیمات کے مطابق ہر جاندار کی روزی کا مدار خدائے رازق پر ہے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ - پ۱۵ بنی اسرائیل ۱۷ ع ۴	اپنے بچوں کو مفلسی سے ڈر کر قتل نہ کرو ہم ان کو اور تم کو روزی دیتے ہیں۔

نیز یہ کہ

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا - قرآن پ	ان کو دنیاوی زندگی میں ہم نے ان کی روزی تقسیم کی۔

چنانچہ اسلامی معاشیات میں حکومت خداوند تعالیٰ کی جانب سے ادارۂ زکوٰۃ یا نموئی محصول (Growth Tax.) کے ذریعہ اس ذمہ داری سے

عہدہ برآ ہوتی ہے [1]

اسلامی معاشرہ میں زکات کا کیا مصرف ہے اور اس کا کیا منشا ہے تو اس سے متعلق ہم سرکاری آمدنی اور اس کے مصارف میں تفصیل سے بیان کریں گے۔ البتہ یہاں صرف اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ زکاۃ مالداروں سے لی جاتی ہے اور ناداروں کو دی جاتی ہے
توخذ من اغنیائھم و ترد فی فقرائھم [2] مالداروں سے لی جائیگی اور ناداروں کو دی جائیگی

الغرض یہ ادارۂ زکاۃ، آجروں کی قوت مقابلہ کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ یہ ان کے لئے غیر منفعت بخش ہوگا کہ کارخانے بند کر کے مزدوروں کو شکست دیں لازمی طور پر حکومت ان پر ٹیکس عائد کرے گی اگر وہ کارخانے بند کر کے مزدوروں کو شکست دینے کی کوشش کریں۔ کیونکہ معلوم کہ جائداد پر ٹیکس عائد ہوتا ہے اور اس طرح ان کی جائداد پر بھی ٹیکس عائد ہوگا اور وہ منقسم ہوتی جائے گی۔ اس لئے عملاً وہ مزدوروں کو اتنی اجرت دے دیں گے جتنی کہ انھوں نے پیدائش دولت میں مدد دی ہے۔ [3]

اسی طرح اسلام میں پیشہ کی آزادی ہے کہ اگر کسی پیشہ میں ضرورت سے زیادہ لوگ ہوں تو اس پیشہ کو چھوڑ کر دوسرا پیشہ اختیار کرنے کی کامل آزادی رکھتے ہیں۔

اجرت کے معیار کو بلند کرنے کے لئے اعلیٰ کارکردگی کا ہونا لازمی ہے۔ اسلام نے معیار کارکردگی بڑھانے کے لئے جو تعلیم دی ہے اس کو ہم پیدائش دولت کے باب میں بیان کر چکے ہیں

---

[1] M. HAMIDULLAH'S. ISLAM. SOLUTION. OF THE. BASIC. ECONOMIC. PROBLAMS. ISLAMIC. CULTURE. APRIL. 1936. VOL. X.

[2] بخاری کتاب الزکات

[3] M. HAMIDULLA'S. ISLAM. SOLUTION. OF THE. BASIC. ECONOMIC. PROBLAMS. ISLAMIC. CULTURE. APRIL. 1936. VOL. X

غرض ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا غریب مفلس اور مزدور طبقہ جس کو آنحضرت صلعم کے ابتدائی زمانہ میں کھانے کے لئے کھانا۔ پہننے کے لئے کپڑا اور رہنے کے لئے مکان میسر نہ تھا۔ آنحضرت صلعم کے آخری دور اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں معیار زندگی بڑھتے بڑھتے دولتمندوں جیسا ہوگیا تھا چنانچہ حضرت ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ رسول خداؐ جب صدقہ کا حکم دیتے تھے تو کوئی شخص ہم میں سے بازار جاتا اور بوجھ اٹھاتا اور اسے ایک مد غلہ وغیرہ (مزدوری میں) مل جاتا (اور اسی سے وہ صدقہ دیتا) اور آج ان میں سے بعض آدمیوں کے پاس ایک لاکھ درہم موجود ہیں۔ شقیق (جو کہ راوی حدیث ہیں) کہتے ہیں کہ میں خیال کرتا ہوں کہ ابو مسعودؓ نے یہ اپنا ہی حال بیان کیا۔“ ۵ اس قسم کے واقعات سے حدیثیں اور اسلامی تاریخیں بھری ہیں۔ یقیناً یہ مزدور طبقہ کے لئے ایک عہد زرین تھا۔

آجر کس قدر کم از کم اجرت دینا پسند کرے گا۔ تو اس سلسلہ میں ہم حجاج بن یوسف المتوفی ۹۵ھ کے دور کا ایک واقعہ لکھتے ہیں۔

”الانبار کے دہقانوں نے سعد بن ابی وقاصؓ (فاتح ایران و عراق) سے درخواست کی کہ وہ ان کے لئے نہر کھدوا دیں اور یہی درخواست انھوں نے عظیم الفرس (کسریٰ شاہ ایران) سے کی تھی سعدؓ نے سعد بن عمر بن حزام کو نہر کھدوانے کا حکم دیا۔ چنانچہ انھوں نے اس کام کے لئے لوگوں کو جمع کیا۔ کھدوائی کا کام شروع ہوا حتیٰ کہ وہ ایک پہاڑ تک پہنچے جسے شق کرنا ان کے امکان میں نہ تھا اس لئے کام بند کر دیا گیا۔

پھر جب حجاج بن یوسف عراق کا والی (گورنر) ہوا تو اس نے ہر طرف سے لوگوں کو جمع کیا اور اپنے منتظمین تعمیرات سے کہا کہ کھودنے والوں میں سے ہر شخص جتنا کھاتا ہے اس کی قیمت کا

---

۵ بخاری کتاب السلم پ ۹ نمبر ۲۰۸۵

اندازہ کرو۔ اگر اس کی خوراک اس کے روزانہ کے کام کے برابر ہو تو کام جاری رکھا جائے سعد اس کام پر مال خرچ کرتا رہا حتیٰ کہ نہر کھد گئی [۵]

اسلام میں آجر و مزدور کے تعلقات:۔ اس سلسلہ میں آجر اور مزدور کے درمیان جو تعلقات ہونے چاہئیں۔ اس کا تذکرہ بھی ضرور معلوم ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے دو پیغمبروں کی زندگیاں بطور نمونہ کے ایک کو آجر اور دوسرے کو مزدور کی شکل میں پیش کیا ہے جس میں مزدور کی صفات "القوی الامین" (طاقتور اور امانت دار) اور آجر کے صفات

وَمَا اُرِیْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَیْکَ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصَّالِحِیْنَ قرآن پ۲۰ القصص ۲۸	میں تم پر سختی کرنا نہیں چاہتا۔ بخدا تم مجھ کو نیکوکار پاؤ گے۔

بیان کئے گئے ہیں۔

تو گویا اسلامی مملکت کے حدود کے اندر یا اسلامی معاشرہ میں آجر اور مزدور کے جو تعلقات ہونے چاہئیں یہ ان کا نچوڑ ہے۔ کہ آجر کا برتاؤ مزدور کے ساتھ بالکل ہمدردانہ ہو۔ اسلام نے آجر اور مزدور کو مساوات کا درس دیا ہے کہ

اَلْمُسْلِمُ اَخُ الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ۔	مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے اس پر ظلم نہ کرے

بخاری کتاب المظالم والقصاص نیز مسلم کتاب البر

المختصر اس بارے میں اسلامی تعلیم کا لب لباب یہ ہے کہ رسول اکرم صلعم نے تاکید فرمائی کہ

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔	تم میں سے کوئی ایماندار نہ ہوگا جبتک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی چاہے
بخاری کتاب الایمان پ۱ نمبر ۱۲	جو اپنے لئے چاہتا ہے۔

---

[۵] ۔ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۲۷۴ جلولا کی جنگ۔

بیورج اسکیم
اور
معاشی کفالت کا اسلامی نظام

غلام دستگیر رشید ایم۔ اے
پروفیسر تاریخ اسلام و فارسی
نظام کالج

بیورج اسکیم اور معاشی کفالت کا اسلامی نظام

انسانوں کی کسی بستی میں چلئے۔ وہاں اگر ایک طرف ایسے لوگ دکھائی دیتے ہیں جو خوشحالی اور عیش و آرام سے گزارتے ہیں۔ غم روزگار سے آزاد ہیں تو دوسری طرف ایسے معذور ہیں بیکس یتیم ہیں، دائم المریض ہیں جو کھانے کپڑے کو ترستے ہیں۔ ایسے تنگدست بھی ہیں جنکی آمدنی ان کے اور ان کے بال بچوں کی بنیادی ضروریات کیلئے بھی کافی نہیں ہوتی۔ ان کے ساتھ ایک گروہ ایسا بھی ہے کہ کام کرنے کو اور پسینہ بہانے کو تیار ہے لیکن اہل سرمایہ میں انکی محنت کا کوئی خریدار نہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان بے گھروں کو گھر بھوکوں کو کھانا ننگوں کو کپڑا بیماروں کو دوا اور بیروزگاروں کو روزگار کون مہیا کرے۔؟ خالص سرمایہ پرستی کی ذہنیت کو تو اس سوال کے حل سے کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی۔ ہاں چونکہ مذہب و اخلاق کا اثر کچھ نہ کچھ ابھی چلتا ہے، اسلئے سرمایہ دار تمدن کے نظام میں بھی بعض بعض بڑے سخی لوگ ہیں جو شخصی طور پر اس معاملہ میں درماندوں کا کچھ نہ کچھ ہاتھ بٹاتے رہتے ہیں اگرچہ دوسری طرف لوٹتے بھی رہتے ہیں ؎

معشوق ما بہ مشرب ہر کس برابر است با ما شراب خورد و بہ زاہد نماز کرد

سرمایہ داری اس کا باعث نہیں بلکہ حیرت یہ ہے کہ سرمایہ داری کے باوجود زیر اخلاقی کوئی نہ کوئی راستہ پیدا کر لیتے ہیں۔ انسانی جسد کے ان بے بس اور محروم اعضا کی انفرادی بنیادی ضروریات کی ضمانت اور معاشی احتیاجات کی کفالت لینا قوم اور حکومت کا

فرض ہے یا نہیں ؟ یہی اصل زیر بحث مسئلہ ہے

ریاست اور سیاست کی تاریخ کے ورق الٹئے جائیے۔ معلوم ہو جائیگا کہ اس سوال کا تشفی بخش جواب پانا "جوئے شیر" لانے سے کم نہیں ہیں۔ تشفی بخش کا لفظ خاص طور پر ادا کیا گیا ہے۔ کسی وقت ایسے چند آدمیوں کو حکومت کے کسی خیراتی مد سے کچھ دیا جانا یا کسی خاص حاکم کا کمال سخاوت کا ثبوت دینا اس مسئلہ کا تشفی بخش حل نہیں ہے

اگرچہ رفاہ عام کے امور یعنی "پبلک ورکس" کے مفہوم میں روز بروز ترقی اور وسعت ہو رہی ہے لیکن کسی سلطنت میں یہ مفہوم اس درجہ پر نہیں پہونچا ہے کہ رفاہ عام یا عام مشترک ضروریات مثلاً (تعلیمات، تعمیرات وغیرہ) کے علاوہ جس سے امیر اور غریب یکساں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انفرادی احتیاجات اور مشکلات کا حل بھی حکومت کے مستقل فرائض میں داخل ہو جائے۔ اس عہد میں تحدید کا طیف خاص روس شوشلزم کے باعث اس سے مستثنا ہے۔ روس کے معاشی انقلاب نے اقبال کے الفاظ میں ہر رنگ عام پر تیز نشتر کا کام کیا ہے ؎

تیز نیشے بر رگ عالم زد است

موجودہ جنگ میں روس اور برطانیہ کا اتحاد شاید ایک "خاص خیر" ہے جو جنگ و جدل کے شر پیدا ہوا ہے ع عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما در آں باشد۔ معاشی اصلاحات اور مساوات کی تحریک یوں بھی زمانہ کا تقاضا ہے۔ لیکن اس مسئلہ کو اس اتحاد سے بھی کافی قوت پہونچی ہے کہ حکومت کو معاش وغیرہ کے انفرادی احتیاجات کی تکمیل پر بھی ذمہ دارانہ توجہ کرنی ضروری ہے۔ برطانیہ نے اس باب میں سبقت کی ہے برطانوی حکومت کے ایما پر عملی معاشیات کے ایک ممتاز ماہر سر ولیم بورج نے ایک

اسکیم بنائی ہے، جو بیورج اسکیم کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اسے بین الاقوامی اہمیت کی اسکیم قرار دیا گیا ہے۔ امریکہ میں بھی اس نوع کی اسکیم زیر غور ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انگلستان کی قومی زندگی میں ایک قلیل ترین معاشی معیار قائم کیا جائیگا۔ کسی باشندہ کو اس معیار سے گرنے نہیں دیا جائیگا۔ شدید ترین نا واجبی معاشی مدارج میں بہتر توازن پیدا کیا جائیگا۔ خانگی جائداد کی قوت میں کچھ تحدید عمل میں آئیگی اور مفادات حاصلہ کی کچھ قوت گھٹ جائیگی۔

جو اس معیار سے گرتے ہوئے ان کو احتیاج سے آزادی بخشی جائیگی۔ مزدوروں کے جز... بیمہ کو ختم کیا جائیگا۔ قومی بیمہ کا ایک مرکزی سرکاری نظام قائم ہوگا جو اس معیار کے لحاظ سے معذور، محتاج اور محروم ہوں گے، ان کے بنیادی احتیاجات کی تکمیل کی ذمہ داری حکومت لیگی۔ اسی کو معاشی کفالت یا سماجی تحفظ کہتے ہیں

جن طبقات کو مستحق قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

بیمار۔ حوادث کے شکار۔ بیوہ، ناکارہ۔ بوڑھے، بچے

اس اسکیم کو ایک وسیع بیمہ کے نظام پر چلایا جائے گا۔ حکومت اگر اسکی ذمہ داری لے تو اس کے خرچ کا اندازہ چھیاسی کروڑ پونڈ کیا گیا ہے (ٹائمز آف انڈیا ۸ مارچ ۱۹۴۳ء)

ان اخراجات کی پابجائے تین ابواب سے کیجائیگی۔

(۱) ایک خزانہ عامرہ کی امداد۔ (۲) کارکنوں کی آمدنی سے بیمہ فنڈ کی وصولی۔

(۳) کارخانہ داروں پر محصول۔

یہ امداد یہ محتاج کا بطور حق لینگے نہ کہ بطور خیرات جیسے قرآن نے کہا کہ صاحب نصاب سرمایہ داروں کے اموال میں سائل و محروم کا مقررہ حق ہے۔ فی اموالھم حق ھالم

سر ولیم بیورج اپریل تحقیقاتی کمیٹی کے معیار کو سامنے رکھکر بیان کرتے ہیں کہ تقسیم دولت کے بہتر نظام کی یہ اہمیت ہے کہ اگر بالفرض بڑے بڑے لاکھ ، بڑا نوی سرمایہ داروں کو علیحدہ بھی رکھا جانا اور دوسروں ہی کی دولت میں کوئی منصفانہ تقسیم کا اصول ملحوظ ہوتا تو ابھی معاشی پستی اور معاشی نظام کی موجودہ صورت بہت کچھ بدل جاتی۔

اس مسئلہ کا اسلامی حل

آغاز اسلام میں "رفاہ عامہ" کا وسیع ترین مفہوم - اب اسلامی تاریخ کے بنیادی عہد میں داخل ہو جائیے ۔ یہاں صاف نظر آتا ہے کہ ۔

اسلامی حکومت اور اسلامی نظام میں "رفاہ عامہ" کا مفہوم نہایت ہمہ گیر اور وسیع ہے اس میں ہر قسم کے محتاج، معذور اور مجرم افراد کی معاشی کفالت بھی شامل ہے اور یہ مفہوم اور تصور اسلامی فتح و اقتدار کے ابتدا ہی سے پیدا ہو گیا تھا جو بڑی بڑی متمدن حکومتوں میں انتہائی مدارج میں مجبوراً پیدا ہو رہا ہے ۔

معاشی کفالت اسلامی فتح کا اولین موقع - اسلامی فتح اور اقتدار اولین اسلامی **خزانہ کی اولین آمدنی** دن فتح بدر ہے ۔ یہ فتح تاریخ انسانی میں بہترین سعادتوں کا فتح یاب ہے ۔ اور اسلامی حکومت اور خزانہ کی اولین آمدنی "غنیمت بدر ہے" یعنی کفار کے بھاگے ہوئے سپاہیوں کا وہ سامان جو فاتح مسلمانوں کے ہاتھ لگا

غنیمت بدر میں معاشی کفالت - غنیمت بدر کی تقسیم کے احکام قرآن مجید کے **حصہ کی تعیین** - میں ملاحظہ فرمائیے ۔ پہلے اعلان کیا گیا کہ یہ مال اللہ کی ملکیت اور رسول کی امانت سمجھا جائیگا ۔ اس کی تشریح میں یہ حکم صادر ہوا

واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ اسکو جان لو کہ تم نے جو کچھ غنیمت حاصل کیا
وللرسول ولذی القربی والیتامی ہے تو اللہ اور رسول، اور قرابتداروں
والمساکین وابن السبیل ۔ یتیموں مسکینوں اور مسافروں کیلئے اس میں

پانچواں حصہ ہے ۔

اسلام نے اپنے خاص نظام سے معیار زندگی کو ترقی پذیر بنا دیا تھا اور مواصلات کو راہ سے ہٹا دیا تھا لیکن اسکی بھی مثال ملتی ہے کہ ضرورت کے وقت ایک کم از کم معیار مقرر کر دیا گیا جیسے حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ تیس آدمیوں کو بٹھا کر کھانا کھلایا۔ پھر شام کو بھی یہی تجربہ ہوا پھر عوام کے ہر مرد، عورت اور لونڈی کا روزینہ اس اندازے سے مقرر کیا گیا ۔

(احکام السلطانیہ باب صفحہ ۲۲۱ از امام ماوردیؒ)

اس معاملہ کی اہمیت کس قدر بڑھ جاتی ہے جب ہم اس پر غور کرتے ہیں۔ اسلام اس وقت بڑے نازک دور سے گذر رہا تھا۔ ہر طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں گھرا ہوا تھا۔ اندرونی مخالفت تھی، یہودیوں کی سازش تھی اس عہد کی سب سے بڑی سیاسی اور فوجی قوت ایران اور روم کا مقابلہ تھا اسلام کی تبلیغ اور مسلمانوں کی فوجی تنظیم کی شدید ضرورت سامنے تھیں جس ذمہ داری کو خوشحالی اور کامرانی کے عالم میں حکومتیں برداشت کرنے میں ہچکچاتی رہی ہیں ۔ اسلام نے اس ذمہ داری کو ان نازک حالات میں اٹھالیا۔ کیوں ؟ صرف اس لیے کہ اس کی نظر میں محتاجوں، غریبوں، معذوروں اور محروموں کا مسئلہ نہایت اہم اور بنیادی مسئلہ ہے۔ ایک قابل غور نکتہ یہ بھی ہے کہ یہ دولت مجاہدین کو اپنی جان جوکھوں میں ڈالنے کے بعد حاصل ہوئی تھی ۔ اس سے زیادہ مشکلات اور خطرات کی کمائی نہیں ہو سکتی لیکن ان کی ایسی مکتسب آمدنی میں بھی غریبوں کا حصہ لگایا گیا۔ جب نازک دور میں اس ذمہ داری کا

خیال رکھا گیا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ فارغ البالی کا دائرہ وسیع تر ہونے پر اس سے غفلت برتی جاتی۔ ایران، بازنطین اور مصر کی فرعون بنا دینے والی آمدنی کے بعد بھی خلافت اسلامی نے "سرمایہ پرست" ہونے کی بجائے "خدامت" ہونے کا ثبوت دیا اور اس وقت بھی غریبی کے بیمہ کے اس اصول کو فراموش نہیں کیا۔ زکوٰۃ کی صورت میں اس کو نافذ کیا۔

اسلامی اخوت کی لازمی شرط۔ اسلامی سوسائٹی کے نظام میں اپنے بے سہارا بھائیوں کی جبری اور رضاکارانہ امداد، اسلامی اخوت کی ایک لازمی شرط ہے اس کا کم از کم معیار زکوٰۃ کی ادائی ہے۔

فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ	اگر وہ توبہ کریں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ
واتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین۔	دیں تو پھر دین میں تمھارے بھائی ہیں۔

سوشل سکیورٹی کے حق کا انکار۔ اسلام میں محروم اور مساکین کی معاشی کفالت، اس قدر بڑا اور اہم حق ہے کہ اگر ایک مسلمان اسلام کے سارے ارکان اور ایمان کے سارے صفات اور شرائط پر ایمان رکھے لیکن اگر زکوٰۃ کی فرضیت کا منکر ہو تو وہ اصول اسلام کے مطابق دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائیگا۔ اس کے اعمال حبط سمجھے جائیں گے

مذہب، حکومت اور سوسائٹی کا باغی۔ اسلامی حکومت کے نزدیک منکر زکوٰۃ دراصل اسلامی سوسائٹی کی بنیاد اور اسلامی حکومت کے اقتدار کے مقاصد کا منکر ہے اس لئے منکرین زکوٰۃ کے ساتھ حضرت صدیق اکبرؓ نے مرتدین اور کفار کی طرح جہاد و قتال فرمایا۔ صحابہ میں بعضوں کا عقیدہ تھا۔

ما مانع الزکواۃ بمسلم (ضمن لمر) زکواۃ نہ ادا کرنے والا مسلمان ہی نہیں ہے

یبودھا خلاصلاۃ لہٗ جو زکواۃ ادا نہیں کرتا اسکی نماز بھی نہیں ہوتی

(الخراج لابی یوسف ۲۵)

معاشی کفالت حکومت کا فرض اور مقصد ہے ۔ سرہیورج غریبوں اور مزدوری کے بیمہ کی بابت صرف خانگی یا جزئی بیمہ کے قائل نہیں ہیں ۔
بلکہ وہ ایک کلی اور مرکزی حکومتی نظام کے حامی ہیں۔ اسلام خانگی کوششوں کی اخلاقی اور نفسیاتی اہمیت کو نظرانداز نہیں کرتا۔ لیکن ساتھ ساتھ ایک ہمہ گیر نظام پر زور دیتا ہے اور معاشی کفالت کو حکومت کا مقصد اور فرض قرار دیتا ہے

الذین ان مکنٰھم فی الارض یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر زمین میں ان کو غلبہ حاصل ہو تو
اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ یہ نماز یعنی بندگیٔ حق کا نظام قائم کرتے ہیں اور زکواۃ یعنی معاشی کفالت کا طریق

قرآن میں ہے کہ نماز اور زکواۃ بھی دین حق کے نظام کی دو بنیادی نشان ہیں جس کے پیچھے توحید و اخلاص کی روح کار فرما ہو۔ اسکو دین قیم کہتے ہیں ۔

معاشی کفالت کیلئے آمدنی کے ابواب ۔ اس قدر بڑی ذمہ داری کوئی حکومت اپنے سر لے تو اس کو اس کی تکمیل کیلئے آمدنی کا انتظام کرنا پڑتا ہے خراج اور جزیہ کی آمدنی کا بڑا حصہ فوجی اور سول نظم و نسق کے اخراجات اور رفاہ عامہ کے مشترک امور کیلئے مخصوص تھا۔ اس میں بھی جب بچت ہو جاتی تو اسے مسلمانوں میں حالات اور ضروریات کے لحاظ سے تقسیم کر دیا جاتا۔ نظم و نسق کے اخراجات میں نہایت کفایت برتی جاتی ۔ اس پہلو سے معاشی لوٹ اور عیش پرستی کے دروازے نہ کھلنے پائے۔

(دیکھو تفصیل کیلئے اسلامی معاشیات، حکومت کی آمدنی، اور اس کے مصارف و اغراض
از مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔ صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ، مجموعہ تحقیقات علمیہ جلد ہشتم)
(ادارہ اشاعت اردو کی جانب سے مولانا کی مستقل کتاب اسلامی معاشیات زیر طبع ہے)

معاشی مساوات کا انتہائی نقطہ عہد صدیقیؓ تک دولت سب پر مساوی تقسیم

تقسیم دولت بلحاظ احتیاج کیجاتی تھی حالانکہ محنت ہر ایک اپنے اپنے حال
اور کمال کے لائق کرتا۔ بقول صدیق اکبرؓ

فھذا معاش فالاسوۃ فیہ یہ تو دنیوی زندگی گزارنے کا ذریعہ ہے اس
خیر من الاثرۃ میں برابر برابر تقسیم اس سے بہتر ہے کہ کسی کو کسی پر ترجیح دیجائے
حضرت عمرؓ نے حالات کے اقتضاء سے بیت المال سے اجرت کو محنت کے
معیار سے تقسیم فرمانے کا نظم فرمایا۔ بہرحال سوسائٹی کے معیار اور حالات سے دولت
طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں۔ مساوی تقسیم بہتر ہے۔ لازمی نہیں ایثار پسندوں کیلئے زیبا ہے

خراج میں ہر ایک کا حق مال غنیمت کے علاوہ دوسرا ذریعہ خراج تھا۔ یہ
دولت سارے مسلمانوں میں تقسیم ہوتی ہے اس میں امیر و خوشحال لوگوں کی طرح غریب بھی شامل ہیں
(نوٹ عہد صدیقی تک اسی آمدنی کو مساوی تقسیم کیا جاتا تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے)
پھر حضرت عمر نے اپنے عہد میں اسکی تقسیم بلحاظ خدمات و حقوق فرما دی۔ آمدنی کے
ساتھ ساتھ عطایا کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ہر لڑکے کا وظیفہ
پیدا ہوتے ہی اسٹیٹ کی طرف سے مقرر ہو جاتا۔ درجہ کچھ ہو مگر حقدار ہر فرد تھا۔
سلطنت کا ہر آدمی، ہر قریب و بعید دور افتادہ ہر مسکین کسان اور چرواہے
کا اس میں حق سمجھا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ کثیر خراج آنے پر

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

ان کنت صادقاً لیوتین للراعی اگر تم سچے ہو تو اس چرواہے کو بھی اس مال نصیبہ من ھذہ المال وھو بالیمن سے حصہ پہونچایا جائیگا جو یمن میں ہوگا۔ ودمہ فی وجھا۔ اور اس کا پسینہ بھی اس کے چہرہ ہی پر ہو۔

اصول کلیہ یہ تھا۔ بقول عمرؓ۔

واللہ الذی لا الہ الا ھو ما احدٌ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ ایسا کوئی نہیں ہے جس کا الا الہ فی ھذہ المال حق اس آمدنی میں حق نہ ہو۔ (الخراج لابی یوسف)

جب مال کی کثرت ہوئی تو پھر عمرؓ نے مساوی تقسیم کا میلان ظاہر فرمایا لیکن افسوس کہ اس کی تکمیل سے پہلے ہی وصال فرماگئے (فی یکو نور فی العطاء سواء کتاب الخراج صفحہ ۲۷) خلیفہ وقت کا حصہ بھی مساوی۔ حتی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اپنے پیروؤں کی طرح اپنے آپ کو اسی مساوی حصہ کا حقدار خیال فرماتے۔

ما انا فیہ الا کاحدکم (الخراج) میں تم میں نہیں ہوں لیکن تم ہی میں کسی ایک جیسا تقسیم دولت میں کبھی خدمات و حقوق کا لحاظ جاری رہا۔ کبھی مساوات اسی طرح کبھی احتیاجات کا اصول بھی جاری تھا۔ اس سے خلیفہ وقت بھی مستثنیٰ نہ تھا۔

قوۃ وقوت عیالہ ولا وکسی ولا شطط صرف انکی خوراک اور انکے بال بچوں کی وکسوتھم وکسوۃ عیالہ للشتاء والصیف خوراک نہ زیادہ نہ کم خلیفہ کا لباس ودابتان الی جھادہ وحوائجہ وصلاتہ انکے بال بچوں کا لباس جاڑے اور گرمی وحجہ وعمرۃ (الاسلام والحضارۃ العربیہ) کیلئے۔ دو سواری کیے جانور جہاد

(دوسری عام ضرورتوں، نمازوں اور حج و عمرہ کیلئے (بس کرتا ہے)

معاشی کفالت کیلئے خزانہ کی مدد ۔ مقصود بیان کا یہ ہے کہ غنیمت کے علاوہ خود خراج کی آمدنی سے رفاہ عام اور حکومت کے فوجی اور سیول اخراجات کے علاوہ عام مسلمانوں کو انفرادی احتیاجات کیلئے بھی رقم ملتی تھی۔

معاشی کفالت کیلئے حکومت اپنے خزانہ عامرہ کے محاصل کی آمدنی سے بھی دے سکتی ہے جیسا کہ یوریج اسکیم میں خرچ کا ⅔ حصہ سرکاری خزانہ سے ادا ہونا قرار پایا ہے اکثر سوشلسٹ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف زکواۃ سے کیا ہوگا۔ وہ پورے نظام کے اثرات کو نظر میں نہیں رکھتے۔

مزید محاصل کی گنجائش مثلاً فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر یہ مقررہ محاصل کافی نہ ہوں تو مسلمانوں کی ضروریات یا عام مصالح کیلئے اسلامی حکومت حسب ضرورت ابد بد زائد ٹیکس اور محاصل بھی عاید کرسکتی ہے جسے اصطلاح میں "النوائب" کے محاصل زائد" کہتے ہیں، مسلمانوں پر ان محاصل کا ادا کرنا واجب ہے۔ (ہدایہ ص ۳۲۲)

یوں بھی اسلام کا نظام معاشی ایک مربوط نظام ہے۔ حرمت سود، زکواۃ وغیرہ اس کے خاص اجزاء ہیں۔ پھر مساعات و ممکنات کا ایک وسیع میدان ہے لیکن یہ سب کچھ حقیقی ضرورت پر ہے نہ کہ اندھی تقلید پر۔

زکواۃ ۔ آمدنی کا تیسرا خاص مد زکواۃ ہے۔ یہ صدقات و خیرات کی ایک لازمی و تنظیمی شکل ہے۔ یہ اسلام کا امتیاز ہے یہ ایک انقلابی قدم تھا۔

ایک امتیازی نقطہ یہ محصول ان باشندوں پر عائد کیا گیا جو صاحب نصاب ہوں یعنی جن کے پاس معمولی اور غیر معمولی ضروریات کی تکمیل کے بعد ایک خاص متعینہ

رقم بچ جائے۔ اصطلاح میں اس کو نصاب کہتے ہیں۔ ہر دولت کا نصاب اسکی نوعیت اور معاشی اثرات کی مناسبت سے علیحدہ علیحدہ مقرر کیا گیا ہے جسکی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے۔

بیورج نے بلا لحاظ مصارف معاشی کفالت کے حاصل کا ⅓ حصہ لوگوں کی آمدنی پر لگا دیا ہے۔ اگر اسلام میں آمدنی پر بھی محصول لگانا جائز ہے لیکن اسلام آمدنی کے ساتھ مصارف کا بھی لحاظ رکھتا ہے۔ اور زکواۃ کا محصول محفوظ سرمایہ و جائداد پر لگایا ہے سوشلزم سے ایک مناسبت۔ یہ مطالبات ہر قسم کی ملوکات اور جائداد و دولت پر عاید نہیں ہوتے۔ صرف اس دولت پر جو بڑھ رہی ہو یا جس میں بڑھنے کی صلاحیت ہو اور فرسودہ ہونیکی صلاحیت صفر کے قریب ہو۔ اس کو اصطلاحاً مال نامی کہتے ہیں۔ جیسے زراعت، تجارت یا سونا چاندی وغیرہ۔ سوشلزم میں بھی جائداد کی اس اعتبار سے دو تقسیمیں کی گئی ہیں۔

ایک کو شخصی جائداد (Personal Property) کہتے ہیں جس کو ہم مال غیر نامی کہتے ہیں۔ وہاں ایسی جائداد کا آدمی مالک ہوتا ہے اور وارث بھی ہوتا ہے۔ البتہ یہ چیزیں مزید پیدایش دولت کا ذریعہ نہیں بنائی جاسکیں یعنی مال نامی نہیں بن سکیں۔ جیسے رہنے کا گھر، پڑھنے کی کتابیں، سواری وغیرہ۔ ایسی جائداد کو اسلام نے بھی زکواۃ کی ذمہ داری سے آزاد رکھا ہے۔

دوسری ایسی جائداد ہے جس سے مزید آمدنی پیدا کیجاتی ہے اسکو سوشلزم کی اصطلاح میں خانگی جائداد Private Property کہتے ہیں۔ اسلام میں اس مال نامی کہا جاتا ہے۔ سوشلزم اس کی اجازت افراد کو نہیں دیتا۔ اسلام

دیتا ہے لیکن غریبوں اور محتاجوں کے حق کے لئے زکوٰۃ کے محصول کی شرط لگا کر اس سے پیدائش دولت بھی کما حقہ ترقی پذیر ہوتی ہے اور تقسیم دولت بھی متوازن رہتی ہے۔

صاحب نصاب پر زکوٰۃ کی شرح میں جائداد دولت کی نوعیت اور اس کی پیدائش کی آسانیوں یا مشکلات کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے

تخصیص عام طور پر یہ محصول مسکینوں اور محتاجوں کے لئے مخصوص ہے خراج کی طرح غریبوں اور امیروں سب کا مشترک حصہ نہیں ہے۔ اس کا خاص مقصد یہ ہے کہ اغنیاء سے لیا جائے اور فقراء کو دیا جائے۔

توخذ من اغنیاءہم و   ان کے اغنیاء سے لیا جائے اور فقیروں کو
ترد علی فقرائہم (بخاری و مسلم)   دیا جائے۔

مقصد کیا ہے تا کہ دولت و ثروت صرف چند امیروں کے حلقہ میں چکر لگاتی نہ رہے۔

لکی لا دولۃ بین الاغنیاء منکم   تا کہ وہ تمہارے تونگروں ہی کے گروہ چکر کھاتی نہ رہے۔

عام صدقات اس کے علاوہ عام صدقات کی آمدنی بھی تھی جنھیں نفل صدقات کہتے ہیں جن کا مسلمانوں کو شوق دلایا گیا ہے جیسے کہ ان محاصل کے علاوہ اور محاصل عائد کرنے کا حق اسلامی حکومت کو حاصل ہے

قابل لحاظ نکتہ ۔ ہرگز زکوٰۃ کا مقصد یہ نہ تھا کہ ہمیشہ سوسائٹی میں ایک طبقہ نادار محتاج ہے اور ایک غنی اوپر کے ہاتھ والا ہو۔ زکوٰۃ یا اس جیسے عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیت المال سے مانگنے والے دینے والے بن جاتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر زور دیا کہ زکوٰۃ دیا کرو۔ اس سے وہ زمانہ آئیگا کہ زکوٰۃ لیکر لوگ

پھر ینگے لیکن لینے والا نہ ملیگا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اس کی بدولت معیار زندگی ایسا بڑھا کہ زکواۃ دینے والا اہل کرم مالِ زکواۃ لیکر سائل کو ڈھونڈتے تھے اور سائل نہ ملتے۔ ایسا معیار بھی پیدا ہوتا ہے کہ حکومت کو اس نظم کے باقی رکھنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔ یعنے غربت و افلاس اس حد تک گھٹ جاتی ہے۔ جیسے کہ عہد عثمانؓ میں ہوا کہ انھوں نے زکواۃ کو اشخاص پر چھوڑ دیا لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیشہ ایسا ہونا ضروری ہو۔

تنظیمی زکواۃ کا ایک رُخ ۔ اگر شخصی طور پر لوگ نہ ملیں تو پھر قرآنی اشارات کی رو سے زکواۃ کی آمدنی تعلیمات اور طبابت کے ایسے شعبوں کیلئے وقف کیجا سکتی ہے جو مسکینوں اور غریبوں کیلئے وقف ہیں۔ جیسے غریب طلباء کے وظائف اور غریب مریضوں کی امداد وغیرہ، غریبوں کے علاج اور طبابت کا مسئلہ تو موجودہ اسکیم کا بھی جزو ہے البتہ تعلیم کا نہیں ہے۔ اسلام سب پر حاوی ہے۔

ایک اہم انقلابی قدم

مذاہب کے مسخ ہونے کے باعث زکواۃ، صدقات و خیرات کے سب سے زیادہ مستحق پیشوایانِ مذہب اور ان کی مقدس اولاد سمجھی جاتی تھی۔ کیتھولک کلیسا کی روایتیں اور برہمن نظام صدقات مثال کے لئے کافی ہیں۔ نظام اسلام کا ایک بڑا انقلاب انگیز قدم یہ ہے کہ رسول اسلام صلی علیہ وسلم نے اپنے اور اپنی اولاد بنی ہاشم کے حق میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صدقہ حرام و ناجائز قرار دیا اور ارشاد ہوا

انا ال محمد لا تحل لنا الصدقۃ — ہم لوگوں کے لئے صدقہ کا مال جائز نہیں

معاشی کفالت کے مستحق طبقات

انما الصدقت للفقراء والمساکین والعاملین علیها والمولفة قلوبهم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله وابن السبیل

(قرآن مجید)

(زکواۃ) یعنے الصدقات کا مصرف اسکے سوا نہیں کہ وہ فقراء اور مساکین کو دیا جائے اور ان لوگوں کو جو تحصیل صدقات میں کام کریں اور جن کے قلوب کی تالیف مقصود ہو، نیز غلاموں کے آزاد کرانے میں اور تاوان زدہ یا مقروض لوگوں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں پر (۵)

ان مستحق طبقات کا نام اصطلاح فقہ میں مصارف زکواۃ ہے ۔

فقراء میں ایسے سارے افراد شامل ہیں جو اتفاقی حالات یا حوادث کا شکار ہو کر معاشی ذرائع سے محروم ہو گئے ہوں اگرچہ صلاحیت رکھتے ہوں ۔ مثلاً بیماری، تجارتی خسران، جنگ و جہاد ۔ اسی لحاظ سے مہاجرین کے ساتھ قرآن میں فقراء کا لفظ استعمال ہوا ہے ۔ یا موجودہ زمانہ میں حقیقی بیروزگار ۔ (مثلاً) مساکین ایسے سارے افراد پر حاوی ہے جن کی صلاحیتیں معاشی جدوجہد کے قابل نہ ہوتی ہوں یا کسی مجبوری سے ان پر عجز و سکون اور تعطل طاری ہو گیا ہو جیسے یتیم وغیرہ ۔

حضرت عمرو بن العاص نے فقراء و مساکین کی تشریح کے سوال پر فرمایا کہ اندھے، لنگڑے، اپاہج اور یتیموں کے علاوہ کام منقطع دینا ہر وہ شخص جو ذرائع معاش سے محروم ہو گیا ہو اس میں شامل ہے ۔ بہرحال اسکیم میں جن طبقات کو معاشی کفالت کا مستحق قرار دیا گیا ہے وہ سب انہی دو اقسام میں آجاتے ہیں یعنے بیکار و ناکارہ

ہونے والے، بیوہ، بوڑھے، ناقابل کار، بے سہارا بچے۔

اسلام کا امتیاز۔ ان کے طبقات کے علاوہ اسلام نے ایسے طبقات کی طرف توجہ کی ہے جن کی طرف انسان کی توجہ منعطف نہ ہوئی تھی۔

محکمۂ معاشی کفالت اگرچہ بیورج نے معاشی کفالت کیلئے ایک مستقل وزارت کی سفارش کی ہے لیکن حکومت کی طرف ابھی اسے منظوری حاصل نہیں ہوئی۔

اسلام نے معاشی کفالت کو نہ صرف حکومت کا فرض قرار دیا بلکہ قرآن ہی میں ایک مستقل محکمہ اور تنظیم کا حکم ملا اور اس کی آمدنی میں اس کے عاملین کا حق بھی شریک کیا گیا

امتیازی پہلو۔ مولفۃ قلوب سے مراد ایسی جماعت ہے جس کو نظام اسلام میں داخل ہونے کے سلسلہ میں مالی مشکلات و مصائب کا سامنا ہوتا ہے۔ ان کی مالی امداد کا منظم طریقہ کار اسلام جیسے اصلاحی اور انقلابی عالمگیر نظام کیلئے ناگزیر ہے اگر مسلمان اس کا لحاظ رکھتے تو اسلام کی ہمہ گیری کا ذریعہ یعنے تبلیغ اس قدر کمزور نہ ہوتا۔ ہر چیز کی اشاعت کا ہر نظام ہر مالی امداد کے مستحق ہیں۔ سوشلزم کی تحریکیں وغیرہ کی مالی امداد وغیرہ پر رشک کرنیوالے مسلمان کیا اس جزو کی طرف توجہ کریں گے؟

پھر اس کے بعد (فی الرقاب) غلام طبقہ آتا ہے۔ جس کی آزادی کا سامان کرنا بھی زکوٰۃ کا ایک خاص مصرف ہے۔ اسلام نے انسانی غلامی کو مٹا کر صرف جنگ کی حد تک اس کے جواز کو محدود رکھا۔ غلام بنانا اسلام میں نہ فرض ہے نہ مستحب جنگی قیدیوں کو فوری طور پر قتل کر دینے سے ان کو غلام بنانا بہتر سمجھا گیا۔ عہد غلامی میں ان کے ساتھ سلوک کا معیار اسلام نے انقلاب کی حد تک بدل دیا۔ خصوصاً معاشی معاملات میں انہیں آزاد و مالک مسلمانوں کے ساتھ ایک سطح پر رکھنے کا حکم دیا گیا۔

ان کی آزادی کو ایک بڑی نیکی اور برائیوں کا کفارہ قرار دیا گیا۔ ان کے آزادی کے انفرادی طریقوں کے علاوہ اجتماعی محصول زکوٰۃ کا بھی ایک اہم باب خرچ قرار دیا گیا۔ آجکل جنگی قیدیوں کی مشکلات کے مسائل بھی اس کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہیں۔

جنگی غلامی کا معاملہ مسلمانوں سے زیادہ حریف قوموں کے طرز عمل پر مبنی ہے۔ باہمی سمجھوتہ سے اگر چاہیں تو اس کی قطعی طور پر اٹھا دیا جا سکتا ہے اور مسلمان پہلے تیار ہوتے ہیں

نحن احق بمکارم اخلاق ہم مکارم اخلاق کیلئے زیادہ امادہ ہیں

باطل قوت سے جنگ آزادی کی تحریکات میں اس مصرف کی کیا صورتیں ہو سکتی ہیں اس کو مدبرین ملت اور تمہارا امت طے کر سکتے ہیں

مقروض۔ ایک اہم طبقہ (والغارمین) مقروض جنکی گردنوں پر قرض کا بوجھ ہے محتاج مقروض دنیا کا وہ گروہ ہے جسے بہت کم ہمدردی کا مستحق فرد یا حکومت کی طرف سے سمجھا گیا ہے

الٹا سلوک۔ اب تک جتنی سامراجی اور سرمایہ دار حکومتیں ہیں ان کا۔ انھوں نے غریب مقروضوں کے ساتھ بالکل الٹا سلوک روا رکھا ہے۔ ان کی حکومت انکی عدالت انکی پولیس اور فوج کو بھی ساتھ اور انکی سوسائٹی اپنے سرمایہ دارانہ نظام وکالت کے ساتھ (جن کا کام حاکموں کی طرف سے کرنا ہے) مظلوم قرضدار کی نہیں بلکہ ظالم سود در سود لوٹنے والے سرمایہ داروں اور ساہوکاروں کی مدد کرتی ہے، سود کی ڈگریوں کی تعمیل کرانی ہے

معاشی تاریخ کا نادر واقعہ۔ معاشی انصاف کی تاریخ کا یہ ایک نادر واقعہ ہے کہ اسلام نے پہلی بار اس مسئلہ کو حکومت کا مسئلہ قرار دیا۔ سب سے پہلے قرض سے سود کو منسوخ کرنیکا اعلان کیا۔ رسول اسلام نے سب سے پہلے اپنے خاندان کے سود معاف فرمائے

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ گزشتہ گناہوں کو جو پہلے سرزد ہو چکے تھے قرآن نے ما قد سلف (جو کچھ پہلے کر لیا) قابل معافی قرار دیا۔ لیکن سود کا معاملہ ایسا نہیں ہوا کہ پہلے سے جو سود وصول طلب ہے، وہ وصول کر لیا جائے۔ آئندہ کیلئے نہ لیا جائے بلکہ جو کچھ سود پہلے باقی تھا یکلخت معاف کر دیا گیا۔ جو اصلی قرض تھا اس کے بوجھ سے بچانے کیلئے اسکو ایک اجتماعی اور حکومتی مسئلہ قرار دیا گیا۔ اور یہ مصارف زکوٰۃ کے ابواب خرچ کا ایک رکن قرار دیا گیا۔

اسلامی مملکت میں اس اعلان سے ایک نئی معاشی زندگی شروع ہوئی۔ سود کے بوجھ سے کسان چھوٹ گیا غریب مزدور اور مختلف طبقات یکلخت آزاد ہو گئے اور اصل قرضوں کی ادائی میں حکومت نے امداد کی۔ یہ صورت شراب سے بھی زیادہ اہم معاملہ تھا ہمارے **زرعی قرضے** اور اس کا ہندوستان ہو یا حیدرآباد یا ایسے ممالک میں ایسا مثالی واحد حل کے طور پر ایک زرعی قرضہ ہی کو سمجھئے۔ ماہرین معاشیات کو یہ لاینحل صورت نظر آتی ہے اسکے حل کے بغیر تنظیم یا بعد ہو یا کوئی اور منتر معاشی زندگی نئی بنیاد پر قائم نہیں ہو سکتا (ملاحظہ ہو خطبہ صدارت معاشی کانفرنس حیدرآباد ۱۹۴۸ء از محمد یعقوب صاحب)

انقلابی حل اس کا واقعی اور انقلابی حل یہی ہے کہ سود کے بوجھ سے یک قلم آزادی کا اعلان کیا جائے اور حکومت امداد باہمی کے نظام کو غیر سودی طریقہ پر چلائے **مدراس کی کانگرسی حکومت کا عمل**۔ صوبہ مدراس کی کانگرسی حکومت نے بڑی جرات سے ایک خاص مدت سے دس سال سے آگے کے قرضوں پر سے ایک خاص حصہ سود کو منسوخ کر دیا تھا۔ [illegible] ۱۴۳ اسلام [illegible] ص ۲۰۰

تعلیم تھی۔ میں نے مدراس کے دیہات میں کسانوں پر اس کے اچھے اثرات کا خود مشاہدہ کیا ہے۔ ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ غریب کسانوں نے اپنے قرضوں کا بوجھ جلد جلد ایک حد تک ہلکا کر لیا۔

عمر نوح۔ ہم اگر اس طرح کرنا چاہیں کہ امداد باہمی بھی رہے اور سود کا نظام بھی رہے تو اصلاح کے لئے عمر نوح چاہیے۔ ہمارے نظام امداد باہمی کا تجربہ شاہد ہے کہ کسان دونوں طرف مقروض ہوتا ہے۔ متضاد عناصر کار فرما رہتے ہیں

روحانی اہمیت۔ اسلام نے علاوہ اس جبری نظام کے مقروضوں کی مدد اور بغیر سود کے قرضہ دینے کو بہت بڑی مذہبی نیکی قرار دیا ہے۔ خدا نے اپنے ہاتھ کو قرض مانگنے والے کا ہاتھ قرار دیا واقرضوا اللّٰہ قرضاً حسنا (اللہ کو قرض حسنہ) خدا کے وصال کا یہ ایک ذریعہ قرار پایا۔ رسول اسلام کے غریبوں کے قرضہ کی ادائی کو اپنا شعار حیات قرار دیا تھا۔

فی سبیل اللہ کی اہمیت جنگی اخراجات کی کثرت سے بآسانی ہو جاتی ہے اس سے مصارف جہاد خاص طور پر مراد ہیں۔ اگرچہ کہ اس کا عام مفہوم بہت وسیع ہے انسانی فلاح و بہبود کی مختلف شکلوں پر یہ حاوی ہے۔ حالات ہی اس کی وسعت کو سمجھاتے رہتے ہیں

وابن السبیل میں ایسے مسافروں کی طرف اشارہ ہے جو وطن میں سب کچھ رکھتے ہوں لیکن مسافرت میں معاشی مشکلات و مصائب گرفتار ہو گئے ہوں۔

آجکل جنگ زدہ ممالک کے صدہا ہزارہا گم زدہ انسان بھی اس تعریف میں داخل ہو سکتے ہیں۔ جیسے ترکستان اور ازبکستان چین سے ہجرت کرکے یا برما کے بھاگے ہوئے لوگ

جن میں اکثر وہاں خوشحال تھے لیکن اس عالم مسافرت میں محتاج ہو گئے یہ صورت انتہائی معیار پر اسلامی تاریخ میں انصار و مہاجرین کے مواخات کے دور پر ظاہر ہوئی جس میں انصار نے اپنا آدھا مال مہاجرین کو دیدیا تھا

یہ آیت ان تعصبات کا بھی خاتمہ کرتی ہے جن کی رو سے کسی غیر ملک یا قوم یا نسل کے مسافروں کی مدد۔ آج بھی بڑے بڑے متمدن ممالک میں نیکی نہیں سمجھی جاتی انہیں سحر بین کی طرح ان کی حکومتوں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے یا جیسے ہندوستان کی تاریخ میں مثالیں ملتی ہیں کہ مسلمان مسافروں کو تلہ نہ بیچا جاتا تاکہ یا وہ بھوکے مریں یا بھاگ جائیں (ملاحظہ تاریخ حیدر آباد ذکر یار شرف الدینؒ)

یہ جزو اسلامی تحریک کے عالمگیر اور ہمہ گیر ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ ہے معاشی کفالت کا اسلامی نظام جس میں حالات کے لحاظ سے توسیع کے بڑے امکانات پوشیدہ ہیں۔ یورپ اسکیم وغیرہ ایک مجبوری کا سودا ہے اور محتاج تجربہ۔ یہ انسانی تاریخ کا کامیاب ترین تجربہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم کاش مسلمان اور اسلامی حکومتیں اس کو محسوس کریں۔

غریبوں کے مفادات اور اسوۂ رسول صلعم

از
غلام دستگیر رشید ایم۔ اے (عثمانیہ)

غریبوں کے مفاد اور رسولؐ صلعم

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

رب العلمین کی طرف سے رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور زندگی کے ہر شعبہ میں ایک رحمت والے انقلاب کی بشارت تھی اور ایک کایا پلٹ دینے والی صبح سعادت کا طلوع۔

قرآن پاک کی شہادت ہے کہ انسان کی تباہی، پستی، گمراہی، افلاس اور تنگدستی کی ہر صورت آپ پر نہایت شاق گذرتی تھی۔ انسان کی ہر طرح بھلائی پر آپ نہایت حریص تھے جو انسان کو ایمان و احسان کے اس فریضہ میں جو آپ کے ساتھ شریک ہوتے آپ ان مومنین پر خاص رافت و رحمت فرماتے۔

آپ نے قرآن کی روشنی اور اپنے حسین اور کامل نمونہ سے اسلامی تحریک کو ہر قسم کے ذاتی، خاندانی، قومی، نسلی اور ملکی اغراض پرستی سے کامل بے لوث رکھا نتیجہ یہ ہوا کہ شدید جہاد کے بعد لوگوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا اس سے ان کی زندگی کے طرز بدل گئے۔ اخلاق کی دنیا بدل گئی۔ زانی عصمت کے محافظ بن گئے۔ شرابی، حرمت شراب کے علمبردار ہو گئے۔ شدید سود خوار سود کو حرام کرنے نظام زکوٰۃ قائم کرنے والے ہو گئے۔ نسل، رنگ، ذات پات، خاندانوں اور قبیلوں اور ملکوں کے مفادات کے پرستار دل نے ان سب بتوں کو ڈھا دیا۔ یہ حق پرستی کے تقاضوں اور حدود کے پابند ہو گئے۔ طبقہ پرستی کا ایک بڑے فساد کا خاتمہ کیا گیا۔

آپ کی بے مثال انقلاب انگیز سیرت کے بیشمار پہلوؤں کو دیکھکر بے اختیار زبان

آجاتا ہے ع ؎

دل ہے نازاں کہ تری صورت زیبا دیکھی — آنکھ حیران کہ ایک حسن کی دنیا دیکھی

لیکن اس کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ غریبوں، مفلسوں، محروموں، معذوروں، یتیموں، بیکسوں بھوکوں اور ننگوں کی تاریک دنیا پر رحمت و احسان کا آفتاب تازہ طلوع ہوا۔ غربت و افلاس، محتاجی اور گدائی کو دور کرنے والا ایک بہترین انقلابی نظام ظہور میں آیا۔ البتہ اس فکری نظام کے پیچھے آپ کے ذاتی ایثار کی روح بروقت کارفرما رہی۔

نبوت سے پہلے ہی آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شریک کاروبار تھے پھر آپ کے شوہر نامدار کی حیثیت سے عرب کے امیر کبیر ہو گئے لیکن اس دولت کے کیا مصرف تھے آپ کی نورانی فطرت کے کیا میلانات تھے، اسکی شہادت پہلی وحی کے دن خود حضرت خدیجہؓ نے دی۔ اور آپ کی تسلی کے اسباب گناتے ہوئے فرمایا۔

انک لتصل الرحم	آپ صلہ رحمی کرنے والے
وتحمل الکل	بوجھ داروں کا بوجھ ہلکا کرنے والے
وتکسب المعدوم	ناداروں اور بیروزگاروں کو سرمایہ و روزگار فراہم کرنے والے
وتقری الضیف	مہمانوں کی خدمت کرنیوالے اور مصیبت زدوں
وتعین علیٰ نوائب الحق	کی اعانت فرمانے والے ہیں۔

اس کمال دردمندانہ قلب سلیم پر جب وحی کا نور نازل ہوا تو معاملہ نورٌ علیٰ نور ہو گیا۔ سودخواروں، سرمایہ داروں کے خلاف اسلامی نظام کی طرف سے ایک چیلنج دیا گیا کہ اگر وہ اپنی مالی طاقت سے غریبوں کی غربت میں اضافہ کرتے رہیں گے تو وہ غریبوں ہی سے نہیں بلکہ اللہ اور رسولؐ سے جنگ کرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ رسول اسلام کے پیغام میں

رر پرستی اور غریبوں کے مفادات کی کشمکش میں۔ خدا اور رسول غریبوں کی صف میں شامل ہوگئے
متوسط متشرفین میں الٰہی اثرات سے سرمایہ اور سامراج کے خلاف زندگی کے نئے دھارے پیدا ہوگئے
تاکہ آدم کی اولاد ہوس زر کا شکار نہ بن جائے تجارت۔ کساد بازاری اور بحران بھی رہے
غریب مزدور بار بار کی بیروزگاری کے اچانک طوفانوں سے محفوظ رہیں۔ زکواۃ کو ایمان
کے ارکان میں شامل کیا کہ حکومت اور سرمایہ دار سوسائٹی میں محروموں، معذوروں
اور مسکینوں کی ضروریات زندگی کیلئے اپنے مال میں خیرات نہیں بلکہ حق تسلیم کریں۔ اس کا منکر
ایمان اور انسانیت پروری کا منکر اور مرتد قرار دیا گیا۔ یہی وہ اصول ہے جسے جدید
اصطلاح میں سماجی تحفظ۔ معاشی کفالت یا سوشل سیکورٹی کہا جاتا ہے۔ ایسے مزید مسائل
کا دروازہ کھلا رکھا گیا۔ اس کا نتیجہ خود ہی ارشاد فرمایا کہ ایسا توازن پیدا ہوگا کہ زکواۃ
لینے والے مستحق آئندہ باقی ہی نہ رہیں گے تاریخ شاہد ہے کہ چند سال میں لوگ زکواۃ لیکر پھرتے
تھے لینے والا نہ ملتا تھا۔ صرف دولت میں لوازم حیات سے اسباب راحت تک جائز طالی نفس پرستی
یا ہوس انگیزی۔ عیش کوشی اور لہو لعب کی اکثر صورتیں حرام، ناپسندیدہ، ناجائز ٹھہرائی گئیں تاکہ
غریبوں کی خدمت کیلئے سمائی گنجائش نکلے۔ ایک مستقل، محکم، ناقابل تغیر نظام کے علاوہ غریبوں
کی مرادیں بر لانے والے رسول نے اپنے پاک نمونوں اور عملی مثالوں سے ہر قسم کے ایثار کے بلند ترین
مقامات طے کئے اور انسانی ہی خواہی کا کمال دکھا دیا۔

محمد اللہ سے ان سما کہ شکل ہوکر زندگی اپنی غریبوں میں گذاری ساری

تجربہ پاک کے ماہرین کا بیان ہے کہ جود و سخا آپکی فطرت تھی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ
آپ سب سے زیادہ سخی تھے۔

جس قدر ممکن ہو حاجتمند سائلوں کے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک جاری رہتا صحیح بخاری شریف کا

باب حسن الخلق اس حقیقت کا شاہد حال ہے کہ شکل کی غریب نوازی کا طرۂ امتیاز یہ تھا کہ ساری عمر کسی کے سوال پر "نہیں" کا کلمہ زبان مبارک سے نہ نکلا۔ سوائے کلمہ طیبہ میں "لا الٰہ" کے محتاجوں کو دیے جانے کا مشورہ فرط مسرت اور طبیعت کی بشاشت کا باعث ہوتا۔ ہاتھ روکنے کا اشارہ بھی ابر رحمت کیلئے گوارا نہ ہوتا۔

ایک بار ایک سائل کرم خدمت فیضدرجت میں حاضر ہوا۔ وقت کی بات کہ اس وقت حضور کے ہاں کچھ نہ تھا ..... انکار نہ فرمایا۔ سائل کو حکم فرمایا کہ "تم میرے ساتھ آؤ" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ہمرکاب سعادت تھے۔ ارشاد فرمایا کہ آپکے پاس اگر کچھ موجود نہیں تو اسکی آپ پر کیا ذمہ داری۔ اس وقت ایک دوسرے صحابی بھی حاضر دربار تھے عرض کی "یا رسول اللہ آپ دیے جائیں۔ عرش والے خدا سے کسی خطرہ کا خیال نہ فرمائیں وہ آپکو محتاج نہ کریگا۔ میلان طبع کی بات تھی۔ فرط خوشی بشاشت سے آپ مسکرا دیئے۔

امانت یا ملکیت دل اور ہاتھ اس قدر کیوں کھلے تھے اس لئے کہ حضور اپنے آپ کو خدا کی بخشی ہوئی نعمت اور دولت کا خازن امین اور قاسم تقسیم کرنیوالے تصور فرماتے۔ عطا و کرم کا مالک صرف خدا کو جانتے۔ خود فرماتے۔ انما انا قاسم و خازن واللہ یعطی (بخاری)

اگر کوئی تلخی کے ساتھ بھی اس حقیقت کا ذکر کرتا تو طبع عالی اس کے ساتھ بجائے ناراضی کے حسن سلوک سے کام لیتی۔

ایکدفعہ آپ صحابہ کرام کی محفل میں تشریف فرما تھے۔ ایک سائل بدو آیا آپکی چادر کا گوشہ زور سے کھینچکر کہنے لگا۔ محمد! یہ مال نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہے ایک بار شتر دے" آپ نے اس کے اونٹ کو جو اور کھجوروں سے لدوا دیا۔ (ابوداؤد کتاب الادب)

دولت کا مقصد تکمیل احتیاج کا مصرف آپ کے نزدیک دولت کا صحیح مصرف اپنے یا دوسرے ضرورتمندوں کی احتیاجات کی تکمیل تھا۔ اگر یہ مقصد پورا نہ ہوتا اور روپیہ پیسہ جمع رہجاتا تو آپ کو بےکلی سی محسوس ہوتی۔ ام المومنین ام سلمہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر واپس ہوئے تو چہرہ پر تغیر اور تبدیلی کے آثار نمایاں تھے۔ ام سلمہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ خیر ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا "وہ کل جو سات دینار آئے تھے شام ہوگئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے"۔

ایک مثال سے ظاہر ہوتا ہے کہ دولت سمیٹ سمیٹ کر رکھنا یعنی اکتناز ما ایمان کے اعلیٰ مقامات سے کس قدر بعید ہے

ایک دن آپ کے رازدار صحابی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ راستہ سے گذر رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوذر! اگر احد کا پہاڑ بھی میرے لئے سونا ہو جائے تو میں کبھی یہ پسند کروں گا کہ تین راتیں گذر جائیں اور میرے پاس ایک دینار بھی رہجائے۔ لیکن ہاں وہ دینار جس کو میں ادائے قرض کے لئے رکھ چھوڑ دوں"۔

اس باب میں آپ کا معمول تھا کہ گھر میں کچھ نقدی ہوتی تو جب تک کل خیرات نہ کر دیجاتی گھر میں آرام نہ فرماتے۔

رئیس فدک نے ایکدفعہ چار اونٹ پر غلہ بار کر کے خدمت نبوی میں بھیجا۔ حضرت بلالؓ قرض ادا کرنے کے بعد اطلاع فرمائی کہ کچھ بچ بھی رہا۔ ارشاد ہوا جب تک کچھ باقی رہیگا میں گھر میں نہیں جا سکتا۔ حضرت بلالؓ نے کہا کہ وہ کوئی سائل نہیں۔ آنحضرت صلعم نے یہ رات مسجد ہی میں بسر فرمائی۔ دوسرے دن حضرت بلالؓ حاضر خدمت ہوئے عرض کی "اے اللہ کے رسول

اللہ نے آپ کو سبکدوش کر دیا یعنے جو کچھ رہ گیا تھا وہ بھی تقسیم ہو گیا۔ آپ نے خدا کا شکریہ ادا کیا اور اٹھ کر گھر تشریف لیگئے ۔[1]

ایکبار نماز عصر کے بعد فوراً معمول کے خلاف اپنے کاشانہ مبارک تشریف لیگئے پھر فوراً برآمد ہوئے صحابہ نے حیرت سے صورت حال دریافت کی ۔ فرمایا مجھے خیال آگیا کہ کچھ سونا گھر میں پڑا رہگیا ہے ۔ گمان ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات ہو جائے اور وہ یوں ہی گھر میں پڑا رہجائے ۔ اس لئے جا کر خیرات کا حکم دے آیا ۔

تکمیل حاجت کی اہمیت کبھی بیکس کی حاجت کی تکمیل عجلت اور سبقت کا محل و مقام ہوتا تو نماز کو ملتوی فرماتے ۔ ایک دفعہ عین اقامت نماز کے وقت ایک بدو آیا ۔ دامان نبوت تھام کر اصرار کرنے لگا " میری ایک معمولی سی حاجت ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں اس کو پورا کر دیجئے " آپ فوراً اس کے ساتھ ہو گئے اور اسکی حاجت براری کر کے آئے تو نماز پڑھی ۔

دولت غریبوں کی بدولت ۔ ایکدن حضرت سعد بن ابی وقاص سے ارشاد فرمایا ۔

" تم کو جو نصرت اور روزی میسر آتی ہے وہ انہیں غریبوں کی بدولت آتی ہے "

(سیرت شبلی جلد دوم (صفحہ ۲۳۷)

زر پرستی جنت کی راہ میں رکاوٹ ہے ۔ اسامہ بن زید کو مخاطب کر کے فرمایا " میں نے در جنت پہ کھڑے ہو کر دیکھا کہ زیادہ تر غریب و مفلس لوگ ہی اس میں داخل ہو رہے ہیں "

---

[1] سیرۃ النبی جلد دوم از ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین ۔

امت کے غریبوں کی طرف سے قربانی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال عید الضحیٰ میں ایک قربانی اپنی طرف سے اور ایک اپنی امت کے غریبوں کی طرف سے دیتے۔ امیروں کی قربانیوں کی قبولیت میں تو شک ہو سکتا ہے لیکن رسول نے جن غریبوں کی قربانی دی ہو اس کی قبولیت میں کیا شک ہے۔

غریب مقروض۔ معاشی زندگی کے مختلف مدارج، حیات کے مختلف حوادث ایسے ہوتے ہیں جب آدمیوں کو اپنی اپنی ضروریات کی تکمیل کیلئے قرض بھی لینا پڑتا ہے۔ قرض کو دینا بالعموم ایک معاشی معاملہ اور مسئلہ سمجھتی تھی اسے نیکی کا کوئی بڑا کام اور خدمت خلق اور رضائے خلق کا ایک عظیم الشان سبب نہیں تصور کیا جاتا تھا۔ رسول اسلام کی بعثت، تعلیم و ذاتی نمونے سے اس باب میں ایک بہت بڑا انقلاب ہوا۔ غریبوں کے مفادات کی کایا پلٹ گئی۔

اول تو یہ کہ "قرض حسنہ" کو ایمان اور آخرت کے بہترین نتائج کا حامل بتایا گیا۔ محتاج مقروض کے ہاتھ کو اللہ نے اپنا ہاتھ قرار دیا۔ کہا گیا کہ "اللہ کو قرض دو"۔ واقرضو اللہ قرضاً حسنا۔ گویا غریب مقروض کے مفاد کو خدائی مفاد کا مترادف قرار دیا گیا یہ تو اخلاقی اور ایمانی اہمیت ہے۔ رہی معاشی اہمیت تو قرض کے کاروبار کو سود کی شرط سے آزاد کیا گیا۔ اس کو قرضہ حسنہ کہتے ہیں۔ یعنی اس کو ایمان اور مجبور انسانوں کی خدمت کا ایک "حسن" تصور کیا گیا۔

لوگوں کو شوق دلانے کے علاوہ قرض کا اہتمام بیت المال اور حکومت کا فرض قرار دیا گیا۔

دنیا میں سرمایہ پرست سلطنتوں کی طاقت سرمایہ دار قرض دینے والوں کی ہی پشت پناہی ہے۔ یعنے سلطنتوں کا سارا نظام عدالت اور پولیس اور فوج سود خوار ساہوکاروں کو

غریبوں کے خلاف ڈگریاں دلاتا ہے۔

اسلام نے سود وغیرہ کو حرام کرنے کے علاوہ انہیں حکومت کے سماجی تحفظ یا معاشی کفالت (سوشل سیکورٹی) کا حصہ دار اور حقدار قرار دیا۔ مصارف زکواۃ میں جو طبقے مستحق قرار دیئے گئے ان میں مقروض بھی شامل ہیں۔

قرضہ کی رقم سے سود کی رقم کا بوجھ یکسر سخت اٹھا دیا گیا۔ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان کے لوگوں کی طرف سے سود کی معافی کا اعلان حجۃ الوداع میں فرمایا۔

وربا الجاهلیة موضوع واول ربا انا — جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیئے گئے اور

ربا عباس بن عبد المطلب (صحیح مسلم) — سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود عباس بن عبد المطلب کا سود باطل کرتا ہوں"۔

غریب مقروضوں کے بوجھ ہلکا کرنے میں خود ذات رسالتمآب کو یہ اہتمام تھا کہ آپ نے لوگوں کو عام حکم دے رکھا تھا کہ جو مسلمان مقروض مرا اور قرض چھوڑ جائے اسکی اطلاع مجھے دو میں اس کو ادا کر دوں گا۔ جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثوں کا حق ہے مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں یہ غریب مقروض ہی کے ساتھ نہیں بلکہ اسکی پریشان حال اولاد پر کتنا بڑا احسان ہے کہ انہیں قرض کے بوجھ سے سبکدوش کر دیا جائے اور تھوڑا بہت متروک رہے تو رحمت بنی وہ بھی انکے حوالے کر دے کہ اپنی زندگی کو بہتر معیار اور اطمینان سے شروع کریں۔ بیوہ اور یتیم پریشان نہ ہوں

یتیمی۔ یتیم انسانی سوسائٹی کا وہ عنصر ہے جو نہ صرف باپ کی سرپرستی سے محروم ہوتا ہے بلکہ اس کا معاشی سہارا بھی اٹھ جاتا ہے۔ پھر جو قوم مجاہد ہو حق کو غالب کرنے اور

حق کے راستہ کی شدید رکاوٹوں کو دور کرنے کیلئے جان پر کھیلنے کو ہر وقت تیار رہ
اسمیں شہدا کی اولاد بکثرت یتیم ہو جاتی ہے۔

قرآن مجید کی تعلیم اور رسول پاک کے اسوۂ حسنہ میں یتیموں پر شفقت اور منظم نوازش
کا بینظیر نمونہ اور نظام موجود ہے۔ سورۂ ماعون میں ہے کہ یتیم کو دھکے دینا اور مسکینوں کے
طعام پر توجہ نہ کرنا اور نہ دلانا دین کو جھٹلانے یعنے تکذیب بالدین کی نشانی ہے۔

ایک معتبر روایت ہے کہ حضرت زبیرؓ کی صاحبزادیوں اور حضرت فاطمہ زہراؓ نے
حضور رسالتمآب سے اپنی تنگی کا ذکر کیا اور غنیمت کی دو کنیزوں کی درخواست کی حضورؐ
نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے۔

آپکی تعلیمات قرآن میں کئی دفعات یتیموں کے حقوق کے باب میں ہیں۔ خود آپ
دُرّ یتیم ہیں۔ اسلام کا نظام اس سلسلہ میں نہایت ممتاز ہے۔ حدیث شریف میں
جب جنت میں حضرت سرور کائنات داخل ہوں گے تو آپ سے پہلے کسی کے داخل ہونے
آہٹ محسوس ہوگی۔ حضورؐ رضوان سے استفسار فرمائینگے۔ جواب ملیگا یہ ایک عورت
جس نے یتیم بچہ کی خاطر ضبط النفس کیا تھا۔" حضور نے ہمیشہ اپنے عمل اور ارشاد
یتیموں کی پرورش حفاظت کا سامان فرمایا۔

غریب طالبان علم کی خدمت۔ جو علم اور فن کے طالب مرکز علم ا
فیض پر جمع ہوں وہ مدد کے محتاج بھی ہوں تو یہ ایک بہت بڑی نیکی ہے کہ غر
و تنگدستی کو طلبہ علم کی راہ میں رکاوٹ بننے نہ دیا جائے۔ اسی اصول کو اب تہذ
دنیا میں محسوس کیا جارہا ہے اور اس انتظام اور اہتمام کو تعلیمی دنیا میں " تعلیم
مساوی مواقع " کے نام سے موسوم کیا جاتا

اصحابِ صفہ صحابہ کی ایسی جماعت تھی جس نے ہر قسم کا ایثار کر کے اپنے آپ کو حق کی تسلیم اور تبلیغ کیلئے وقف کردیا تھا۔ عام مسلمانوں پر ان کے خرچ اور ضروریات کی ذمہ داری تھی۔ لیکن ان طالبانِ علم حق کی مہمان نوازی خاص طور پر سرورِ کائنات کو ملحوظ رہتی۔ طالب علم کیلئے وقف کرنے والوں کو آپ نے شہادت سے برتر درجہ کی فضیلت دی تھی۔ اس لئے ان کی احتیاجات کو بارہا اپنی احتیاجات پر ترجیح دیتے۔

ایکدن جنابِ عمرؓ نے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے یہ درخواست کی کہ فلاں غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں، ان میں سے ایک کنیز ملجائے، آپ نے ارشاد فرمایا۔ ابھی اصحابِ صفہ کا انتظام نہیں ہوا اور جب تک ان کا بندوبست نہ ہولے میں اور طرف متوجہ نہیں کرسکتا۔ (سیرۃ النبی جلد دوم مولنا شبلی صہ ۱۱۳)

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایکدن خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے شکم مبارک کو کپڑے سے کسکر باندھا ہے، سبب دریافت کیا تو جابر بن علیم ایک صاحب نے فرمایا بھوک کی وجہ سے (صحیح مسلم)

مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ صحابہؓ نے حضور پاکؐ میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھولکر دکھایا کہ پتھر بندھے ہیں۔ آپ نے شکم کھولا تو ایک کی بجائے دو دو پتھر تھے (بحوالہ صحیح مسلم)

بھوک و بیماری کو دور کرنا آپکے دین میں ایسا اہم مقام ہے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن خدائے ذوالجلال جو ہر قسم کی احتیاجات اور بندگی کے لوازمات سے پاک ہے بھوک کو عین اپنی بھوک اور غریب بیماروں کی بیماری کو اپنی بیماری قرار دیکر سوال کریگا کہ میں بھوکا تھا تم نے کھانا نہیں کھلایا۔ میں بیمار تھا تم نے تیمارداری نہیں کی

بندگانِ حق حیرت سے سوال کریں گے کہ! اے خدائے قدوس وسبحان آپ کی نوبت کو بھوک اور بیماری سے کیا نسبت! ارشادِ ربانی ہوگا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا اور میرا فلاں بندہ بیمار تھا، جسکی تم نے خبرگیری نہیں کی۔ خدا جانے غریبوں کے مفادات کو بندہ نوازی سے اپنا مفاد فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ غریبوں اور مفلسوں کی مدد ہی سے خدا رسی حاصل ہو سکتی ہے ع

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست

غریبوں کی ہر قسم کی خدمت اور ان سے نزدیکی اور محبت کو آپ نے قربِ حق کا باعث قرار دیا۔ حضرت عائشہؓ کو ایکدن ارشاد ہوا۔ اے عائشہ غریبوں کی محبت رکھو اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تم کو نزدیک کرے گا۔

کمال ایثار خشک ریگستانِ عرب میں باغات رب کے بہتر جا نداد تھے۔ اس کا واقعہ ہے کہ مخیریق نامی ایک شخص نے اپنے سات باغ مرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام وصیت کے ذریعہ وقف کر دیئے۔ حضور نے انکو خدا کی راہ میں وقف کر رکھا تھا ان کی ساری پیداوار، ان کے سات ثمرات مسکینوں اور غریبوں میں بانٹ دیئے جاتے تھے۔

بھوکوں کی بھوک دور کرنے اور فاقہ زدوں کے پیٹ بھرنے میں آپ خود بھوک اور فاقہ کی مصیبتیں برداشت فرماتے نہ صرف آپ بلکہ ازواجِ مطہرات بھی اس میں شریک تھیں۔

ھو واھلہ لایجدون عشاء آپ اور آپ کے اہل و عیال متنقل کئی کئی رات بھوکے رہتے تھے کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔ (جامع ترمذی سیرۃ النبی)

پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ اکثر پانی اور کھجور پر گذرتی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مدینہ کے قیام سے وصال تک آپ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔ فدک اور خیبر کے ذکر میں محدثین لکھتے ہیں کہ آپ ان کی آمدنی سے سال بھر کا خرچ لے لیا کرتے تھے لیکن اس میں سے بڑا حصہ اہل حاجت کی نذر ہو جاتا تھا اسی سلسلہ میں حضورؐ اکثر روزہ رکھ لیتے۔

ایک دن حضورؐ معمول سے کسی قدر دیر کر کے حضرت ابو ایوب انصاری کے ہاں تشریف فرما ہوئے۔ پاس کے نخلستان سے آواز سنکر حضرت ابو ایوب دوڑتے ہوئے سلام بجا لائے۔ مرحبا کہہ کر عرض کی کہ یہ حضور کے آنے کا وقت نہیں آپ نے حالت بیان کی وہ نخلستان میں جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے اور بکری ذبح کی کباب تیار کرائے۔ کھانا سامنے حاضر کیا تو حضور صلعم نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھکر فرمایا کہ فاطمہؓ کو بھجوا دو۔ کئی دن سے انہیں کھانا نصیب نہیں ہوا۔ پھر خود صحابہ کے ساتھ نوش فرمایا۔ متعدد قسم کے کھانے دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ "خدا نے جو کہا ہے کہ قیامت میں نعمتوں کے متعلق وہ یہی چیزیں ہیں

ننگوں کی تن پوشی کی فکر بھی اسی طرح حضور کے حسن کرم کا ایک خاص رخ تھا۔ آپ نے کبھی کبھی اچھے کھانے اور اچھے کپڑے بھی استعمال فرمائے ہیں لیکن اصلی میلان طبیعت سادگی اور ایثار تھا۔ اکثر تن پوشی کے لئے ایک جوڑے پر قناعت فرماتے۔ اور باقی ننگوں کی تن پوشی کے لئے راہ للہ عطا فرماتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں (ولا یطوی لہ ثوب) کہ کبھی آپ کا کوئی

کپڑا ہدیہ کرکے نہیں رکھا گیا۔

اس ایثار، اس کرم فرمائی اور غریب نوازی کا ہرگز مطلب یہ نہیں تھا کہ حقیقی معذوروں، مسکینوں، اور محتاجوں کے علاوہ معاشی جدوجہد کے اہل لوگ بغیر خیرات، مالی امداد سے ناجائز فائدہ اٹھائیں۔

آپ کا ابر کرم ہر وقت برستا تھا لیکن کسی کا بغیر شدید ضرورت کے سوال کرنا آپ کو سخت ناگوار تھا۔ ارشاد ہوتا ”اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھا پیٹھ پر لادے اور بیچ کر اپنی آبرو بچائے تو اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔ ایک مقروض سائل کو مدد کا وعدہ دینے کے بعد بطور تنبیہ یہ جواں ہدایت سے مستفید فرمایا کہ ”لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصوں کو روا ہے۔ ایک اس شخص کو جو قرض سے زیادہ زیر بار رہو وہ مانگ سکتا ہے لیکن جب اس کی ضرورت پوری ہو جائے تو اس کو رک جانا چاہیئے۔ دوسرے اس شخص کو جو کسی ناگہانی مصیبت میں گرفتار ہو گیا اور سارا مالی سرمایہ اس کے ہاتھ سے برباد ہو گیا ہو۔ اس کو بھی اسی قدر مانگنا مناسب ہے، جب تک اس کی حالت کسی قدر درست نہ ہو جائے۔ تیسرے وہ شخص جو مبتلائے فاقہ ہو۔

مذہبی پیشوائی کی تاریخ میں ایک اہم انقلابی قدم

اسلام سے پہلے اکثر ملکوں اور قوموں میں مذہبی پیشواؤں نے نسلی فضیلت کا دعوے کرکے، اپنے آپ کو خیرات اور صدقات کا مستحق ٹھہرایا تھا۔ غریبوں کا منھ مارنے اور عوام کی جہالت او

زود اعتقادی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے، پیشواؤں کے نسلی جانشینوں ہی کو نذر و نیاز دینے کو راہِ نجات بتاتے۔ قرآن مجید کا بیان ہے کہ

ان کثیراً من الاحبار والرھبان لیاکلون اموال الناس بالباطل

مذہبی پیشوائی کے نسلی اجارہ دار کثیر مشائخ اور علما ایسے ہیں جو لوگوں کے مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنے کو جڑ سے کاٹنے کے لئے اپنی آل و اولاد پر صدقات و خیرات ہی حرام کر دیئے۔

پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری

اس سراپا رحمت ذات نے زندگی کی آخری ساعت اور سانس میں بھی مزدوروں اور غلاموں کو فراموش نہیں کیا۔ اور مرض الموت میں یہ وصیت فرمائی کہ مزدوروں، غلاموں کو ہر روز ستر بار معاف کر دیا کرو۔ پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دو۔ "مشکل کام ہو تو خود بھی ساتھ دو" وصال مبارک کے بعد بھی اس کمال ایثار کی بدولت کوئی ورثہ نہ چھوڑا۔ اس کو نبوت کی خصوصیت فرمایا۔

صلی اللہ علیٰ نورٍ کزو شد نورہا پیدا